The ISMAT, Delhi.
عصمت
مئی ۱۹۳۱ء

[illegible]

... دنیا کو [illegible] کر دیتی ہے۔ قیمت ۸ ر

... ہندوستان کے بعض صوبوں میں شرع اسلام کے خلاف مسلمان لڑکیوں کو ترکہ پدری نہیں دیتے۔ علامہ مرحوم نے اس خرابی کے انسداد پر لکھا اور ایسے درد و سوز و گداز سے کہ پتھر سے دل بھی اس کو پڑھ کر پسیجتے ہیں موم ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۸ ر

جوہر عصمت خلع اور انتقام پر اس سے بڑھ کر موثر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے واقعات کہیں نہایت درد انگیز اور کہیں مزاحیہ۔ قیمت پانچ آنہ۔ ۵ ر

انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ۔ رابعہ کا عبرت انگیز انجام۔ اسلامی کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات۔ انگوٹھی کا راز نہایت خوبی سے [illegible] کرتا ہے۔ ۶ ر

بی ننھی ایک نہایت پرلطف باتصویر افسانہ جس کو پڑھتے پڑھتے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بی ننھی نے بڑھاپے میں [illegible] عجب ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیمت ۶ ر

منازل ترقی اس عبرت انگیز افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن۔ لیڈری کے شوق۔ اور دولت کے لالچ میں اخلاق۔ انسانیت۔ اور مذہب کو بیچ کر غریب رشتہ داروں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتا ہے۔ قیمت چار آنہ۔ ۴ ر

بچہ کا کرتہ ایک عاشق زار بد نصیب ماں اپنے جواں بچہ کی بدولت وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ بہت موثر افسانہ ہے اور [illegible] چھپ چکا ہے۔ قیمت ۴ ر

ویڈیا کی سرگذشت تثلیث و وحدت کی دلدادہ ایک انگریز عورت کی کہانی اس کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو۔ قیمت ۴ ر

چہار عالم حیات انسانی پر پرندوں کی بحث چند نسوانی کمزوریوں کا بیان۔ ہندوستان کی معاشرت کا مرقع۔ قصہ کا پلاٹ [illegible] دلکش ہے کئی قلمی تصویریں ہیں۔ قیمت ۴ ر

بنت الوقت ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بہترین مرقع وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش عورت کا عبرت انگیز انجام ساتویں دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۸ ر

[illegible] مغرب [illegible] میں [illegible] تعلیم پایا کہاں تک [illegible] تعلیم مغربی کے [illegible]

[illegible] دل ہلا دیتی۔ ۸ ر

سنجوگ ایک تعلیم یافتہ [illegible] اور صبور پھوپھی مصیبت زدہ اور مظلوم لڑکی کی درد انگیز داستان جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر کیا اور فریقین کی طبیعتوں کا اندازہ نہ لگایا بلکہ دولت و ثروت کی قربان گاہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو بے دردی سے ذبح کر دیا۔ اس کتاب کا فقرہ فقرہ تیر ہے اور سطر سطر نشتر۔ قیمت صرف ۱۰ ر

سوکن کا جلاپا ایک بے گناہ لڑکی پر ساس نے سوکن لا بٹھائی اور غم نصیب مصیبت زدہ لڑکی نے ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے ساس کی زیادتیاں شوہر کے مظالم غرض سب [illegible] صبر و شکر سے برداشت کیں یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دیدی۔ قیمت ۵ ر

مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہر عصمت حضرت علامہ مغفور کے بہت مشہور ۱۳ سبق آموز مختصر افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بھنور کی دلہن (۳) اگلی محبتیں (۴) افسانہ تنویر (۵) بیگناہ قاتل (۶) بجاوج کا کینہ (۷) مامون رشید کا صبا با اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری (۹) انجیل کی شہادت (۱۰) ملکہ فہزاد (۱۱) بیوقعت کی مستحق (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر۔ ان ۱۳ افسانوں کا مجموعہ جوہر عصمت ہر شریف مرد اور شریف عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے۔ بہت مشہور و مقبول ہے۔ قیمت ۱۲ ر

سیلاب اشک باتصویر حضرت مصور غم کے سات درد انگیز افسانے (۱) پرستار محبت (۲) بلوچن کے تین رنگ (۳) طلاقن کا سفید بال (۴) حج اکبر (۵) ہلال گلبدن (۶) بے قصور بچی (۷) ثریا کا تحمل۔ ہر افسانے کے ساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔ قیمت عہ

طوفان اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں وہ موثر اور سبق آموز کتاب جس میں ۳ دل ہلا دینے والی کہانیاں ادیب درد افزا اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ قیمت عہ

قطرات اشک آنسوؤں کے بادشاہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی افسانہ نگاری اور مضمون نگاری کے دور اول کے بہترین نمونے جو مخزن، عصمت، تمدن، کہکشاں وغیرہ میں شائع ہو کر قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں جنہوں نے پڑھنے والوں کو جادو نگار مصنف کی تحریر کے اثر و تاثیر کا قائل کر دیا تھا اور جو اپنی [illegible] اور طرز تحریر کی دلاویزی کے باعث بار بار پڑھے جاتے ہیں۔ قیمت صرف [illegible]

شہید مغرب طرابلس اور مراکش میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقابلے۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے [illegible] عورت کی [illegible] مسلمانوں کی ترقی [illegible] اسباب تنزل [illegible] افسانے [illegible] قیمت [illegible]

[illegible] واقعات پر جو خواتین یا مسلمانوں [illegible]
[illegible] سے متعلق ہے حضرت علامہ مغفور
[illegible] بیداری نسواں، آزادی
[illegible] خیالات۔ قیمت ۸ر

[illegible] وہ بیش بہا مضامین جو اصلاحِ معاشرت اور اصلاحِ اخلاق کے متعلق ہیں اور جن کے مطالعہ [illegible] ہوگا کہ کس طرح مسلمان گھرانے اندہی اندر گھن کی طرح [illegible] ہو رہے ہیں۔ اور ان کی حالت درست ہو سکنے کی کیا تدابیر ہیں۔ ۶ر

بکھری ہوئی پتیاں مختلف موضوعات کے متفرق مضامین۔ انشائے لطیف اور کئی دردانگیز نظمیں بھی ہیں گویا اس مجموعہ میں حضرت علامہ مغفور کی کئی حیثیتیں نظر آتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چھ آنے۔ ۱ر۶

خدائی راز [illegible] افسانے اُردو کے
سب سے پہلے [illegible] افسانہ نگار کے آخری افسانوں کا بے مثل مجموعہ جس میں حیاتِ انسانی کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ اور جذباتِ انسانی کی بے مثل ترجمانی کی گئی ہے۔ پلاٹ۔ مکالمہ۔ کردار نگاری۔ مناظر نویسی۔ جذبات نگاری ہر اعتبار سے یہ افسانے مشرق کے بہترین افسانوں میں سے ہیں جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرے گا۔ قیمت ایک روپیہ۔ عہ ر

یادگارِ تمدن تمدن حقوقِ نسواں کی حمایت میں پہلا اور آخری مردانہ رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ مغفور نے جو مضامین تحریر فرمائے تھے ان کا مجموعہ۔ طرزِ بیان اسقدر دلآویز ہے کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ قیمت ۶ر

تصانیف محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

گلستانِ خاتون محترمہ خاتون اکرم ہندوستان کے بہترین افسانہ نگاروں میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ گلستانِ خاتون متفقہ طور پر اردو کے بہترین افسانوں کا مجموعہ تسلیم کی گئی ہے اور اس میں دلچسپ سبق آموز موثر اور دردانگیز افسانے ہیں جو زنانہ لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی ہندوستانی خاتون کے ایسے بلند پایہ افسانوں کا مجموعہ نہیں چھپا۔ ملک کے تمام مشہور اخبارات اور رسائل اور نامور اہل قلم مردوں اور عورتوں نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں۔ دیباچہ مولانا راشد الخیری ایڈیٹر عصمت نے لکھا ہے۔ تمام کتاب آرٹ کاغذ پر چھپی ہے۔ بار سوم قیمت ۱ر۱۲

پیکرِ وفا دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور شریف بیوی اپنے شوہر کے لئے ایسی ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جائے۔ قیمت ۸ر

بچھڑی بیٹی ایک دلچسپ اور سبق آموز افسانہ۔ ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے۔ اس کی جدائی میں ماں باپ کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ صرف کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہی لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ جنت مکانی کی بے مثل افسانہ نگاری کی داد دینی پڑتی ہے۔ قیمت ۶ر تیسری بار چھپی ہے

جمال ہمنشیں جنت مکانی کے بے مثل ادبی مضامین کا نہایت حسین شاندار مجموعہ۔ رسالہ الحرم کی [illegible]
[illegible]

باتیں بتائی گئی ہیں۔ قصہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ طرزِ بیان نہایت آسان اکابرینِ قوم نے جسے پڑھ کر شاندار ریویو کئے تھے۔ قیمت ۴ر

سرگذشتِ ہاجرہ دلچسپ اور سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اخلاقی اور اصلاحی جواہرات کا بیش بہا ذخیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انھیں کس طرح دور کر سکتی ہے قیمت ۱۰ر

موہنی ایک اخلاقی معاشرتی افسانہ۔ ایک شہزادی شوہر کے انتقال پر گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں ماری ماری پھرتی تھی یہاں تک کہ ایران پہونچتی ہے اور وہاں عجیب طریقہ سے شوہر سے ملاقات ہوتی ہے ایران کی معاشرت اور خاندانی زچہ خانہ شادی بیاہ رسم و رواج پر دلچسپ معلومات بھی ہیں۔ قیمت ۱۰ر

تحریر النساء لڑکیوں اور عورتوں کے لئے جدید طرزِ خط و کتابت کی مفید کتاب۔ اخلاقی۔ معاشرتی مذہبی سبقوں کا لاجواب دلچسپ مجموعہ۔ یہ کتاب انشا کی انتخاب ہے اور نتیجہ خیز سبق آموز مضامین کا مجموعہ بھی۔ قیمت ۱۲ر

اخلاقی و اصلاحی ناول و افسانے

شہیدِ وفا سلمیٰ کی محبت کی سچی داستان دنیا فراموش [illegible] کر سکتی اس نے سعید کی محبت میں فنا ہو کر دہ [illegible] اٹھائیں جس کی تاب شاید ہی کوئی انسان لا سکے مشہور افسانہ نگار محترمہ امۃ الوحی صاحبہ کے اس کامیاب افسانے کے ساتھ [illegible] افسانے اور بھی ہیں قیمت عہ ر

انوری بیگم اُردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم [illegible] [illegible] کا نہایت [illegible] حیدرآباد کے ایک شریف [illegible] معاشرت [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک انجام - ۸ر

چار رُخ عصمت کی مشہور انشاپرداز محترمہ آمنہ نازلی کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ جس میں چار عورتوں کی عبرت انگیز اور سبق آموز آپ بیتی ہے۔ مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید۔ عیسائی مغربیوں کی صحبت۔ رواج کی پابندی کے دردناک نتائج۔ قیمت ۴ر

جان باز جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبیدہ اپنے منگیتر کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے۔ مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے ہاتھوں کس طرح اپنی پرمسرت زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ خاندان حسن کا ایک سچا دوست تمام مشکلات کو حل کرتا اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں کر دیتا ہے۔ یہ ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔ از محترمہ نذر سجاد حیدر صاحب قیمت ۱۲ر

فیروزہ ایک دولت مند مگر یتیم دلیر لڑکی کا افسانۂ غم۔ شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ بے ایمانی۔ ہنگامی جذبات کے قابل نفرین مرقعے احسان فراموشی محسن کشی کے کمینے حملے اور استقامت استقلال اور دوراندیشی کی فتح۔ از جمیلہ بیگم صاحبہ کلکتہ۔ قیمت ۸ر

نغمات موت محترمہ حجاب اسمٰعیل کے دلآویز مضامین کا مجموعہ جو انھوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے تھے یہ مضامین مصنفہ کے دلی جذبات کا آئینہ اور نظم نما نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ مصنفہ کے انداز بیان کی دلکشی اور ان کے شاعرانہ خیالات کی نزاکت رفعت پورے طور پر نغمات موت میں نمایاں ہیں۔ قیمت ۶ر

ادب زریں محترمہ حجاب اسمٰعیل کا طرز تحریر ملک کی دوسری مشہور انشاپرداز خواتین سے بالکل جدا نہایت دلچسپ ہے۔ وہ نثر میں خوب شاعری کرتی ہیں ان کے چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین بلند تخیل عبارت کی رنگینی اور جذبات کی ترجمانی کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں اس مجموعہ میں پچاس مضامین ہیں جن میں سے اکثر مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں قیمت ۸ر

عفت کی تتلی محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل کا لکھا ہوا ایک سبق آموز اور دلچسپ قصہ جس میں تین مختلف الخیال [illegible] سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت [illegible] سکتی ہے۔ قیمت ۶ر

[illegible]

[illegible]

[illegible] افسانے کا بہترین مجموعہ جس میں سبق آموز بھی ہے دلچسپ اور دلآویز بھی عبرتناک بھی اور کافی تفریحی مزاحیہ بھی۔ اصلاح معاشرت پر نہایت موثر اور بلندپایہ ڈرامہ ہے۔ قیمت ۶ر

دامن باغباں مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر سعید احمد بریلوی کے افسانے۔ جذبات نگاری میں آپ کو کمال حاصل ہے اور زبان روزمرہ عام فہم لکھتے ہیں۔ دامن باغباں ڈاکٹر صاحب کے ۷ سبق آموز افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو اردو کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قیمت صرف عہ

افسانۂ حرم لڑکیوں کے لئے ایک فاضل جرنلسٹ نے دس کہانیاں لکھی ہیں اور ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ نکلتا ہے۔ لڑکیاں کتاب کو نہایت دلچسپی سے پڑھیں گی۔ طرز بیان میں دلآویزی ہے عبارت بہت ہی آسان عام ہندوستانی گھرانوں کی کیفیت نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ قیمت ۸ر

آئینۂ جمال یعنی دور حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ ملقب بہ جمال صاحبہ کی۔ یہ نظمیں اسلام کے دور اولیں کی سبق آموز منظوم کہانیاں درد قومی کی تڑپ مناظر قدرت کی مصوری جذبات نسوانی کی صحیح ترجمانی موسیقی کی لطافت وہ کیا خوبی ہے جو آئینہ جمال میں نہیں۔ خوف خدا پاس مذہب حب الوطنی ایثار ہمت بہادری کے جذبات اس کے مطالعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۱۲ر

شمع خاموش اردو کی مشہور شاعرہ منجو بیگم لکھنوی کی دردانگیز اور موثر نظموں کا مجموعہ مع دیباچہ مولانا راشد الخیری یہ نظمیں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کے صحیح ترین فوٹو ہیں اردو رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں ہر ہر شعر درد سے لبریز ہے پڑھ کر آنسو نکل آتے ہیں کسی خاتون کے کلام کا ایسا دردانگیز مجموعہ اب تک نہیں چھپا۔ زبان آسان اور عام فہم۔ قیمت ۶ر

کچھ اور مفید زنانہ کتابیں

تاریخی لطیفے دنیا بھر کے نامور مصنفوں شاعروں بادشاہوں شہزادیوں وغیرہ کے لطیفے جو نہ دائرہ تہذیب سے باہر ہیں نہ فرضی منگھڑت۔ ان سے ہنسی بھی آئے گی معلومات بھی بڑھیں گی۔ قیمت آٹھ آنہ ۸ر

ہنسی کی باتیں یہ کتاب ہندوستان کے معزز گھرانوں کی محترم خواتین کے نئے نئے طبع زاد مہذب لطیفے ہیں جنھیں پڑھ کر سنجیدہ انسان بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ لطف یہ ہے کہ ایک بھی تہذیب سے گرا ہوا کوئی لطیفہ نہیں۔ ہنسنے ہنسانے کا بہترین [illegible] قیمت [illegible]

تینتیسواں سال | بابت ماہ مئی ۱۹۴۱ء عیسوی | جلد ۶۶ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپے ممالک غیر سے دس شلنگ - قسم خاص آرٹ کاغذ کا ایڈیشن دس روپے - رؤسا سے پچیس روپے - والیان ریاست سے سو روپے۔

ممالک غیر سے - ایک پونڈ فی پرچہ ایک روپیہ۔

[illegible] ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ ویلر کے بک اسٹال پر بھی ملتا ہے۔

عصمتی بہنیں

اگر ان قواعد کی پابندی کریں تو

تو اُن کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندی وقت سے ۲۳ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۱۵ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالے سے دوبارہ پرچہ منگائیں۔ اس کے بعد قیمتاً ملے گا (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو جبہ نمبر خریداری کے حوالے سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدی جائے کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۲۳ تاریخ کو رسالہ بھیجدیا جاتا ہے۔ ہر بہن کا فرض ہے کہ جب پتہ تبدیل کریں فوراً دفتر کو اطلاع دیدیں۔ (۳) جب بہن خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے۔ اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کیجئے۔ کیونکہ بغیر خریداری نمبر کے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی (۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے۔ (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمایئے (۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کریں اور اگر چہ بدستور جاری رکھنا ہے تو چار روپیہ للعمر منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجدیں۔ انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس کر کے شدید نقصان پہنچانا تعلیم یافتہ بیبیوں کے لئے زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہیئے۔

براہ کرم ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھیئے

منیجر

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے قطع ثانی مناسب ترمیم واصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہیئیں (۲) اڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضمون کے لئے تین تین چار چار ماہ کے بعد بھی ممکن ہے کہ جگہ نہ نکل سکے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم از کم الفاظ میں زیادہ خیالات اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے صرف وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو عصمت ہی کے لئے لکھے جائیں۔ وہ مضمون ہرگز نہ بھیجے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہیئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جا سکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے ردی کر دیئے جاتے ہیں عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے۔ عصمت کے لئے ایسے مضامین بھیجنے چاہیئیں جو ہندو مسلمان عیسائی سکھ غرض سب کے لئے مفید ہوں۔ (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی عربی انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے۔ (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں اُنکا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) عصمت سال کے بہترین سال کے بہترین پرچہ (؟) جولائی میں تین چار سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے اُن کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر

از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ

پرستارانِ مغرب! سات سمندر پار کے بیل بوٹے دیکھ چکے، پردیسی پھولوں کی بہار خوب لوٹی، غیر زمین کے پرندوں کا نغمہ سُن لیا، اب اِدھر رُخ کرو یہاں کیچڑ میں موتی اور گدڑی میں لال ملیں گے۔ متجسس نگاہ کی ضرورت اور تلاش کی دیر ہے، انصاف کی کسوٹی پر پرکھنا، حقیقت کے کانٹے میں تولو گے تو یہ جواہرات ہادن تولے، پاؤ رتی کے نکلیں گے۔

مغربی نغمہ کی گونج ابھی تمہارے کان میں موجود ہوگی کہ مرگیا سو گیا۔

مشرقی بیوی کا کہرام دیکھو، شوہر کی موت اس سے کیا کیا لے گئی، نازک ہاتھ سونٹا سے رہ گئے، ان کی چوڑیاں کہاں گئیں؟ رنگین کپڑا ختم ہوا، سُرمہ کاجل کدھر گیا۔

"یہ سب صرف ایک دَم سے تھا"

اس کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ —— اس کا دل رو رہا ہے —— اس کو خاموش نہ سمجھو، اس کے کلیجہ میں آگ لگ رہی ہے —— یہ عورت نہیں ہے، اس کی نسوانیت ختم ہوگئی! —— یہ بیوی نہیں ہے، اس کی قسمت بگڑ گئی —— یہ جب دُلہن تھی، سُہاگن تھی، سب کچھ تھی —— آج رانڈ ہے، بیوہ ہے، کچھ نہیں ہے'

یہ مفلس نہیں ہے —— دولت اس کے پاس، عزیز اس کے ساتھ، بیٹے بھی ہیں، اور بیٹیاں بھی ہیں، یہ دنیا کی بہت سی نعمتوں کی مالک اور بڑے گھر پر حکومت کر رہی ہے، مگر چمنستانِ زندگی کا وہ پھول جو اس کا دل اور دماغ معطر کرتا تھا مُرجھا گیا، اور وہ آنکھیں جو جمالِ محبوب سے سیراب اور وہ دل جو محبت کی دولت سے مالامال تھا آج اُن میں آنسوؤں کی قطار اور داغوں کی بہار ہے۔

یہ وہی آنکھیں ہیں —— جن میں کاجل ہوتا تھا —— یہ وہی دل ہے جس میں محبت رہتی تھی، اس وقت قصرِ حیات کے دونوں ستون اُجڑ گئے، آنکھیں ناکامی کی تسبیح پڑھتی ہیں اور دل ہائے ہائے کے نعرے لگاتا ہے۔

زندگی کی بڑی سے بڑی خوشی دُنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت، اس کا مرجھایا ہوا کنول اب نہیں کھلا سکتی، یہ اس خوشی میں بھی جو کبھی اس کا ارمان تھا ہنستی ہوئی شریک ہوتی ہے۔ اس کی زبان اظہارِ مسرت بھی کرتی ہے، مگر اس کا دل روتا ہے، اور بچھڑنے والے کی یاد رہ رہ کر اور تھم تھم کر اس کا کلیجہ مَسلتی ہے۔

جب مامائیں کھانا پکا چکتی ہیں، بچے کھانا کھا چکتے ہیں، اور گھر کی دُنیا اپنی ضرورتوں میں مصروف ہو جاتی ہے تو یہ آنسو بھری آنکھوں سے باورچی خانے میں جاتی ہے، اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھتی ہے، روٹی پکاتی ہے اور ایک آدمی کا کھانا تیار کر کے خاموش صحن میں اُٹھتی ہے کہ اس کے کانوں میں یہ آواز گونجتی ہے "مسجد کے طالب علم کی روٹی دیدیجئے" یہ چونک پڑتی ہے آسمان کی طرف دیکھ کر گڑگڑاتی ہے اور کہتی ہے۔

"اس کا ثواب اُن کی رُوح کو"

یہ کہہ کر کھانا دیتی ہے اور ادائگی فرض کی ایک خوشی اور خوشی کی ایک جھلک چہرہ پر نمودار ہوتی ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوتا ہے اور رات کا سایہ سر پر چھا جاتا ہے، جس وقت دُنیا نرم گرم بچھونوں پر لیٹتی ہے یہ اپنے عقائد کے موافق کچھ پڑھتی ہے اور شوہر کو پہنچاتی ہے، اور اس وقت اس کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہے، جو دن بھر میسر نہیں ہوئی۔

سنہ ۲۳ء

جہیز

اپریل سنہ ۱۹۴۱ء کے عصمت میں بہن نوردانہ صاحبہ کا مضمون "جہیز" دیکھکر مجھے بڑا تعجب ہوا کیونکہ اب تک یہ رسم صرف بنگالیوں کے یہاں سُننے میں آئی تھی اور وہ بھی ہندوؤں کی کہ جہیز تو ایک طرف رہا وہاں ایک خاص رقم لڑکے کو نقد الگ دینی پڑتی ہے۔ مسلمانوں میں بس اتنی ہی بات تھی کہ وہ شادی کے بعد عید بقرعید وغیرہ تہواروں میں بیٹی داماد کو تہوار یاں دیتے دلاتے ہیں اور بچوں کی پیدائش کے موقع پر سب کو جوڑے دیں۔ مگر حیدرآباد کے لئے یہ آج پہلی مرتبہ سُننے میں آیا۔ جہیز لینے یہ آفت ڈھا رکھی ہے کہ بھائیوں کی تعلیم رُکے باپ کو خودکشی کی نوبت آئے۔ ہاں ایک مرتبہ کسی حیدرآبادی نے یہ اشتہار دیا تھا کہ ایک صاحب جائداد لڑکی کی ضرورت ہے اور جب کسی نے خط و کتابت شروع کی تو پھر باقاعدہ جائداد کی تفصیل دریافت کی گئی اور یہ پوچھا گیا جہیز کیا کیا ملے گا؟ لڑکی والوں نے یہ شسنکر کانوں پر ہاتھ رکھے۔ ایسے لالچی اور ذلیل طبیعت کے آدمی سے فلاح کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ جو بیوی کے مال پر دانت رکھے مگر اس وقت یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ حیدرآباد کا دستور ہے بلکہ یہ سمجھا کہ مختلف طبیعتیں ہوتی ہیں کوئی ایسا بھی لالچی ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ یوپی میں ابھی تک یہ باتیں دیکھنے سُننے میں نہیں آئیں۔ اگر کہیں لڑکے والوں نے دبی زبان سے یہ پوچھا بھی کہ "آپ کے یہاں سے کیا کیا زیور ملے گا۔ معلوم ہو جائے تو ہم دوسری قسم کی چیزیں چڑھانے کے لئے بنوادیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوہری دوہری وہی چیزیں ہو جائیں اور کام میں بھی نہ آسکیں"۔ تو اکثر لڑکی والے یہی جواب دیتے ہیں "صاحب آپ تو یہ سمجھ لیجئے کہ خالی لڑکی آپ کو ملے گی دینے دلانے کا کیا سوال ہے جو ہمیں خدا توفیق دے گا اور اس کے نصیب کا ہوگا مل جائے گا۔ جو آپ کی حیثیت ہو آپ چڑھائیے ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں اپنی اپنی عزت کا سب کو خیال ہوتا ہے"۔ چنانچہ عین شادی کے وقت تک کوئی بات اِدھر اُدھر نہیں ہونے پاتی۔ جہیز اور چڑھاوے کا حال اسی وقت کُھلتا ہے جب سامنے آتا ہے۔ اور اس وقت بھی جو کچھ رائے زنی ہوتی ہے وہ عموماً عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ لڑکی والے برابر یہی کہتے رہتے ہیں کہ "جناب جس نے بیٹی دیدی اُس نے سب کچھ دے دیا۔ بیٹی کو ایک دن کا دینا نہیں ہے ساری عمر دئے جاؤ۔ پھر بھی جو کچھ دیا بہت دیا"۔ اِدھر لڑکی والے جوڑوں اور چڑھاوے وغیرہ پر اعتراض سُنتے ہیں تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں "جوڑے چڑھاوے میں کیا رکھا ہے لڑکا محنتی شریف ہو خاندان اچھا ہو یہ چیزیں تو صندوق میں بند رہتی ہیں اصل چیز تو قدردانی ہے۔ جو نظریں اس وقت ہیں ان میں فرق نہ آئے اور جس طرح ہاتھوں چھاؤں کرکے لے جا رہے ہیں ایسا ہی برتاؤ رہے"۔ اگر آپس کے لوگوں نے بڑھا چڑھا کر اُمیدیں دلا رکھی ہیں تو ان سے اس کا جواب طلب کیا جاتا ہے "کیوں صاحب آپ نے تو یہ کہا تھا یہ کیسی بات ہوئی"؟ مگر اس بات کی بڑی کوشش کی جاتی ہے کہ سمدھیانے والوں کے کان تک کسی قسم کی شکایت نہ پہنچے اور دِلوں میں فرق نہ پڑے۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسی بات ہو جائے تو وہ کہتے ہیں "ہمارے یہاں کسی نے کچھ نہیں کہا یہ اُوپر والوں کی باتیں ہیں اس کا تو ہمیں خیال کرنا چاہیئے نہ کہ آپ کو"۔ اگر کبھی کوئی تنگ خیال آدمی دُلہن کے جہیز پر اعتراض کرتا ہے تو عزیز اور رشتہ دار اسے سمجھا دیتے ہیں کہ "کوئی ایسی بات مُنہ سے نہ نکالو جس سے شرمندگی ہو۔ اُنہوں نے جو کچھ دیا اپنی بیٹی داماد کو دیا آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ لوگ کہیں گے آپ جہیز کے بھوکے ہیں، تو صاحب ہو کے جہیز پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں"۔

باوجود اس قسم کی سیرچشی کے اظہار کے اپنی حیثیت سے بڑھ کر جہیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض اوقات روپیہ قرض

سے کر اس کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔ تاکہ سُبکی نہ ہو۔ جہیز کی نمائش کی جاتی ہے۔ بس یہ دکھاوا ساری خرابیوں کی جڑ ہے کہ وہ دن کی واہ وا کی اُمید اعتراضات کا خوف بیٹی والوں کا دیوالہ نکلوا دیتا ہے۔ اگر یہ دستور اٹھا دیا جائے تو پھر اس کی اصلاح آسانی سے ممکن ہے بند صندوق چلے جائیں اور اگر زیادہ ہوں تو یہ بھی ضرورت نہیں کہ اسی وقت سب جائیں۔ ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے کہ دو چار دن کے شور و شر کو برداشت کر لیا جائے اور چاہے کوئی کتنے بھی اعتراض کرے یا دیکھنے کا شوق ظاہر کرے اس کا خیال نہ کیا جائے۔ اس پر جو اعتراض ہوں گے ان کا جواب مشکل نہیں جس سے انسان ڈرے اور اپنے آپ کو تباہ کر دے۔ بالکل صاف سچی اور ایمان کی بات تو یہی ہے کہ صاحب اپنی اولاد کو دینے میں دوسروں کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر شخص اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے اور جو کچھ اسے میسر ہوتا ہے کبھی اسے دینے میں دریغ نہیں کرتا۔ پھر اس کا سب پر اظہار کرانے سے کیا فائدہ؟ ہاں اگر لڑکے والوں کی نسبت بدگمانی ہو کہ وہ سب خود لے لیں گے یا پیچ کھائیں گے تو بے شک مجمع عام میں اس کا دکھا دینا بہتر ہے بلکہ سب دیکھنے والوں سے تحریری شہادت لے لی جائے تو اچھا ہے ورنہ یوں تو جہیز کا دکھانا میرے نزدیک ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی اپنے بچوں کو کھانا کھلاتے وقت سب محلّے والوں کو بُلا کر دکھائے۔ اور گرمی جاڑے کے موسم میں جب نئے کپڑے بنائے تو سب رشتہ داروں کو اکٹھا کرے اور خوب اچھی طرح سب کو دکھا دکھا کر سمجھا دے کہ یہ چیزیں اس بچے کی ہیں اور یہ اس کی۔ اور اسی طرح جب وہ پڑھنے کے قابل ہوں تو سالانہ کورس کی کتابوں وغیرہ کی نمائش ہوا کرے۔ اور ساتھ ہی سال بھر کا کاغذ پنسل چاقو روشنائی جاذب وغیرہ کا اور اگر ماسٹر رکھا جائے تو اس کی تنخواہ کا پورا پورا حساب لکھا ہوا تمام میل جول والوں کے سامنے پیش کیا کرے۔ تاکہ تمام آدمی دیکھیں اور کہیں کہ اللہ غنی کیا دل گردے کے ماں باپ ہیں جو اولاد کے لئے یوں بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے ہیں اور اگر کسی کی حیثیت ان اخراجات سے زیادہ سمجھیں تو پھر اس پر اعتراض شروع کر دیں اور سارے میں ہجو اڑاتے پھریں۔ جہیز کا دکھاوا ایک ایسی عام بات ہے کہ ہلکی چیزیں زیور اور برتن کی قسم کی چیزیں کہلانے لگی ہیں۔ جو دیکھنے میں قیمتی معلوم ہوں مگر دراصل اتنی لاگت کی نہوں۔

بہرحال اس سلسلے میں امیروں ہی کو پیش قدمی کرنی چاہئیے تاکہ دوسرے ان سے سبق حاصل کرنے میں جھجک نہ محسوس کریں۔ اس وقت بھی ہمارے سامنے ایک زبردست مثال موجود ہے۔ بھوپال میں والی ریاست کے خاندان میں اس طرح شادیاں ہوتی ہیں کہ دولہا دُلہن کو مسجد میں لے جا کر عقد نکاح کی رسم ادا کر دی جاتی ہے اور حاضرین میں چھوارے تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ بس اللہ اللہ خیر صلا۔ نہ جہیز نہ چڑھاوا کچھ بھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔ کیا وہاں کسی چیز کی کمی ہے لیکن اپنی رعایا کے سامنے خود اپنی مثال پیش کر کے راہ راست پر لانے کے لئے کتنا بڑا ایثار ہے۔ تمام جذبات کو پس پشت ڈال کر شرعی سادگی کا بے مثل نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

برنیر کا ہندوستان

اورنگ زیب کے عہد میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر برنیر ہندوستان آیا تھا۔ وہ کئی سال اس ملک میں رہا اور یہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور طرزِ معاشرت کے متعلق کافی واقفیت حاصل کی۔ اس کو فارسی اچھی طرح آتی تھی۔ اس لئے اس کو ہندوستان کے متعلق کافی معلومات باسانی حاصل ہوگئیں۔

یہ شخص انتہائی درجہ کا متعصب تھا اور مشرقیوں سے اس کو نفرت سی تھی اس لئے اس نے جو کچھ ہندوستان کے متعلق لکھا ہے اس پر جانب داری کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ باوجود اس کے تعصب کے اس کو کئی موقعوں پر مسلمانوں کے علم و کمال ان کی رواداری اور ان کی طرزِ معاشرت کے اعلیٰ معیار کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

برنیر کی کتاب بہت ضخیم نہیں لیکن پھر بھی کئی سو صفحوں پر مشتمل ہے اور اس کا ایک مختصر سا اقتباس بھی کافی طویل ہوگا۔ لہٰذا اس مضمون کے لئے میں نے صرف وہ چند باتیں لے لی ہیں جن کے متعلق عام طور سے لوگوں کا غلط خیال ہے۔ مثلاً مکان کی سجاوٹ ایک مغربی چیز سمجھی جاتی ہے۔ لوگوں کا یہ عام طور سے خیال ہے کہ ہندوستان میں اپنے مکانوں کے آراستہ کرنے کا شوق یا مذاق نہ تھا۔ برنیر اس کے بالکل برخلاف لکھتا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہے کہ ہر امیر اور رئیس کا مکان بہت آراستہ ہوتا تھا اس کے الفاظ ہیں:۔

"مکان کے ہر کمرے کے فرش پر چار انچ موٹا گدا بچھتا ہے جس پر گرمیوں میں سفید چادر اور جاڑوں میں ریشمی قالین پڑا ہوتا ہے۔ کمرے کے نمایاں حصہ میں دو چار زریں گدے ہوتے ہیں جن پر نازک ریشمی پھول بنے ہوتے ہیں اور جن میں چاندی سونے کا کام بھی ہوتا ہے۔ یہ گدے گھر کے مالکوں اور معزز مہمانوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ ان گدوں پر کمخواب کے تکئے ہوتے ہیں اور گھر کے دوسرے حصوں میں بھی مخمل ساٹن اور کمخواب کے تکئے ہوتے ہیں۔ جن پر لوگ ٹیک کر بیٹھتے ہیں۔ کمرے کے چاروں طرف زمین سے ۶ فٹ اونچے طرح طرح کے محراب ہوتے ہیں۔ ان میں چینی کے پھول دان اور پھولوں کے گملے رکھے ہوتے ہیں۔ چھت سنہری اور رنگین ہوتی ہے مگر انسان یا جانور کی تصویریں نہیں ہوتیں کیونکہ شرعاً ممنوع ہیں۔"

غذا کے متعلق بھی ہمارا خیال ہے کہ پھل کھانے اور پھلوں کے فوائد ہم نے انگریزوں سے سیکھے ہیں۔ رسالوں کے مضمونوں میں ہمیشہ پھل کھانے کی تاکید ہوتی ہے اور انگریزوں کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ دیکھئے وہ لوگ پھل کس قدر کھاتے ہیں اور ہم لوگوں میں اس کا رواج نہیں ہے۔ معلوم ہی نہیں کہ کبھی وہ زمانہ بھی تھا کہ پھل سے ہمارے دسترخوان کبھی خالی رہتے ہی نہ تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے قیمتی پھل کھائے کھلائے جاتے تھے اس کے متعلق بھی برنیر کی زبانی سنئے:۔

"پھلوں کا ایک بازار ہے جو بہت شاندار ہے۔ اس میں متعدد دکانیں ہیں جن میں گرمیوں کے موسم میں بلخ، بخارا، سمرقند کے میوہ جات مثلاً بادام۔ پستے۔ اخروٹ خوبانی چلغوزے اور آلو بخارے کثرت سے ملتے ہیں اور جاڑوں میں ان ہی ملکوں سے آئے ہوئے تازے انگور سیاہ اور سفید روئی میں لپٹے ہوئے۔ کئی کئی قسم کے سیب اور ناشپاتیاں انار ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجے کے خربوزے ہوتے ہیں اور یہ پھل بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ ایک خربوزے کی قیمت دو ڈھائی روپے سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بہت

پسند کیا جاتا ہے اور امیروں کے خرچ کی یہ ایک مستقل رقم ہے۔ مثلاً میرے آغا رحمن کے یہاں برنیر مہمان تھا) صبح کے ناشتہ کے لئے پھل کم سے کم بیس روپیہ کے خریدتے ہیں۔"

مکان کس وضع کے ہوتے تھے یہ بھی سُن لیجئے :۔

"اس ملک میں اچھا مکان وہ سمجھا جاتا ہے جو کشادہ اور ہوادار ہو۔ ایک اچھے مکان میں متعدد صحن ہوتے ہیں۔ باغ ہوتے ہیں درخت تالاب ہوتے ہیں اور کمروں کے اندر بھی چھوٹے چھوٹے فوارے ہوتے ہیں۔ کشادہ خوبصورت اور سجے ہوئے تہ خانے ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوتے ہیں جن میں ۱۲ سے ۴ بجے تک آرام کیا جاتا ہے جب کہ سخت گرمی پڑتی ہو بعض لوگ تہ خانوں کی بجائے خس خانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں (یہاں خس خانے کی تفصیل ہے) مکان وہ اچھا سمجھا جاتا ہے جو ایک وسیع پھولوں کے باغ میں ہو۔ جن میں چار پانچ بڑے بڑے کمرے ہوں اور جن میں ہر طرف سے ہوا آتی ہو۔ کوئی ایسا مکان نہیں جس کی چھت نہ ہو جس پر رات کو لوگ سویا کرتے ہیں۔ یہ چھت خوابگاہ سے ملحق ہوتی ہے۔ تاکہ بارش یا طوفان صبح کی خنک ہوا۔ یا اوس سے بچنے کے لئے پلنگ بآسانی اندر کر لئے جائیں۔"

لباس کس قدر نفیس ہوتا تھا اور کس کس اہتمام سے تیار کیا جاتا تھا اس کا اندازہ برنیر کے بیان سے ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ :۔

"بیگمات جس ململ کا استعمال کرتی تھیں وہ اس قدر نازک ہوتی تھی کہ ایک رات میں پھٹ جاتی تھی۔ کمخواب اطلس اور زربفت امیروں کے روزانہ لباس کا کپڑا تھا اور گھر پر لباس تیار کرایا جاتا تھا۔"

ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری معاشرت کا معیار کس قدر اُونچا تھا اور اب کتنا گر گیا ہے جس کی وجہ ہمارا افلاس ہے۔ یہ تو خیر معاشرت کے متعلق غلط فہمیاں تھیں۔ اس سے بڑھ کر غلط فہمی مسلمانوں کے مذہبی رواداری کے متعلق ہندوؤں کو اور خود مسلمانوں کو ہے۔ برنیر جو ایک بہت ہی متعصب عیسائی تھا اور جسے اسلام سے سخت بغض تھا وہ اپنے خطوں میں اسلامی رواداری کا ذکر کرنے پر مجبور ہے۔ اور یہ ذکر چونکہ ضمناً اور غیر ارادی طور پر ہے اس لئے اہمیت رکھتا ہے وہ ستی کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "کس قدر ظالمانہ اور وحشیانہ رسم تھی" اور اس کے بعد کہتا ہے کہ "مسلمان بادشاہوں نے وقتاً فوقتاً کوشش کی کہ یہ رسم کسی طرح سے بند کر دی جائے لیکن چونکہ وہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتے تھے اور ان کی پالیسی مذہبی آزادی کی ایسی ہے کہ وہ اس رسم کو جبراً بند نہ کر سکے۔"

یہ اس بادشاہ کے عہد میں لکھا جا رہا ہے جس کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کا دشمن تھا۔ ہندوؤں کو کتنی مذہبی آزادی حاصل تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ برنیر نے ان کو اپنے تمام مذہبی فرائض آزادانہ اور بغیر روک ٹوک ادا کرتے دیکھا۔ برنیر نے اورنگ زیب کے عہد کے ہندوستان کا حال لکھ دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں ایک ہی مذہب کے ایک ہی فرقہ کے لوگ دوسرے پر سخت ظلم کرتے تھے۔ آئرلینڈ کے کیتھولکس کو کیتھولک ہونے کے جرم میں ان کی جائداد تک سے محروم کیا جاتا تھا۔ وہ حکومت میں حصہ لینے سے معذور تھے۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت میں ہندو اس قسم کی قیود سے قطعی آزاد تھے۔ کیتھولک فرقہ والوں کو پراٹسٹنٹ آزادی سے عبادت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن اسلامی حکومت میں ہندو گہن اور دوسرے مذہبی تہواروں کے موقعوں پر جوق در جوق جمع ہوتے تھے۔ اور اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے تھے۔ اور ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ برنیر نے ایک گہن کے موقعہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتا ہے کہ :۔

"مغل بادشاہ اگرچہ مسلمان ہے لیکن اس رسم کے ادا کرنے کی اس کی طرف سے اجازت ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا یا شاید اتنی ہمت نہیں کرتا کہ ہندوؤں کے آزادانہ طور سے ان کے مذہبی فرائض ادا کرنے میں دخل دے۔"

مسلمانوں کی آزاد خیالی صرف رواداری پر ہی منحصر نہ تھی وہ ہندو فلسفہ کی عزت کرتے اور ان سے واقفیت بھی رکھتے تھے۔ برنیر کہتا ہے کہ:۔

"آغا جس کے یہاں وہ مہمان ہے سنسکرت سے بہت دلچسپی رکھتا تھا اور اس نے برنیر کی معلومات کے لئے متعدد پرانی سنسکرت کی کتابیں حاصل کی تھیں۔ لیکن ایک کتاب ایسی تھی جو برنیر حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن باوجود کوشش کے آغا اس کے لئے وہ حاصل نہ کرسکا کیونکہ آغا کے ہندو پنڈت نے اس کے دینے سے انکار کیا اور آغا اس پر جبر نہ کرسکتا تھا۔"

برنیر نے اورنگ زیب کے عہد کی سیاسی حالتیں لکھی ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور اس زمانہ کی تاریخ پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ شاہ جہاں کے چاروں بیٹوں کی باہمی جنگ کا حال اس نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے:۔

"اس خانہ جنگی میں اورنگ زیب کچھ اچھے رنگ میں نظر نہیں آتا۔ دارا شکوہ کے پُرحسرت انجام پر بہت افسوس ہوتا ہے اور اس زمانے کے فریب اور دغا داری کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

برنیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک مورخ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک سیاح کی حیثیت سے سُنی سُنائی باتوں پر اسکی معلومات کا انحصار ہے اس لئے پوری رائے صحیح نہ ہوگی کہ اس نے جو کچھ لکھا سب واقعات ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے اس زمانہ کا بہت کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی استقامت کا بھی وہ ذکر کرتا ہے اور تعریفاً نہیں تسکا تیا اس لئے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ وہ جس رئیس کو خط لکھ رہا ہے اس کو جتا یا لکھتا ہے کہ "جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے عیسائی مشنری ان کا کچھ نہیں کرسکتے دس ہزار برس بھی کوشش کریں تو مسلمانوں کو عیسائی نہیں بنا سکیں گے۔" یہ برنیر کے اپنے الفاظ ہیں وہ کہتا ہے۔

"میں خاص کر مسلمانوں کی طرف سے بالکل مایوس ہوں۔ میں نے تقریباً ہر ایک مشنری جگہ دیکھی ہے اور میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ ہندوؤں کو عیسائی بنانے میں جو کامیابی ہو تو ہو لیکن دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی نہ بن سکے گا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد گذشتہ میں ہماری مذہبی استقامت فنا نہیں ہوئی تھی۔ برنیر کہتا ہے کہ "اگرچہ مسلمان حضرت عیسٰیؑ اور بی بی مریمؑ کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مذہب سے ہٹنے والے نہیں۔"

اگرچہ امیر اور رئیس بہت خوشحال تھے لیکن غریب اس زمانے میں بھی بہت ہی خستہ حال اور امیروں کے لئے مشق ستم بنے ہوئے تھے۔ برنیر نے جگہ جگہ یہ بات لکھی ہے کہ غریبوں کی حالت اچھی نہیں وہ امیروں کے رحم پر جیتے ہیں۔ اگر زمیندار یا وہ امیر جس کے ہاں غریب ملازم ہے اچھا ہوا تو اس کی قسمت۔ ورنہ اس کے ظلم کے خلاف غریبوں کے پاس کوئی حربہ نہ تھا۔ حکومت کی طرف سے لوگ فریاد سننے آیا کرتے تھے۔ لیکن ان تک فریاد پہنچنے نہ پاتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ باوجود اتنے دولت و ثروت کے حکومت قائم نہ رہ سکی کیونکہ حکومت کی بنیاد غریبوں کی خوشحالی ہے اور بنیاد ہی مضبوط نہ رہی تھی۔ بہرحال برنیر کا سفرنامہ نہایت ہی دلچسپ کتاب ہے اور آج سے ڈھائی سو سال پہلے کے ہندوستان کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہم کتنے بدل گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ ہم کتنے کم بدلے ہیں۔ اگر برنیر کی کتاب سے ہندوستان کا لفظ ہٹا دیا جائے اور پھر یہ کتاب پڑھنے کو دی جائے تو پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ہندوستان کی حالت لکھی گئی ہے۔

شائستہ اختر سہروردی

خودداری

یوں تو انسان مختلف جذبات کا مجموعہ ہے لیکن جس میں خودداری کا جذبہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہر جگہ سربلند رہتا ہے۔
خودداری کے معنی ہیں اپنی عزت اپنے وقار اور اپنے اعزاز کو قائم رکھنا اور غرور کے معنی گھمنڈ، اکڑ اور ایسی حالت کے ہیں جہاں پہونچکر آدمی اپنے تئیں اشرف الانسان محسوس کر کے شیطان کا مجسمہ بن جاتا ہے، اور اپنے روبرو سب کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگتا ہے اگرچہ دونوں جذبوں کے معنی و مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تاہم دونوں کی حدیں ملتی ہوئی ہیں۔ اس لئے ایک خوددار کو اپنے اس جذبہ کا تجزیہ ہر وقت کرتے رہنا چاہیئے۔

خودداری وہ جوہر ہے جو آدمی کو انسان بنا دیتا ہے۔ یہ اشرف و اعلیٰ جذبہ کسی کے روبرو سرنگوں نہیں ہونے دیتا طمع و حرص کے سنہری روپہلی جال میں بھی نہیں پھنسنے دیتا۔ اور افلاس کی حالت میں دستِ سوال دراز کرنے سے باز رکھتا ہے۔

ایک خوددار طالب علم اپنی جماعت میں سربلند رہتا ہے، ایک خوددار شاعر کبھی کسی کی شان میں مبالغہ آمیز قصیدہ نہیں کہہ سکتا۔ ایک خوددار سپاہی اپنے سپہ سالار کا کبھی کوئی غیر معقول حکم نہیں مان سکتا۔ اور ایک خوددار لیڈر اپنی قوم کے ساتھ کبھی کسی حال میں غداری نہیں کر سکتا۔ اس جذبہ کا حامل جان و مال سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اس میں رحم و کرم عدل و انصاف اور جرأت کا مادہ بدرجۂ اتم ہوتا ہے اور بلاوجہ کسی بڑے آدمی کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا۔ سچائی اور صاف گوئی کا پابند ہوتا ہے۔ آبروریزی کے بدلے آبِ حیات کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بدرجہا بہتر و افضل ہے۔ مفلسی کی حالت میں یہ اپنے اس جذبہ کا احترام حاتم کی سخاوت رستم کی طاقت اور لقمان کی حکمت سے بھی زیادہ کرنے لگتا ہے، بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو۔

یہ جذبہ اکثر فطری ہوتا ہے، اور اپنے اُوپر اعتماد و بھروسہ کرنے سے بدرجۂ اتم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خود اعتمادی ہی کا دوسرا نام خودداری ہے۔ ایک خوددار کبھی کسی کا محتاج و غلام نہیں ہو سکتا، کبھی کسی سے توقعات قائم کر کے تکلیف میں نہیں پڑتا۔ یہ ذلت کے عیش پر ہمیشہ تکلیف و مصیبت کو ترجیح دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ذرائع و وسائل اختیار کئے بغیر دنیا کا کاروبار نہیں چل سکتا، لیکن اس حال میں بھی یہ حسن خودداری کو نہیں بھولتا۔ افلاس کی حالت میں بڑے سے بڑا انسان ڈگمگا جاتا ہے پست ہمتی اور بزدلی، مایوسی و ناکامی اس کے اعضا کو مضمحل اور کمزور کرتی رہتی ہے لیکن باوجود اس کے یہ ان تمام بلاؤں اور ان تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور یہ اپنے اندر ایک سکون و آسودگی محسوس کرتا ہے۔

لیکن افسوس کہ یہ شریفانہ محترم جذبہ ہندوستان سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور اگر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو دبا ہوا۔ مُرجھایا ہوا، سسکتا ہوا، اور دم توڑتا ہوا۔ اس کا سبب محکمانہ ماحول ہے۔ اور اس کی ذمہ داری والدین اور سوسائٹی پر ہے۔ سکولوں اور کالجوں کی درسگاہوں پر ہے جو نصابِ تعلیم کے ناخدا ہیں۔

حکومت کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ والدین بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے ترقی پذیر دماغ کو طرح طرح کے خوف دلا کر ڈراؤنے قصے اور کہانیاں سُنا سُنا کر بزدل سے بزدل ترین بنا دیتے ہیں، سوسائٹی بداخلاق ہے، اور درسگاہوں کے ذمہ دار افراد اس سے خالی الذہن۔ رفتہ رفتہ اس جذبہ کا فقدان اس درجہ پر پہونچا ہے، جو درجہ عمیق ترین غار سے گہرا اور شب تاریک سے

زیادہ سیاہ ہے۔ اور یہاں کی مخلوق کو آنادو میں آنکھ سے تو کیا اپنی ایجاد کردہ اُس نئی خوردبین سے بھی دیکھیں جو چاند کی آبادی کو دیکھ سکتی ہیں، سورج کے آتشیں دریاؤں کو دیکھ سکتی ہیں، مشتری کی مخلوق، اور زہرہ و مریخ کی جاندار آبادی کو بھی دیکھ سکتی ہیں — تو ہندوستان کی آبادی کو وہ نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ تو وہ اب اگر ہم بھی اپنے آپکو دیکھنا چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کہاں ہیں؟ غالب نے شاید یہ شعر ایسی ہی حالت کے لئے کہا تھا کہ ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی

خودداری، دولت و ثروت اور خطاب ملنے سے نہیں آتی، گہوارہ میں جھولتی ہے۔ اور نہ دیبا و حریر میں ملفوف رہتی ہے بلکہ یہ تو جوع و عطش کی بے چینی سے پیدا ہو کر روئے کار آتی ہے۔ بشرطیکہ اس حال میں انسان کے دماغ کا توازن قایم رہ سکے۔ اگرچہ توازن قایم رہنا آسان نہیں ہے، بلکہ اس کے حاصل کرنے کے لئے روحانی تکلیف و اذیت ہوتی ہے، لیکن جو شخص یا خاندان اور جو قوم اس منزل کو عبور کر جاتی ہے، وہی اس زمین پر سرفرازی و سربلندی حاصل کر لیتی ہے۔ اور یہ اُسی حال میں ہوتا ہے جبکہ فطرت کی طرف سے اس کو اس نوع کا جذبہ عطا کیا گیا ہو۔ اور اگر کہیں یہ اکتسابی بھی ہوتا ہے تو اپنی شان قائم رکھنے میں اور انسانیت نوازی کے باب میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

میرے نزدیک جس میں خودداری کا جذبہ نہیں، وہ انسانیت کے جذبہ سے گرا ہوا ہے، اور اسی کے لئے غالب نے کہا ہے کہ ؏

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اکثر و بیشتر کیا روزانہ دیکھا جاتا ہے کہ جب آدمی کسی معمولی حالت سے کسی ممتاز عہدے یا درجے پر پہونچتا ہے تو اس کا دماغ بالکل ایک نشہ باز کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ عہدہ یا درجہ خواہ عالمانہ حیثیت کا ہو، رہنمایانہ ہو، حاکمانہ ہو یا مالی ہو، انسان کے دماغ کا پارہ حقیقتاً چڑھ جاتا ہے اور حاکمانہ حیثیت میں تو یقیناً بلاشک و شبہ اس میں پندار و غرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس لئے وہ اپنے تئیں مافوقِ بشر سمجھنے لگتا ہے۔

وہ اپنی معمولی حالت کے عجز و انکسار، رواداری و خودداری کو بھول جاتا ہے اور اسی طرح فراموش کر دیتا ہے گویا کبھی اس پر عامیانہ دَور گذرا ہی نہیں تھا۔ اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ اس کو عوام سے کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ یہ اپنے غریب و مفلس عزیز و اقارب کو چھوڑ اور عزیز ترین دوستوں سے منہ موڑ لیتا ہے اس کی نگاہ میں عزت ہے ان کی جن کے ہاتھ میں طاقت ہو، دولت ہے، اور قانون، اس لئے ان کا ساتھ دینے میں نجات ہے۔ وہ اسی گروہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اسی کے کانوں سے سنتا ہو اور اسی کے دماغ سے سوچتا ہے۔ ایسی حالت میں خود اعتمادی و خودداری کو اعتباری باتیں سمجھ کر ٹھکرا دیتا ہے۔ محکومانہ حالت کی وجہ سے ہندوستان میں یہ وبا متعدی مرض کی طرح برابر پھیلتی جا رہی ہے۔ لیکن تعلیم یافتہ گروہ بھی نہیں سمجھتا کہ یہ مرض تپ دق، طاعون، اور کالرے کا حکم رکھتا ہے کسی معمولی سے معمولی مرض سے غفلت کرنا اپنے تئیں ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

ہم نے خودداری کو معمولی بات سمجھ کر ٹھکرا دیا۔ ہم خودداری سے اتنی دُور ہو گئے کہ اب ہم اس کا احساس تک نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ یورپ بیدار ہے اور ہم خفتہ خودداری کی تعلیم مردوں کے لئے مفید ہے اور عورتوں کے لئے مفید تر ہیں۔

امام اکبر آبادی

میری عزیز بہنوں

اے میری پیاری بہنو خوابِ گراں سے جاگو — آنکھوں کو اپنی کھولو دُنیا کا رنگ دیکھو
بہنو یہ میٹھی نیندیں سونے کے دن نہیں ہیں — کرنے ہیں کام لاکھوں۔ اس کو ذرا تو سوچو
کچھ وقت کی خبر ہے کب تک پڑی رہو گی — بستر کو اب تو چھوڑو۔ یوں کروٹیں نہ بدلو

جاگے ہیں بعض ہم میں اور کتنے سو رہے ہیں — جاگے جو ہیں وہ بیٹھے سوتوں کو رو رہے ہیں
افسوس وقت کو ہم یوں کر رہے ہیں ضایع — ساتھی جو تھے مقابل منزل کے ہو رہے ہیں
ہیں بحرِ ارتقا میں اغیا دُر بداماں — ہم ہیں کہ پاس جو ہے وہ بھی ڈبو رہے ہیں

ہیں غیر آسمانِ رفعت پہ آج تاباں — اور ہم ہیں قعرِ پستی میں وائے زار و نالاں
گلزارِ قوم اپنا وقفِ خزاں ہے کب سے — اغیار کی فضا میں ہر دم ہے بادو باراں
افسوس بدنصیبی۔ ہیہات نامرادی — سینہ ہو کیوں نہ بریاں آنکھیں ہوں کیوں نہ گریاں

اے بہنو! کیوں ہماری ہے یہ زبون حالت؟ — چھایا ہے کیوں ہمارے مطلع پہ ابرِ نکبت؟
راحت کی بدلیاں کیوں ہم پر نہیں برستیں؟ — دُھل جائیں جس سے یکسر گرد و غبارِ کلفت!
کیوں ہے ہماری شمعِ ہستی چراغِ سحری؟ — گلشن پہ اپنے کیوں ہے بادِ خزاں کی آفت؟

جتنے ہیں آسمانِ رفعت پہ آج تاباں! — ہیں بحرِ ارتقا میں جتنے گُہر بداماں
ہے فرد فرد ان کا تعلیم کا فدائی — ہے علم ان کی خواہش ہے علم انکا ارماں
ہے علم مال ان کا۔ ہے علم ان کی دولت — ہے علم ان کی پونجی۔ ہے علم ان کا ساماں

بہنو تمہاری آنکھیں ہوتیں جو آج بینا — علم و عمل کا سُرمہ ان میں لگا جو ہوتا
اور آج گوشِ شنوا ہوتا تمہیں جو حاصل — کس چیز کی کمی تھی کس بات کا تھا رونا؟

اب بھی جو جاگ جاؤ تو ہے بسا غنیمت فضلِ خدا سے اب بھی ممکن ہے کام بننا

گر آسمانِ رفعت پہ ہے تمہیں چمکنا گر چاہتی ہو باغِ عالم میں تم لہکنا
بزمِ جہاں میں عزت کی تم اگر ہو خواہاں اک بات میں کہوں گا۔ مانو جو میرا کہنا
پورا گناہ سمجھو۔ پورا عذاب سمجھو!
محرومِ علم رہنا۔ مصروفِ جہل رہنا!!

آسی رام نگری

تتلی

روش فضا پر تیرتی ہوئی حسین تتلی "کسی جذبہ بے اختیار سے چکر کاٹ رہی ہے......

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نسیم سحر کے دل نواز راگ سننے کا اشتیاق اسے چین نہیں لینے دیتا...

یا خوش رنگ پھولوں کی نامعلوم خوشبو کی تلاش بے قرار کر رہی ہے... یا شاید عالم تصور میں بقائے بہار کا راز معلوم کرنا چاہتی ہو.....

فرطِ شوق سے جھلملاتی ہوئی کلی کلی اور روش روش اڑتی تتلی ایسی معلوم ہو رہی ہے جیسے سنہرے لباس میں ملبوس پری کائنات کو اپنے رقص سے محظوظ کر رہی ہو......

سیمیں چمکدار پروں اور بے ضرر معصوم آرزوؤں والی تتلی کو دیکھ کر بعض اوقات مجھے یہ احساس ہوتا ہے.... جیسے جنت کی رنگینیوں سے تخلیق شدہ۔ کوئی مقدس روح مصروفِ گلگشتِ چمن ہو......

آنسہ محمودہ رضویہ کراچی

۲۰ مئی کو بنات دہلی کا کہانی نمبر شائع ہوگا۔

منیجر

تِلک لگانا

سُرخ تِلک کا مرض ایک وبا کی طرح مسلمان بہنوں میں پھیل رہا ہے۔ آجکل جہاں بیگمات نئے نئے فیشن ایجاد ہو رہے ہیں وہاں تِلک بھی نمایاں نظر آتا ہے اور محض خوبصورتی کے لئے لگایا جاتا ہے۔ مگر اسلام ہمیں اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ہم دوسری اقوام کی تقلید کر کے نہ صرف نقال کہلائیں بلکہ اپنے اسلامی امتیاز بھی کھو دیں۔ ذرا تصور کیجئے اگر ہمیں کسی ایسی مجلس یا پارٹی میں شریک ہونا پڑے جس میں ہندو بیبیاں بھی شریک ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان بہنوں کا تِلک بھی اپنی نمایاں شان دکھا رہا ہو اس وقت ایک تیسرا شخص کیا امتیاز کر سکتا ہے کہ کونسی مسلم عورت ہے۔ فرض کیجئے اس حالت میں ایک ہندو بہن آپکو اپنا ہم مذہب سمجھ کر نستے کہیں تو اس وقت آپکا کیا جواب ہوگا کہ بہن معاف کیجئے میں ہندو نہیں اُس کے جواب میں کہیں میں نہیں سمجھ سکی کہ آپ مسلمان ہیں شاید تو نہیں سمجھ سکتی کہ کوئی غیرت مند مسلمان بہن اس طنز آمیز فقرہ پر شرمندہ نہ ہوں۔ کس قدر افسوسناک امر ہے کہ ہم اپنے طریق مذہب کو بھلا دیں۔ بس ہمیں اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی زندگی بسر کرنی چاہئیے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا سنگھار شرافت ہے اور تِلک حیا ہے نہ وہ جو دوسری قومیں ماتھے پر لگاتی ہیں۔

ام حمیدہ بیگم

سیڈیزم

ماہرین نفسیات نے سائیکلو انالیسس (Psychoanalysis) کے انکشافات کے ذریعہ انسانی فطرت پر جو بسیط روشنی ڈالی ہے اس کے ذریعہ گو یہ درست ہے کہ بہت سے قدیمی قائم کردہ نظریوں کو بدلنا پڑا ہے۔ مگر اس کے باوجود بعض وجوہ ایسی بھی ہیں جن پر ایک خاص رائے قائم کرکے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے۔ فلاں واقعہ کا ظہور پذیر ہونا لازمی ہے۔ مثلاً سیڈیزم کے متعلق یہ خیال کہ ان ہی لوگوں کو دوسروں پر ظلم کرنے یا ایذا رسانی کا ذوق ہوتا ہے جن کو عام حالات میں وہ کامیابی اور ترقی حاصل نہ ہوسکی جس کے وہ طالب تھے۔ یا جن پر کسی نے ظلم و جبر کیا تھا اور اب وہ موقع پاتے ہی کسر نکالنے پر تُل جاتے ہیں۔

سیڈیزم در اصل ایک اعصابی مرض ہے جو اکثر اوقات گھریلو ناخوش آیند اور مکدر فضا کی وجہ سے بدرجۂ اتم ہمارے طبائع پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستانی گھروں میں عام طور پر ابتدا ہی سے ایسی سنجیدہ خاموش اور غم پسند زندگی بسر کرنے کی عورتوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ان کی فطرتِ ثانی بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر لیجئے کہ جہاں بچیاں دس بارہ سال کی ہوئیں اُن پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اب وہ اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ مل جل کر نہیں کھیل سکتیں۔ ذرا سی دوڑ دھوپ پر بے شعور، بدتہذیبی وغیرہ کے خطابات دئے جاتے ہیں۔ خواہ لڑکے کیسی ہی شوخیاں کریں۔ گھر کی ساری چیزوں کو اُلٹ پُلٹ کر رکھ دیں۔ یا ان سے کھیل کر قیمتی چیزوں کا نقصان کر دیں مگر انہیں کوئی عیب جوئی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور نہ ان حرکات کو ناشائستہ قرار دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر لڑکیوں نے زور سے قہقہہ لگایا یا ہم عمر چھوٹے بھائیوں کے ساتھ گیند کھیلنے میں شریک ہو گئیں۔ یا بھائیوں کی سائیکل پر چڑھنے کی مشق کی تو فوراً بری طرح اُنہیں ڈانٹ پلا دی جاتی ہے۔ جس سے اُن کی اُمنگیں بالکل مردہ ہو جاتی ہیں۔ اب بتلایئے وہ غمگین پسند نہ ہوں گی تو اور کیا ہوں گی۔ رفتہ رفتہ یہی غمگین پسندی ان کی فطرت ثانی بن جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف ان کی صحت و طبائع پر بُرا اثر پڑتا ہے بلکہ وہ قبل از وقت بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

ہماری ہندوستانی ذہنیت ہمیشہ اس امر کی متقاضی ہے کہ جہاں تک بنے ہم غیر معمولی متانت پسند انتہائی سنجیدہ اور رنج و غم میں ڈوبی ہوتی نظر آئیں۔ شاید اس لئے کہ دُنیا دار المحن ہے یا اس لئے کہ اُنہیں وہ درجہ حاصل نہیں تھا جو مردوں کو حاصل ہے۔ لیکن یہ یقین کر لینا صحیح نہیں کہ دوسروں کو تکلیف پہونچانے میں سیڈیسٹ Sadist کو مسرت اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوت اور دبدبہ کا مظاہرہ جب ماتحتوں اور چپراسیوں پر کرنے کی وسعت نہیں رکھتے تو اپنی بیوی اور بچوں پر ہی رعب جما کر دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ بعض اوقات امیر کبیر اور کامیاب

فیملی میں دیکھا گیا ہے کہ مرد اپنی دولت اور اختیارات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے بیوی اور بچوں پر بیجا روک ٹوک جاری رکھتے ہیں کسی امر میں اُنہیں خوشی کا اظہار کرتے دیکھا نہیں جاتا ۔ ہر وقت وہ ناک بھوں چڑھاتے دکھائی دیتے ہیں گویا یہ بھی ان کی مرفع الحالی اور تموّل کا امتیازی نشان ہے ۔ بلکہ ان کی نسبت درمیانی حیثیت کے اکثر گھرانوں میں دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی گھر کے کاموں اور بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں ۔ اور اپنی کم بضاعتی کی تلافی میں ہر امکانی امداد کے ذرائع بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اُنہیں اپنی مجبوریوں کا احساس ہوتا ہے اور انہیں خواہ مخواہ حکومت کرنے کا نشہ سوار نہیں ہوتا ۔ اور وہ گھریلو مسرت سے مالامال ہوتے ہیں ۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت میں ابتدا ہی سے یہ فرق رکھا جاتا ہے کہ لڑکے صرف کھیلیں کودیں اور اپنا دل بہلائیں اور لڑکیاں بیچاریاں ابتدا ہی سے بڑی بوڑھی بن کر ان کی تابع فرمانبردار رہیں اور خانہ داری کی جھنجھٹوں کو انجام دیتی رہیں ۔ بس اس انتہائی غیر منصفانہ تقسیم عمل اور روزمرہ کے برتاؤ سے لڑکوں میں جو نسل آئندہ کے باپ ہونے والے ہیں استبدادیت کا رنگ چڑھ جاتا ہے ۔ اور لڑکیوں میں Inferiority Complex یعنی احساسِ کمتری کا غلبہ کچھ ایسا زور دار ہوتا ہے کہ وہ بیجا دباؤ کو خواہ وہ باپ شوہر یا بیٹے اور بھائی کی طرف سے ہو بطیب خاطر برداشت کر لیتی ہیں ۔ جس سے واقعی ان کے مظالم یا حکومت کے زعم میں ترقی ہوتی جاتی ہے ۔ اور اسی طرح نسلاً بعد نسلاً ان ہر دو اصناف کا طبعی رجحان ناخوش آیند اور غیر منصفانہ ہوتے ہوتے بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے اور اصلاح کی کوئی صورت نہیں نکالی جاتی ۔ اگر آج اسلامی مساوات کو بروئے کار لایا جائے اور لڑکوں لڑکیوں کی تربیت رکھ رکھاؤ اور تعلیم میں یکسانیت قائم کی جائے تو ہندوستان سے یہ منحوس روگ دفع ہو سکتا ہے ۔

مگر مدتوں کی پڑی ہوئی عادت کو بدلنا دشوار گذار مرحلہ ہے ۔ اور اس کو طے کرنے میں ضرور تھوڑی بہت تلخ کامیوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ اس کے مقابلہ کے لئے اگر ہندوستانی بہنیں تیار ہو جائیں تو یہ نفسیاتی نقص ہم سے دور ہو سکتا ہے ۔

جمیلہ بیگم ۔ کلکتہ

باقی صفحہ ۲۱۹ کا

عقیدت کو عین اسلام سمجھتے ہیں ۔ دوسروں کو ڈرایا جاتا ہے کہ غوث اعظم کی شان میں بے ادبی کی تو جل جاؤ گے ۔ اس قسم کے لوگوں کے خیالات کی اصلاح تو بہت ہی مشکل ہے لیکن دل چاہتا ہے کہ کم از کم نئی پود ہی سنبھل جائے جو ان گھرانوں کی تربیت میں تباہ ہوئی جا رہی ہے ۔ اس مقصد کے موافق اور مخالف ہر خیال کے لوگوں کے مضامین کثیر تعداد میں شائع کئے جائیں تاکہ ان کے سامنے معاملہ کے دونوں رُخ آ جائیں اور دونوں کے دلائل سامنے رکھ کر اس کے بعد وہ کیجئے جس کی عقل رہبری کرے ۔

دُردانہ

گیارھویں

یازدہم شریف یا گیارھویں ہندوستان کا بہت مقبول تہوار ہے اگرچہ ہندوستان میں سیکڑوں درگاہیں اور ان کے عقیدت مند بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں خصوصاً حضرت خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ حضرت نظام الدین اولیا پیران کلیر وغیرہ سے عقیدت رکھنے والے تو بلا مبالغہ لاکھوں سے بھی متجاوز ہوں گے۔ مگر پھر بھی جو ہمہ گیر مقبولیت اور بے پایاں عقیدت بغداد کے اس بطل اعظم کے حصہ میں آئی ہے وہ صرف ان ہی کے لئے مخصوص ہے اور لطف یہ ہے کہ ان کے عقیدت مندوں میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو شریک ہیں اور ان میں وہ ہر ایک چیز پر قادر دیوتا کی طرح مانے جاتے ہیں ہندوؤں کا ایسا سمجھنا تو خیر کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ "ہیرو ورشپ" ہمیشہ سے ان کا شعار رہا ہے۔ لیکن کاش مسلمانوں کی عقیدت اور محبت اعتدال پر قائم رہتی کس قدر رنج کا مقام ہے کہ ایسی زبردست وحدانیت کی حامل قوم اور قبر پرستی درگاہوں کے طواف پیروں ولیوں سے امداد طلبی میں ہندوؤں سے دس قدم آگے ہو مسلمان اپنے بزرگوں سے عقیدت ضرور رکھیں نذر نیاز بے شک کریں لیکن خدا کو خدا سمجھیں اس کے بندوں کو تو اس پر فضیلت نہ دیدیں ستم یہ کہ یہ کیفیت یہیں تک ہی محدود نہیں بلکہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ مذہبی اور مولویانہ خیالات رکھنے یا کم از کم اُس کا دعویٰ کرنے والے گھرانوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی مشکل درپیش ہوئی کہ پیروں اور ولیوں کے نام کی پکار شروع ہو گئی۔ چند ہی دن ہوئے میرے رشتہ داروں میں ایک بی بی بیمار ہوگئیں۔ اب سے دُور ایک دن تو حالت اس قدر بگڑی کہ سکرات کا عالم معلوم ہونے لگا۔ بس پھر کیا تھا ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر بصد خشوع و خضوع کے ساتھ "المدد یا غوث اعظم دستگیر" کا وظیفہ شروع ہو گیا۔ خصوصاً ان کی بڑی لڑکی تو انتہائی عقیدت اور وارفتگی کے عالم میں شجرۂ مبارک شب نامہ اور خدا جانے کیا کیا پڑھ کر دم کرتی جاتی تھیں۔ ان کے نزدیک اس شجرہ کو قرآن سے زیادہ درجہ حاصل تھا۔ بار بار پوچھتی تھیں کہ "مجھے وضو نہیں ہے اس شجرہ مبارک کو ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ اور مجھے زبانی بھی یاد ہے۔ زبان سے پڑھنے میں تو شاید حرج نہ ہوگا۔ اس حالت میں آخر کروں کیا پڑھے بغیر چین بھی نہیں آتا۔ کہیں بے ادبی نہ ہو اللہ معاف کرے" ان کے بہن بھائی جہاں کوئی اور بات کرتے وہ فوراً کہتیں کہ "یہ وقت اور کسی بات کا نہیں ہے کہے جاؤ المدد یا غوث اعظم دستگیر"۔ میں دو گھنٹے وہاں ٹھہری لیکن مجھے یاد نہیں کہ اس دوران میں کسی ایک نے بھی خدا سے مدد چاہی ہو۔ ہر دل خشوع و خضوع کے ساتھ غوث اعظم کی طرف متوجہ تھا۔ یہ وہ گھرانہ ہے جہاں کے رہنے والوں کو اپنی مذہبی معلومات اور مسائل دانی پر اس قدر فخر و ناز ہے کہ وہ اس معاملہ میں کسی کو اپنے سے برتر تو کیا برابر سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ کسی کا سمجھانا ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ اپنی اس (باقی صفحہ ۳۱۸ پر)

ننھّی دھمّا!

جس خاندان میں تین چار پشتوں سے لڑکی پیدا نہ ہوئی ہو وہاں لڑکی کا جس قدر ارمان ہو کم ہے۔ اصغر علی خاں پانچ بیٹوں کے باپ تھے چھوٹا بچہ رشید تین سال کا تھا۔ رشید کے ننھے بھائی کی آمد کے دن قریب آ پہنچے تھے۔ اور ماں باپ گڑگڑا کر بارگاہ ربّ العزت میں ایک بچی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب اللہ پاک نے مدّتوں کی آرزو پوری کر دی اور ننھی فرحت نے اپنی معصوم کلکاریوں سے ماں باپ کے دلوں کی کلیاں کھلا دیں۔ رضیہ اور اصغر دونوں میاں بیوی بچی کو دیکھ دیکھ کر نہال نہال ہوتے تھے۔ آٹھ دس دن کی بچی کی بساط ہی کیا۔ لیکن ہاتھوں میں ننھی منّی چوڑیاں اور پاؤں میں ننھے ننھے گھنگرو ڈال دئے گئے۔

اصغر علی کوئی متموّل شخص نہ تھے شکوہ آباد ضلع مین پوری کی کچہری میں ایک معمولی کلرک تھے۔ یہ چھوٹا سا کنبہ ایک کچّے مکان میں بسر اوقات کرتا تھا۔ مکان کچّا تھا لیکن شہر سے باہر ایک پُرفضا جگہ مکان کے باہر دروازہ پر کنواں بھی تھا۔

خاں صاحب حسب معمول نو بجے کچہری جا چکے تھے بچے بھی اپنی اپنی کتابیں سنبھال کر مدرسے چلے گئے۔ گھر میں چھوٹا بچہ رشید مٹی کے کھلونے بنا رہا تھا اور ننھی فرحت اپنی کھٹولی پہ میٹھی نیند سو رہی تھی۔ رضیہ کوٹھری میں صندوق کھولے بچّوں کے کپڑوں کی اُلٹ پلٹ میں مصروف تھی کیونکہ بچی کی سالگرہ میں صرف تین ساڑھے تین مہینے رہ گئے تھے۔ اور دونوں میاں بیوی اُس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب اپنی پیاری فرحت کی سالگرہ پر سو پچاس آدمی جوڑ کر ارمان پورے کریں۔

بچی سوتے میں چونک گئی اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ رضیہ نے رشید کو آواز دی اور کہا "ننھے ذرا بہن کو بہلاؤ میں صندوق بند کر کے ابھی آتی ہوں"۔ رشید میاں مٹی پھینک کر بھاگے ہوئے گئے اور ننھی بہن کو اُٹھا سیدھا گود میں لٹکا لیا۔ بچی چپ ہو گئی۔ ماں سمجھی کہ رشید نے بہلا لیا ہوگا۔

رشید میاں بہن کو لٹکائے لٹکائے ساری انگنائی میں چکّر لگاتے ہوئے دروازے کے باہر نکل آئے سامنے کنواں تھا۔ جوں توں کر کے پتھر پر چڑھے اور ننھی کو کنوئیں میں "دھمّا" کر کے پھر اپنے کھلونے بنانے بیٹھ گئے۔

رضیہ کام سے فارغ ہو کر باہر آئی چاروں طرف دیکھا لیکن بچی کی آواز نہ سنائی دی۔ البتہ رشید میاں ایک کونے میں بیٹھے مٹی کی گائے اور ٹیڑھی بڑنگی چڑیاں بنا رہے تھے۔

ماں نے پوچھا "ننھے بہن کہاں ہے"؟ رشید میاں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "امّی ننھی تو روئے جا رہی تھی ہم اس کو کنوئیں میں دھما" کر آئے۔ آپا جی اب وہ کیسے نکلے گی"؟

رضیہ کے دل پر بجلی گر پڑی۔ بیچاری سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ آخر جس تمام لڑکھڑاتی ہمسائی کے یہاں پہنچی اور ایک لڑکے کو کنوئیں میں اُتروایا۔ ننھی فرحت نکل آئی ــــ ماں نے بچی کو دیکھا اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئی! رشید میاں تالیاں بجا بجا کر کہہ رہے تھے۔

"آپا جی ہم نے تو ننھی کو سُلا دیا"۔

آمنہ نازلی

سنجیدگی کی حمایت میں

زندہ دلی اور خوش مذاقی کی حمایت میں آپ نے بہت کچھ پڑھا ہوگا جمیں بتایا جاتا ہے کہ ہنسنا ہنسانا اور بشاش رہنا انسانی زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ ایک زندہ دل اور ہنسنے والا آدمی صرف اپنا ہی وقت اچھی طرح سے نہیں گذار سکتا بلکہ وہ اپنے دوسرے ہم نشینوں کے واسطے بھی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ جہاں کہیں پہنچ جائے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر اور پُر لطف گفتگو سن کر رنجیدہ سے رنجیدہ آدمی بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنے افکار پریشاں بھول کر اسے خوش آمدید کہنے پر آمادہ ہوجاتا ہے اس کی خوش مذاقی ہر دیکھنے والے کو جواباً مسکرانے پر مجبور کردیتی ہے۔ غرضکہ وہ ایک آفتاب ہے جو خود منور ہونیکے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی روشنی بہم پہنچاتا ہے۔

مندرجہ بالا قسم کے لوگ سوسائٹی میں صرف چند ہی ہوتے ہیں اس کے برعکس ان لوگوں کی کثرت ہے جن کے مغموم اور سنجیدہ چہرے اور خشک گفتگو ان کے اس نظریہ کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ زندگی ایک بڑا بھاری ناقابلِ برداشت بوجھ ہے جسے انسان اُٹھائے ہوئے ایک دُور دراز منزل کی طرف لئے جارہا ہے۔ راستہ دشوار گذار ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں اور عمیق گڑھے ہیں۔ بوجھ کے نیچے وہ دبا جارہا ہے لیکن مجبور ہے۔ اسے اتنی فرصت ہی نہیں کہ سر اٹھا کر گرد و پیش کی کوئی دلفریب چیز دیکھ سکے۔ سنجیدہ آدمی ہر آنیوالے واقعہ کو اپنے لئے ایک نئی مصیبت خیال کرکے اور زیادہ سنجیدہ و ملول بن جاتے ہیں۔ ان کا خاموش رہنا ایک پُر اسرار لہجہ میں گفتگو کرنا اور روزمرہ کی دلچسپیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا خود ان کے وجود کو سوسائٹی کے لئے ایک مصیبت بنا دیتا ہے۔ جہاں کہیں وہ جاتے ہیں ماحول کو اور زیادہ سنجیدہ و مغموم بنا دینے میں انہیں یدطولیٰ حاصل ہے۔ نوجوان طبائع ان کی طرف سے ایک نفرت سی محسوس کرنے لگتی ہیں لیکن آج میں نے انہیں کی حمایت میں قلم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کروں گی کہ ان کی نفسیات میں چند ایسے اجزا موجود ہیں جو نہ صرف سوسائٹی کے لئے مفید بلکہ بہت ضروری ہیں۔

ہندوستانی زندگی پر جو سنجیدگی کا عنصر غیر ضروری طور پر غالب ہے اسے دُور کرنے کی کوشش کے بجائے اس کی حمایت میں کچھ کہنا یقیناً ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند کرادیگا لیکن میرے خیال میں ایسی بات کی چند خوبیاں سُن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جو خود ہی چند روز میں گئی گذری ہونے والی ہے۔

ہر وقت بشاش رہنے والا آدمی زندگی کو صرف ایک عارضی کھیل کی حیثیت سے دیکھتا ہے جمیں کوئی ٹھوس اور پائیدار کام کرنیکی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی اور نہ اسے اپنی تفریحی دلچسپیوں اور دوسروں کو خوش کرنے کی کوششوں سے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ کسی اہم پہلو پر سوچ بچار کرکے اسے بروئے کار لاسکے۔ آپ کہیں گی کہ انسان کے دل کو خوش کرنا ہی دُنیا میں اس قدر مفید اور ضروری کام ہے کہ اسے چھوڑ کر اپنی زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے کسی دوسری جانب رجوع ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر یہی کام اس نے حُسن و خوبی کرلیا تو سمجھ لیجیے کارخانۂ حیات میں اس نے اپنا فرض پورے طور سے انجام دیدیا۔ مانا۔ لیکن زندگی میں دوسرے فرائض اور مسائل بھی تو ہیں جن پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کیواسطے ایک ٹھوس فضا اور فرصت کی ضرورت ہے۔ یہ فرائض ہماری سنجیدہ بہنیں جو بہت کم سخن ہیں۔ تُلی تلی باتیں کرتی ہیں اور دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر خاموشی میں اپنا وقت گذارنا پسند کرتی ہیں آسانی سے انجام دے سکتی ہیں۔

وہ ایک فلاسفر ہیں جو ہر وقت زندگی کے اہم واقعات پر سوچتی غور کرتی اور رائے قائم کرتی رہتی ہیں۔ زندگی ان کے نزدیک ایک کبڈی کا کھیل نہیں بلکہ ایک بہت اہم ڈراما خزینہ ہے جو خدا کی نظروں کے سامنے کھیلا جا رہا ہے۔ اس ڈرامہ میں انسان ایک کٹ پتلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس کے تار ایک پس پردہ طاقت کے ہاتھ میں ہیں۔ بغیر اس کے ہلائے ہوئے انسان ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ ان مختلف حرکات کا درمیانی وقفہ سنجیدہ آدمی ایک محزون اور مجبورانہ غور و خوض اور انتظار میں صرف کرتا ہے کہ تقدیر کی گذشتہ حرکت خدا جانے کس مصلحت پر مبنی تھی اور آئندہ نہ معلوم کیا ہونے والا ہے کہ پردہ کے پیچھے ایک دوسرا ہاتھ جنبش میں آتا ہے اور کٹ پتلی کو زمین پر دے مارتا ہے۔ یہ دوسرا ہاتھ موت کا ہے۔ یقیناً موت بھی قدرت کا ایک اٹل قانون ہے۔

تقدیر کے ہاتھوں مجبورانہ حالت پر غور و خوض کرنے والے سنجیدہ انسان کی طبیعت میں تحمل، استقلال اور ارادہ میں استحکام پیدا کر دیتی ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب اس کا قدرتی ردعمل پیدا ہوتا ہے اور انسان تقدیر سے بغاوت پر آمادہ ہو کر کچھ کرنا چاہتا ہے یہی قوتیں مدد کر کے اسے کامیاب بناتی ہیں۔ وہ ایک جاندار اور ٹھوس شے یک مضبوط چٹان سے مشابہ ہو جاتا ہے جو کسی طاقت کے سامنے نہیں جھک سکتی بلکہ اس کے سامنے تقدیر بھی سر جھکانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس زندہ دل آدمی گلاب کی پنکھڑی کی طرح نازک ہے اور اسی وقت تک شاداب ہے جب تک بادِ صبا اس کی پرورش کرتی ہے خزاں کا ایک جھونکا اسے زمین پر دے مارنے کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذرا سی مصیبت زندہ دل آدمیوں میں عام طور سے بہت کایا پلٹ کر دیتی ہے۔ اور وہ مغموم و متفکر رہنے لگتے ہیں۔ سب ہنسی مذاق غائب ہو جاتا ہے زندگی کی تلخ حقیقت ان کی آنکھیں کھول دیتی ہے اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتک جو کچھ کیا وہ رائیگاں گیا اب نئے طرز سے زندگی شروع کرنا چاہیئے۔

سنجیدگی کی حمایت میں مجھے ایک بات اور کہنے دیجئے۔ زندگی کا تمام کاروبار اس کے تمام شعبے صرف سنجیدگی ہی سے چل سکتے ہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی مذاق کا پہلو داخل کر دیا جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ سیاست داں کمروں میں بیٹھے خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ چوبیس گھنٹے ملکی معاملات پر غور و خوض اور بحث و مباحثہ کرتے رہتے ہیں۔ پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے اور ان کے متعلق احکامات صادر کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر کھڑے کھڑے گھنٹوں تقریریں کرتے اور ملکی و قومی فلاح و بہبودی کے لئے قانون بناتے رہتے ہیں۔ دفتروں میں کلرک صبح سے شام تک قلم ہاتھ میں لئے موٹے موٹے فائلوں پر سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں پروفیسر، فیکٹریوں میں انجینیر، اسپتالوں میں ڈاکٹر نہایت محویت اور غور کے ساتھ نظامِ زندگی کے کونوں کو تھامے ہوئے ہیں۔ ان کے پیچھے فلاسفر اور غور و خوض کرنے والے ڈائرکٹروں کی طرح ان کی حرکات و سکنات پر نظریں لگائے ہوئے ہیں کہ نہیں لاپرواہی کا ایک قہقہہ ان کے ہاتھوں میں لغزش پیدا کر کے تمام شیرازے کو منتشر نہ کر دے۔ دنیا میں تمام لغزشیں اور کوتاہیاں در حقیقت اسی ذرا سے قہقہہ لگا دینے یا تھوڑی دیر کے لئے غیر سنجیدہ بن جانے کی عادت کا نتیجہ ہیں۔

زندہ دلی اور خوش باشی بچپن کی طرح غیر ذمہ دار ہیں اس کے برخلاف سنجیدگی اپنی ذمہ داریوں کو یاد رکھتی اور انہیں پورا کرتی ہے۔

عفت کرمانیہ فریدی۔ بی اے

تعداد زوجین اور شادی

گذشتہ اشاعت سے آگے

تعداد زوجین کے لحاظ سے عورت و مرد کے حقوق کیوں مساوی نہیں ہو سکتے

اگر آپ کو سوسائٹی کی ضرورت تسلیم کرکے ایک منظم سوسائٹی میں رہنے کی خواہش ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سوسائٹی کی ضرورت اور بہبودی کیلئے جو قوانین و رسوم ضروری ہوں وہ آپکی انفرادی غرض اور شخصی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں آپکو انہیں تسلیم کر لینے میں پس و پیش نہیں ہونا چاہئیے۔ شادی کے معاملہ میں سوسائٹی عورت کو مساوی حقوق و آزادی کیوں نہیں دے سکتی اُس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) سوسائٹی کو انفرادی ضرورت سے زیادہ اجتماعی بہبودی کا خیال رکھنا ہوتا ہے

شادی کی رسم کے ذریعہ سوسائٹی اپنی حیات و بقا کے ایسے منظم ذریعے پیدا کرتی ہے جو اُس کے قوی و توانا عاقل و ہوشیار افراد کی تعداد بڑھائے، بچوں کی پیدائش اُن کی پرورش ابتدائی تعلیم وغیرہ کا کام وہ جوان عورت و مرد سے شادی کے ذریعہ لیتی ہے جس کے لئے ایک مرد کا ایک عورت سے باہمی رشتہ کافی ہوتا ہے۔ اب اگر کسی سوسائٹی میں عورتیں زائد ہوں اور مرد کم تو یہ بالکل ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت ایک مرد چار عورتوں کے ذریعہ سوسائٹی کو ایک سال میں چار بچے مہیا کر سکے لیکن اگر عورت کو کئی مردوں کی اجازت دے بھی دی جائے تو وہ ایک سال میں خواہ اُس کے ایک خاوند ہو یا چار صرف ایک ہی بچہ کی ماں بن سکے گی۔ گویا جہاں مرد کو ایک وقت میں کئی بچوں کا باپ بننے کی اہلیت ہے وہاں عورت کو صرف ایک ہی بچہ کی ماں بننے کی قدرت اس طرح جہاں تک شادی کی ضرورت اور سوسائٹی کی بہبودی کا سوال ہے ایک مرد کی کئی بیویاں تو ضرورت کے وقت جائز ہو کر مفید ثابت ہو سکتی ہیں لیکن ایک عورت کے کئی خاوند بے سود ہیں۔ اس لئے ایک متمدن سوسائٹی بوقت ضرورت اور بحالت مجبوری ایک مرد کو کئی بیویوں کی اجازت دینے میں حق بجانب ہو سکتی ہے لیکن ایک عورت کو کئی خاوند رکھ لینے کی اجازت دیدینا اجتماعی بہبودی کے لئے ہرگز ضروری نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔

(۲) متمدن سوسائٹی میں عورت و بچوں کی حفاظت مرد کا فرض گردانی گئی ہے

مرد اپنی جسمانی قوت اور ہوشیار مزاج کی وجہ سے محافظ کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہے اور عورت پر کم از کم ایک وقت تو ایسا ضرور آتا ہے کہ جب نہ وہ خود اپنی حفاظت کر سکتی ہے اور نہ بچہ کی۔ اس جسمانی قوت کی برتری کے لحاظ سے بھی مرد سوسائٹی کی کئی عورتوں کی حفاظت کا ضامن بنایا جا سکتا ہے لیکن عورت اس قسم کے کام کے لئے پیدا ہی نہیں کی گئی وہ اگر کئی خاوندوں کی بیوی بنا بھی دی جائے تو بجائے محافظ بننے کے خود اپنی حفاظت کے لئے ہر ایک کی دست نگر ہوگی۔

(۳) سوسائٹی میں عورت اور بچوں کی کفالت بھی مرد کے ذمہ ہوتی ہے

مرد اپنے پیسے کے زور پر کئی عورتیں رکھ لیتا ہے لیکن متمدن سوسائٹی میں دولت کی فراوانی دوسری تیسری یا پچاسویں بیوی کر لینے کی معقول وجہ کبھی نہیں تسلیم کی جا سکتی، کفالت کے ضمن میں یہ اعتراض معقول نظر آئیگا کہ اگر کفالت کئی عورتوں کو ایک مرد کی بیوی بنا دینے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے تو جہاں عورت خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو وہاں یہ رسم جائز نہیں ہونا چاہئیے لیکن یہ اعتراض حقیقتاً سطحی علم پر مبنی ہے، فرض کیجئے عورت اور مرد ایک ساتھ رہیں اور اپنی روزی کی منفی علیحدہ علیحدہ کما لیا

کریں تو بالکل فطری صورت میں عورت پر ایک وقت ضرور آئیگا کہ جب وہ جنسی فرض کی ادائیگی کی مجبوری سے ایک عرصہ تک اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں رہے گی، اُس وقت کیلئے سوسائٹی خاوند کو عورت کی کفالت پر مجبور کرتی ہے اس طرح متمدن سوسائٹی میں عورت اور بچوں کی دوامی کفالت مرد کا فرض تسلیم کرلی گئی ہے یہ صورت حال ہوتے ہوئے ضرورت کے وقت مرد کئی عورتوں کا کفیل بنایا جاسکتا ہے لیکن عورت ایک وقت میں اپنی ہی کفالت نہیں کرسکتی کئی کئی مرد اُس کے سر آپڑیں تو اللہ ہی وارث ہے۔

(۴) مرد قوی ہے اور عورت قوت پرست

مرد کو فطرتاً اپنی قوت کی وجہ سے حاکم بننے میں مزہ آتا ہے اور عورت کو اپنی فطرت کی مجبوری سے محکوم بننے میں۔ یہاں عورتیں شور مچائیں گی کہ یہ غلط ہے، لیکن یہاں اگر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کروں کہ یہ کیوں صحیح ہے تو مجھے اس مضمون سے بہت دور ہوجانا پڑیگا۔ اس لئے میں مجبور ہوں کہ بغیر ثبوت پیش کئے ہی اس حقیقت کو پیش کردوں مرد عورت پر قوت کے ذریعہ حکومت کرنا چاہتا ہے لیکن اگر عورت اپنی محکوم فطرت سے کام نہ لے تو شاید مرد کی حکومت قایم نہ رہ سکے۔ عورت ہمیشہ اُس ہی مرد سے محبت کرتی ہے جو اُس سے قوی ہو، اُس پر حاوی ہوسکے۔ اور اُس کو اپنا محکوم بنا سکے۔ ایک صحیح الدماغ صحیح الفطرت جوان عورت زنانہ اندام نازک مزاج اور محکومانہ انداز رکھنے والے مرد سے نفرت کرتی ہے مرد و عورت کے ان فطری رجحانات کی وجہ سے سوسائٹی کو یہ تجربہ حاصل ہوچکا ہے کہ ایک مرد کو کئی بیویوں کی اجازت دیدینے سے امن عامہ میں سخت خلل اندازی نہیں ہوتی ہے لیکن عورت کو اگر حق کے طور پر یہ اجازت دی جائے کہ وہ کئی خاوند کرے تو جھگڑا لو مرد وہ طوفان برپا کریں کہ سوسائٹی کو اپنا شیرازہ قائم رکھنے میں ہزارہا مشکلات کا سامنا پڑجائے۔ یہاں آپ یہ اعتراض کرسکتی ہیں کہ جن قوموں میں ایک عورت کے چار چار پانچ پانچ مرد ہوتے ہیں جیسے نیپال اور تبت میں تو وہاں طوفان کیوں نہیں برپا ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ عورت نے اپنے حقوق کے طور پر اس رسم کو رائج نہیں کرالیا ہے بلکہ مرد نے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عورت کو ایک بیجان و بے رُوح شئے کی طرح استعمال کرنا جائز رکھا ہے اور وہاں کی سوسائٹی اتنی متمدن نہیں ہے کہ وہ اس تمغنی ضرورت کے خلاف احتجاج کرنے میں کامیاب ہوسکے اور عورت کو ایک مرد کی رفیق ہونے کے بجائے کئی مردوں کی لونڈی بنانے کی ذلالت سے بچا سکے۔

ایک مرد اور کئی بیویاں

تحقیق نے یہ ثابت کردیا ہے کہ بالکل غیر متمدن اور بہت زیادہ متمدن لوگوں میں یہ رسم کم پائی جاتی ہے اور متوسط درجہ کے لوگوں میں زیادہ۔ دنیا کی ایک بڑی آبادی جہاں تک شادی کا تعلق ہے ایک مرد اور ایک عورت کے رشتہ میں منسلک ہے مگر عام زندگی میں اس رشتہ سے کس درجہ وفاداری کیجاتی ہے یہ بحث طلب ہے، اظہار حقیقت کے لئے خیال آرائیوں کو چھوڑ کر یہ تحقیق کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ جس قوم و مذہب کے لوگوں کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے وہ حقیقتاً اس پر کس درجہ عمل کرتے ہیں اور جن کو اجازت نہیں وہ ایک عورت پر کہاں تک اکتفا کرتے ہیں۔ اس نظر سے دیکھنے پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں اور اُن کے اخراجات اور مصیبتیں برداشت کرنا عام طبقہ کے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ متمول گروہ ہی اس پر عمل کرسکتا ہے لیکن جہاں اس رسم کو ممنوع کردیا گیا ہے وہاں مرد سب کچھ کرتا ہے اور چونکہ اپنے فعل کی اقتصادی ذمہ داریوں سے بچا رہتا ہے اس لئے بدچلنی وادباشی آسان اور عام ہوجاتی ہے۔ ایک یوروپین ریفارمر نے کیا خوب کہا ہے کہ یورپ و امریکہ کے عیسائی ممالک میں متعدد عورتوں سے تعلق رکھنے کی رسم دنیا کے ہر دوسرے ملک سے زیادہ ہے اور اُس کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان ملکوں میں ایک عورت سے شادی کا قانوناً جبریہ ہونے کی وجہ سے مردان متعلقہ کے سوشیل وقانوناً ذمہ داریوں سے بچنے کے کافی مواقع پاتا رہتا ہے۔ دوسرا مصلح لکھتا ہے کہ جن ممالک میں کئی کئی عورتوں سے شادی کرلینے کی سوشیل مذہبی اور قانونی اجازت ہے وہاں مرد کو اپنی خواہش کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور دو دو تین تین بیویوں کا بار اُٹھانا پڑتا ہے لیکن عورت بدچلنی بدنامی اور بے یار و مددگار مصیبت میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہتی ہے لیکن یورپ میں جہاں ایک ہی عورت سے شادی کرنیکا قانون

سختی سے رائج ہوگیا ہے عام گھریلو عورتوں کو بدفاحشہ بنایا جا رہا ہے یہاں تک کہ لندن میں جہاں بے عزتی کا پیشہ قانوناً جرم ہے اسی ہزار سے ایک فاقہ اور اب تو ڈیڑھ دو لاکھ تک جوان عورتیں اس قسم کی موجود ہیں جو اپنی محنت سے اپنا خرچ چلا لینے کے باوجود بھی اس بڑے متمدن شہر کیلئے باعث ننگ و عار ہیں۔ بڑے بڑے یورپین مفکرین اس بات کے قائل ہیں کہ یورپ کا موجودہ قانون سوشیل ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے خاص طور پر پروفیسر ارلفیل کا خیال ہے کہ متعدد ازدواج کا جواز ضرورت کے وقت پابندی کے ساتھ عین انسانیت ہے اور سوسائٹی کی بہبودی کا ضامن۔ ان مسائل پر غور کرنے والے یورپین متفق الرائے ہیں کہ ہر حالت میں صرف ایک ہی عورت کو رکھنے کا قانون عورت کے حق میں بہت مضرات ہوتا ہے اور خاص خاص حالتوں میں متعدد ازدواج کا جواز عورت کی بھلائی اور حق میں بہت مفید اور ضروری ہے۔

متعدد ازواج کے جواز کی تاریخ

بابل کی تہذیب کا "ہموابی" کے قانون سے جو دو ہزار برس پہلے رائج تھا پتہ لگتا ہے کہ چند شرائط کے ساتھ کئی کئی بیویوں کی اجازت تھی، مصر چین عرب اور ہندوستان میں بھی رسم عام تھی یورپ میں اٹھارویں صدی تک "داشتہ" رکھنا معیوب نہیں تسلیم کیا جاتا تھا، مذہبی پیشواؤں کی زندگی پر غور کیجئے تو حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں اور حضرت یعقوبؑ کی بھی۔ ہندوستان میں کرشن جی کی عورتوں کی تعداد کا شمار ممکن نہیں، یورپ میں عیسائی پادریوں نے رہبانیت کے ساتھ ساتھ متعدد عورتوں ہی کو نہیں درجنوں "داشتہ" رکھنے کے رواج کو قائم اور جائز رکھا، ایک پادری کے لئے کئی "داشتہ" رکھنا اس قدر معیوب نہ تھا جس قدر ایک عورت سے شادی کر لینا، منو جی نے جہاں اس رسم کو مشروط کیا ہے وہاں فرمایا ہے کہ بچہ نہ ہونے کی صورت میں آٹھ سال بعد بچے ہو کر مر جانے کی حالت میں نو سال صرف لڑکیاں ہوتے رہنے پر دس سال اور عورت بدمزاج ہو تو فوراً ہی دوسری شادی کر لینا جائز ہے قدیم تاریخ کی چھان بین سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے تعدد ازدواج کو مشروط بھی کیا اور محدود بھی۔ عورتیں یہ اعتراض کرتی ہیں کہ اس کا جواز ہی کیوں ضروری ہوا لیکن یورپ کا تجربہ بتاتا ہے کہ اس جواز کی ہر متمدن و ترقی یافتہ سوسائٹی کو ضرورت ہوتی ہے۔

متعدد ازدواج کی ضرورت کی تین بڑی وجوہ ہیں۔ مرد کی خواہش و خود غرضی (۲) عورتوں کی زیادتی اور سوسائٹی کی ضرورت (۳) ازدواجی زندگی کی مجبوریاں اور ضرورتیں۔

(۱) مرد کی نفسانیت کو جواز و عدم جواز سے غرض نہیں ہوتی

کوئی متمدن قانون اس غرض کے لئے کئی بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مرد کی خود غرضی نے ایک زمانہ میں کئی کئی عورتوں کو اپنی معاشرت اور آمدنی بڑھانے کا ذریعہ اور پھر اپنی امارت کے اظہار کی نمائش کا کھلونا بنا لیا تھا لیکن اب مہذب قوموں میں کئی کئی عورتیں اس مقصد کے لئے ضروری نہیں رہی ہیں۔

(۲) عورتیں جہاں زیادہ ہوں اور سوسائٹی کو تناسب قائم رکھنے کی ضرورت ہو

تو عورت کی بھلائی اس کی معیبت و بے عزتی کا خیال کرتے ہوئے ایک مرد کے ذمہ کئی کئی عورتیں کر دینا ان کی حفاظت و کفالت کی ضمانت اور ان کو بے عزتی و آوارگی سے محفوظ رکھنے کے مرادف گردانا جانا چاہیئے۔ ایسی سوسائٹی میں متعدد ازدواج کے جلن اور بیویوں کے حقوق کی نگرانی مرد کی سوشیل اور اقتصادی ذمہ داریوں کو تو بہت بڑھا دیتا ہے لیکن عورت کے حقوق کی بھلائی اور حمایت کرتا ہے۔ سوسائٹی کی ضرورت کے مطابق شادی کی رسم کے قانون کے اجرا کی بہترین مثالیں اسلام کے دور اولین میں خوب ملتی ہیں۔ عرب میں کئی کئی بیویاں رکھنے کا عام رواج تھا۔ مدینہ میں جب لوگ مسلمان ہونے لگے تو انصاریوں کی عورتیں بھی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئیں، مردوں کو اپنی متعدد بیویاں چار تک رکھنے کی اجازت ملگئی لیکن جب مہاجرین مکہ سے مدینہ پہنچے تو بے سروسامان اور بے گھر و بار تھے۔ انصاریوں نے اپنی زائد بیویوں کو طلاق دیکر مہاجرین کے حوالہ کر دینا چاہا تاکہ سوسائٹی میں عورتوں کی کمی کی وجہ سے ایک

مرد کے پاس کتنی عورتیں اور دوسرے کے پاس ایک بھی نہیں کا فرق نہ رہ سکے، کچھ زمانہ بعد جنگ میں مسلمان شہید ہونے لگے اور اُن کی بیویاں بے یار و مددگار رہ گئیں اور اسی طرح جنگ میں پکڑی ہوئی عورتیں بھی مسلمان ہونے لگیں اور ان زائد عورتوں کی کفالت و حفاظت اور سوسائٹی میں بدچلنی پھیل جانے سے محفوظ رہنے کا سوال پیش ہوا تو ہر مسلم مرد کو کئی کئی عورتوں سے نکاح کی اجازت دیکر سوسائٹی کے جنسی توازن کو قائم کر دیا گیا لیکن سوسائٹی کے افراد کی شخصی ضرورت کا بھی لحاظ رکھا گیا اور عورتوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا گیا تاکہ انفرادی اور شخصی بات حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ اسی طرح دوسری بیویوں کے حقوق کی حفاظت کا بھی بڑے زوردار الفاظ میں حکم دیدیا گیا۔ بیویوں میں برابر کے حقوق بے لوث محبت انصاف اور ایک نظر سے دیکھنے کی تلقین بعض لوگوں کو ناممکن نظر آتی ہو لیکن جہاں ایک مرد کے پاس دوسری عورت مرد کی خواہش یا عورت کی جوانی و حسن کی کشش وغیرہ کیوجہ سے نہیں بلکہ سوسائٹی کی ضرورت کی غرض سے ہو وہاں دو بیویوں کے درمیان برابر کا برتاؤ بالکل ممکن ہے آج اگر مسلمان ان مذہبی اُصولوں اور احکام سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں تو اُن کے اس ناجائز افعال سے اسلامی اُصولوں کی خوبی میں کلام کرنا حق و انصاف کا خون اور اپنی کوتاہ نظری کا ثبوت دینا ہے۔ یہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ کئی عورتوں کا ایک مرد کی بیوی بن کر رہنا مرد کو اس کی روحانی زندگی کے ارتقاء سے باز رکھتا ہے، شخصیت اور انسانی محبت کی تکمیل کئی کئی عورتوں کے ذریعہ نہیں ہو سکتی، حقیقی محبت کا رشتہ صرف ایک مرد اور ایک عورت ہی میں ہو سکتا ہے یہ ایک حد تک بالکل درست ہے لیکن شادی کو شخصی ہی نہیں اجتماعی حیثیت بھی حاصل ہے اور ضرورت کے وقت انفرادی ضرورت کو اجتماعی بہبودی پر قربان کئے جانیکا نام انسانیت ہے اس لئے ایک متمدن سوسائٹی میں عام طور پر تو شخصی خواہش اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک مرد اور ایک عورت ہی میں شادی ہونا چاہیئے لیکن جب سوسائٹی کی اجتماعی بہبود کا سوال درپیش ہو تو شخصی ضرورت و خواہش کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں مشروط و محدود تعداد ازدواج کے جواز کے یہی معنی ہیں ملاؤں اور مالداروں کی عام شادیاں نہیں کہ چار بیویوں کے جواز کا وعظ کیا یا فتویٰ لیا اور پرانی پر ایک اور نئی لے آئے۔

(۳) ازدواجی زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ جب اس زندگی کے فرائض کی ادائگی عورت یا مرد کی صحت وغیرہ کیوجہ سے پورے طور پر نہیں ہو سکتی۔ اگر مرد میں یہ عیب ہوں تو عورت کیلئے خلع و طلاق کے ذریعہ آزاد ہو کر دوسرے مرد سے شادی جائز ہونا ہر متمدن سوسائٹی میں ضروری ہے جن سوسائٹیوں میں طلاق جائز نہیں یا مطلقہ اور بیوہ کی شادی کی اجازت نہیں وہ ہرگز متمدن نہیں کہلا سکتیں، مثلاً ہندوؤں میں مرد کو تو دوسری شادی کی اجازت ہے اور معمولی معمولی وجوہ پر منوجی فرماتے ہیں کہ اگر عورت شراب پیتی ہو، بدخصلت ہو، شریر فضول خرچ، بدمزاج یا جھگڑالو ہو تو مرد فوراً اُس پر دوسری بیوی لا سکتا ہے۔ لیکن مرد کے بڑے سے بڑے عیب پر بھی عورت کو طلاق کا حق نہیں، خرابیٔ صحت ہی نہیں اگر مرد جوانی ہی میں مر جائے تو بھی اس کی جوان بیوہ کو سوسائٹی کی منحوس و ناکارہ فرد ہو کر جینا پڑتا ہے دوسری شادی ناجائز مانی گئی ہے۔ عام عیسائیوں میں بہت زمانے تک اور رومن کیتھولک میں اب بھی طلاق بالکل ناجائز ہے ہم عورت کے حق خلع و طلاق کا خاص طور پر یہاں اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جہاں ازدواجی زندگی کی ضروریات کیوجہ سے متمدن سوسائٹی میں مرد کو دوسری شادی کر لینے کی ضرور اجازت ہونا چاہیئے وہاں عورت کو بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ حق ضرور ملنا چاہیئے تاکہ ناکارہ مرد کے ساتھ عورت کی زندگی برباد نہ ہو جائے، سوال اب یہ رہ جاتا ہے کہ مرد تو پہلی بیوی پر دوسری لے آئے لیکن عورت کو ایسی ہی صورت میں مرد سے علیحدہ ہو کر دوسرے مرد سے شادی کرنے پر کیوں مجبور کیا جائے اس کا جواب آسان ہے اس اصول میں عورت ہی کا فائدہ ہے، عورت ابتک اپنی حفاظت و کفالت کے لئے مرد کی دست نگر ہے اور ہم نے پہلے ثابت کیا ہے کہ وہ فطرتاً اس پر مجبور ہے تو اُس کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس کا مرد جب ضرورتاً دوسری عورت کرلے تو بھی پہلی کی حفاظت و کفالت اُس کے ذمہ رہے۔ جب عورت میں کوئی عیب ہو تو وہ جس طرح اپنے مرد کے لئے غیر موزوں ہے سوسائٹی کے دوسرے مردوں کے لئے بھی بیکار ہوگی وہ سوسائٹی کی ایک فرد ہے اور اُس کی حفاظت و کفالت سوسائٹی کا فرض ہے اس لئے متمدن سوسائٹی

ایسی عورت کے خاوند سے توقع کرتی ہو کہ جہاں وہ اپنی اور سوسائٹی کی ضرورت کی خاطر دوسری عورت کرتا ہے وہ پہلی عورت کی حفاظت وکفالت سے بھی دست بردار نہ ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہو کہ مرد کو پہلی عورت سے بہت محبت ہو اور دوسری عورت کو سوسائٹی کی ضرورت اور فطری مجبوری کی وجہ سے کرتا ہو، ایسی صورت میں پہلی بیوی پر دوسری لانے کی اجازت نہ ہونا بڑی مصیبت اور خرابی پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں تاریخ کی ایک دلچسپ و مشہور مثال ہمارے نکتہ کو خوب واضح کر دے گی۔ نپولین اعظم اپنی بیوی جوزفائن کا عاشق زار تھا۔ جوزفائن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ فرانس کی پبلک نپولین کا وارث چاہتی تھی، سوسائٹی نے نپولین جیسے بہادر کو مجبور کر دیا کہ وہ سوسائٹی کی بہبودی کی خاطر دوسری شادی کرے لیکن فرانسیسی سوسائٹی میں تعدد ازدواج جائز نہیں ہیں۔ اس لئے نپولین جوزافائن کو طلاق دینے پر مجبور ہوا تاکہ دوسری شادی کر سکے۔ دوسری شادی ہوئی لیکن نپولین اپنی بیوی کو ظاہراً تو طلاق دے کر علیحدہ کر چکا تھا مگر عمر بھر اُس سے تعلقات جاری رکھے۔ اگر بحالت مجبوری دوسری شادی کی اُس سوسائٹی میں اجازت ہوتی تو اس خاص ضرورت کے وقت نپولین کو اپنی پیاری بیوی کو طلاق دے کر ذلیل و مغموم کرنا پڑتا نہ بعد میں تعلقات جاری رکھنے کی وجہ سے بدچلنی اور بداخلاقی کا داغ اُس معصوم عورت کے ماتھے پر نظر آتا۔ ازدواجی زندگی میں بہت کم ایسی ضرورتیں ہوتی ہیں جو دوسری شادی کو جائز کر سکیں، پنجاب میں کسی عورت کے چند سال بچے نہ ہوں تو ساس اپنے لڑکے کی دوسری شادی کی فکر شروع کر دیتی ہے اور کئی بیویوں کے جواز سے ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے، کوئی عورت بیمار ہو کر اپنی دلکشی کھو بیٹھتی ہے جو ممکن ہے عارضی ہو مگر اُس کا مرد آمادہ ہو کر کسی دوسری کو گھر میں ڈال لیتا ہے اور پہلی بیوی کی بیماری کو اپنے اس ناجائز فعل کا بہانہ بنا لیتا ہے، حالانکہ منو جی جیسے عورت کے معاملات میں سختی کرنے والے قانون ساز تک نے اس معاملہ میں عورت کی حمایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر عورت ہر طرح اچھی ہو اور پاکباز بھی لیکن دوامی بیمار اور مرد دوسری بیوی کرنا چاہے تو اُس کو اپنی پہلی بیوی سے اجازت لے لینا لازمی امر ہے کیونکہ ایسی عورت کی بے عزتی ناقابل عفو ہے۔

ایک مرد اور ایک بیوی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ ایک مرد ایک ہی عورت کا ہو کر ساری زندگی گذار دے، لیکن یہ رشتہ اس وقت ہی مکمل ہو سکتا ہے جبکہ مرد و عورت اپنی اپنی ضرورت اور خصوصیت کے مطابق خود مختار اور آزاد رہ کر ازدواجی زندگی کو خوش و خرم رکھ سکیں، عورت مرد کی آزاد منش طبیعت کو قبضہ میں رکھ سکے اور مرد عورت کی شخصیت اور آزادی کا ہمیشہ خیال رکھے، پہلی صورت کے نہ ہونے سے سوسائٹی میں بدچلنی اور بداخلاقی بڑھ جاتی ہے اور دوسری شکل نہ ہو تو عورت بیوی نہیں لونڈی باندی بن کر رہتی ہے۔

کئی مرد اور ایک عورت

جہاں مرد زیادہ اور عورتیں بہت کم ہوں وہاں مردوں کو یہ خواہش ہوگی کہ وہ کئی کئی ملکر ایک عورت کو رکھ لیں لیکن اُن کے اس فعل سے سوسائٹی کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ مرد کے ذاتی حقوق اور ضرورت کی ادائگی کے لئے ایسی سوسائٹی کو بین الاقوامی رشتوں کی ضرورت ہوگی۔ دنیا کی آبادی میں مرد عورتوں سے زیادہ ہیں اس لئے اگر بین الاقوامی رشتے عام ہو جائیں تو ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرد کی کئی بیویوں کا سوال ہی نہیں رہے گا مگر نسل کی بہتری کے لحاظ سے ہر سوسائٹی میں قابل مردوں کی تعداد کم ہوتی ہے اس لئے مردوں کی تعداد کا زیادہ ہونا نہ کوئی نسلی خرابی کا باعث ہو سکتا ہے اور نہ سوسائٹی کی خرابی کا پیش خیمہ اور نہ ضرورت کے وقت ایک قابل مرد کی کئی بیویوں کے ہونے کے منافی۔

فلاسفر شوفن ہار کی شیرا گیمی

اس یورپین فلاسفر کے خیالات نے یورپ میں ہلچل مچا دی تھی، اس کی ماں ایک قابل مصنفہ اور شاعرہ تھی، ماں بیٹے میں ہمیشہ ناچاقی رہی۔ ایک مرتبہ ماں نے اپنے فلاسفر بیٹے کو لات مار کر سیڑھیوں پر سے نیچے گرا دیا تھا۔ اس فلسفی نے عورت کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ عورت کو ذلیل اور ناکارہ سمجھتا تھا، اس نے

اپنے ایک مضمون میں جو غیر مطبوعہ ہے اور اس کا اقتباس برلن کے میوزیم میں محفوظ ہے یہ تجویز پیش کی کہ بیس بائیس برس کے دو مرد مل کر اٹھارہ برس کی ایک عورت سے شادی کریں اور جب عورت پینتالیس برس کے قریب ہو جائے تو یہ دونوں مرد پھر ایک بیس پچیس برس کی عورت سے دوسری شادی کر لیں۔ اس طرح سوسائٹی میں ایک مرد اور ایک عورت کا توازن بھی قائم رہ سکے گا اور دنیا سے بدچلنی بھی مٹ جائے گی جوان مرد جب جوانی میں شادی کرتا ہے تو اس کو اقتصادی مشکلات کا عموماً سامنا کرنا پڑتا ہے دو جوان آدمی مل کر جب ایک عورت سے شادی کریں گے تو یہ اقتصادی مشکل بھی باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ دو مرد مل کر ایک عورت کی حفاظت اور کفالت کے ضامن ہوں گے اور جس عمر میں اُن کے پاس دو عورتیں ہوں گی اُس وقت تک اُن کی مالی حالت بھی اس قابل ہونا چاہئیے کہ دو کا خرچ اُٹھا سکیں۔ اس تیز ذہن مگر غیر معمولی قسم کے فلاسفر نے اپنی تجویز کے معقول ہونے کے ایسے ایسے ثبوت پیش کئے ہیں کہ اگر بغیر تعصب کو کام میں لائے ہوئے عمیق نظر سے دیکھا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کیونکہ میری ہمیشہ یہی خواہش ہوتی ہے کہ جس مسئلہ پر میں قلم اٹھاؤں میرے مضامین کے پڑھنے والوں کو اُس مسئلہ کے تمام اہم پہلوؤں سے کچھ نہ کچھ ضرور واقفیت ہو جائے اس لئے میں نے "ٹیراگیمی" یعنی دو مرد اور ایک عورت اور ایک وقفہ کے بعد دوسری عورت کر لینے کے طریقے شادی کو بھی مختصراً بیان کر دیا ہے۔

تعداد ازدواج اور اسلام

مجھ سے ایک مسلمان مگر "دہریہ" خیال کی ایک مسلمان خاتون ایک مرتبہ یہ فرمانے لگیں کہ "اگر اللہ منصف ہے اور مردوں کی طرفداری نہیں کرتا تو کوئی مجھے یہ سمجھا دے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خواہ ضرورت ہی کے تحت میں سہی مرد کو تو چار بیویوں تک کی اجازت اور عورت کے لئے یہ ہی قانون خموش"۔ میں نے کہا "تو بیشک اللہ منصف بھی ہے اور علیم و بصیر بھی، اسلام سوسائٹی کو منظم کرنے، حیوانی خواہشات کو انسانیت کا جامہ پہنانے اور انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل کرنے کی تعلیم دینے آیا ہے، اسلام کا مرد کو بوقت ضرورت، سخت شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دیدینا اور عورت کی اس ہی ضرورت کو خلع و طلاق اور دوسری شادی کی اجازت کے ذریعہ پورا کر دینا سوسائٹی کی بہبودی اور شادی کی فطری غرض کے عین مطابق اور موزوں ہے۔ یورپ کی سطحی تعلیم، نمائشی سوشیل ترقی سے متاثر ہونا درست نہیں، تہذیب و تمدن کے دعویدار یورپین اور امریکن یا یوں کہیے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی قومیں مرد کی آزادمنش حیوانی طبیعت کے مظاہرات شرمناک بدچلنی اور فیشن ایبل اوباشی کی زندگی گذارنے میں دُنیا کے ہر ملک اور قوم سے گوئے سبقت لے گئی ہیں اُن کے قول سنیے اور تحریریں پڑھئے تو یہ معلوم ہوگا کہ شخصی اور انسانی ترقی کی تکمیل ہو چکی ہے اور عورت کو بھی وہ اعلیٰ درجہ حاصل ہو چکا ہے جس کی وہ اہل ہے لیکن فعل دیکھئے تو اس میں شک باقی نہیں رہتا کہ ان انسانوں کا گروہ باوجود دعوہائے "تہذیب و تمدن اقوام" ابتک اپنے حیوانیت کے دور اولین سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا ہے وہ ایک مرد کے لئے ایک عورت کا شور تو بہت مچاتے ہیں، اس کے لئے قوانین بھی بنا بیٹھے ہیں لیکن شادی شدہ ہوں یا کنوارے سب گلہ در گروہ میں رہنے والے جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے برتاؤ کرتے ہیں اور اگر بہت نیشنل ہوں تو اُن کے جنسی تعلقات گروہ کی شادی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، انگریز جن میں ابھی تک کہیں کہیں ایک مرد اور ایک عورت کی شادی کا رواج باقی ہے یورپ کی دوسری قوموں کی نظروں میں قدامت پسند اور سوشیل معاملات میں "بیک ورڈ" تسلیم کئے جاتے ہیں جہاں تک جنسی معاملات کا تعلق ہے یورپ کے گلے میں ایک ایسی ہڈی پھنس گئی ہے کہ جو نہ اُگلی جاتی ہے اور نہ نگلی، کیا وقت نہیں کہ ہم ہوش میں آ جائیں اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھا کر اپنے گھر خاندان سوسائٹی اور ملک کو بربادی سے بچا لیں۔

(باقی صفحہ ۳۴۵ پر)

اُصولِ تعلیم یہ ہو

موجودہ تعلیم میں مندرجہ ذیل اُصول برتے جائیں تو طلبا کے لئے بہت آسانی ہو جائے گی۔

غیر معمولی دماغی محنت کی وجہ سے لڑکوں کی تندرستی روز بروز ناقص ہوتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شباب آنے سے پہلے ہی سیکڑوں لڑکے دنیا کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور ہزاروں دائمی مریض ہو کر زندگی کے دن بے لطفی سے پورے کرتے ہیں لہٰذا اسکولوں میں ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ کتاب کے مطابق بجنسہٖ اس کا نمونہ پیش نظر ہو جائے مثلاً حروف ہندسہ چھوٹے چھوٹے الفاظ۔ لکڑی، ٹین کے خوش نما کھلونوں کے طرز پر بنائے جائیں جو بچوں کو بجائے کتاب میں پڑھانے کے کھیلنے کو دئے جائیں اب بچہ ان کھلونوں کو بہت شوق سے کھیلے گا اور ان کے نام آسانی سے یاد کرلے گا جغرافیہ کی آسانی کے لئے ایک بڑے احاطہ میں دنیا کا نقشہ بجنسہٖ بنایا جائے۔ پانچ چھ فٹ یا کم و بیش لمبائی چوڑائی کے سمندر دو دو تین تین انچ چوڑائی کے سمندر دو دو تین تین انچ چوڑائی کے دریا دو دو فٹ کے شہر ایسی قدر وسعت ممکن ہو چھوٹی چھوٹی ریلوے لائنیں اسٹیشن غرضکہ دنیا کی ہر چیز چھوٹی شکل میں موجود ہو۔ بچوں کو جغرافیہ پڑھانے سے پہلے استاد اس دنیا میں سیر کرادیں بچے نہایت دلچسپی کے ساتھ یاد کرلیں گے۔

تاریخ کی تعلیم کے واسطے یہ ہونا چاہیئے کہ بادشاہوں راجاؤں امرا وزرا کے نام کے بُوے بنائے جائیں بالفرض بابر بادشاہ ایک چھوٹے محل میں رونق افروز ہیں۔ اراکین سلطنت دربار شاہی میں حاضر ہیں۔ انتظامِ سلطنت پر گفتگو ہو رہی ہے۔ کہیں ہندو راجاؤں کا عہدِ حکومت دکھایا جا رہا ہے۔ کہیں نپولین بوناپارٹ کا طرزِ حکومت بتایا جا رہا ہے۔

فوجی طرز کے بُوے جمع ہیں جنگ ہو رہی ہے کبھی موجودہ زمانے کے اُصول و انتظامِ سلطنت کے کھیل دکھلائے جا رہے ہیں۔ ہوائی جہاز اُڑائے جا رہے ہیں۔ توپیں مشین گنیں چل رہی ہیں۔ پارلیمنٹ میں قوانین پر بحث ہو رہی ہے اس طرح تاریخ کے تمام واقعات ہو بہو پیش نظر ہو جائیں گے۔ بچے دلچسپی سے پڑھیں گے اور ایک ایک لفظ اُن کو یاد ہو جائے گا۔ ان اسکولوں میں ڈھائی سال کی عمر سے بچے داخل کئے جائیں اور اتنے چھوٹے بچوں کو ایسی کتابیں پڑھنے کو دی جائیں جن میں صرف خوش رنگ تصاویر ہوں اور نام لکھے ہوں۔ اسی طرح لڑکیوں کو خانہ داری سکھانے کے واسطے گڑیاں کھلائی جائیں۔ گڑیوں کے بچے نہلائے جا رہے ہیں ان کی عمر کے لحاظ سے کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ ہوا خوری کو جا رہے ہیں۔ اسپتالوں میں مریض گڑیاں پڑی ہیں۔ نرسیں تیمارداری میں مصروف ہیں شیشیوں میں پانی بھر کر دواؤں کے فرضی نام لکھ دئے گئے وہ مریضوں کو دی جا رہی ہیں۔ (باقی صفحہ ۳۳۲ پر)

قیمت

"اچھا شیریں! میں اگلے ہفتے تم کو پھر فون کروں گا"۔
"خدا حافظ" شیریں نے نہایت مایوس کن لہجے میں مجھے فون پر ہی جواب دیا۔

"خدا حافظ" میں نے تیزی سے کہا اور رسیور رکھ غیر ارادی طریقے سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا ؤور سڑک پر نکل گیا چلتے چلتے مجھے کئی بار شیریں کا خیال آیا۔ "آہ! میں اس قدر مفلس کیوں ہو گیا ہوں۔ آج میں اپنی منسوبہ کو کسی تفریح گاہ میں بھی نہ لے جا سکا"۔ گو اس میں تو کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس وقت میری جیب گرم تھی لیکن گرم جیب کو تو مجھے جلد ہی مالک مکان کے در دولت پر سرد کرنا تھا۔

دوپہر کو کھانے کی غرض سے میں ایک ہوٹل میں چلا گیا۔ بوائے کو ایک کافی کے پیالے اور ایک سینڈوچ کے لانے کا حکم دیا۔ میز پر میرے بالمقابل ایک لال سُرخ ہو بہو چقندری رنگ کا انسان تشریف فرما تھا۔ وہ بظاہر کتاب کے مطالعہ میں مستغرق نظر آتا تھا۔

"یہ کیا حماقت ہے"۔ میں نے سینڈوچ کھاتے ہوئے سوچا۔ "اب مجھے شیریں کے لئے ایک ہفتہ اور انتظار کرنا ہوگا"۔ میں نے جیب میں سے شیریں کا خط نکالا اور اسے دیوانوں کی طرح پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے ایک ایک لفظ پر میں غور کرنے لگا۔ "وہ ایک شریف باوفا دوشیزہ ہے۔ . . . آہ! یہ کیا حماقت ہوئی . . . . "

اس اثناء میں میں نے نگاہ نیچے جو کی تو میری آنکھیں فرش پر ہی گڑ گئیں۔ فرش پر عین میرے پاؤں کے قریب سو روپے کا نوٹ کمال صفائی سے طے کیا ہوا پڑا تھا۔
بچپن میں مجھے یہ سکھایا گیا تھا کہ جب تمہیں زمین پر روپیہ پڑا ملے تو تم اس پر فوراً اپنا پاؤں رکھ دینا۔ میں نے اس پُرانے سبق کو دہرایا۔ اور دل ہی دل میں یہ عزم مصمم کیا کہ جب تک چقندر نما انسان بیٹھا رہے گا اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلوں گا اور نہ نوٹ پر سے پاؤں ہٹاؤں گا وقت گزرتا تھا لیکن یہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ وہ پڑھتا۔ سگریٹ کے بعد سگریٹ ختم کرتا لیکن اُٹھنے کا نام نہ لیتا۔
میں نے جب دیکھا کہ یہ حضرت اُٹھنے کا نام نہیں لیتے تو میں نے شیریں کے خط کی پشت پر ایک فہرست لکھنی شروع کر دی ان چیزوں کی جو میں عنقریب ایک صد روپے سے خریدنے والا تھا۔

"میں اپنے لئے ایک نیا سوٹ خریدوں گا مع ریشمی نکٹائی، موزوں اور دستانوں کے۔ نئی قمیض خریدنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ وہ سوٹ کے اندر چھپ سکتی ہے۔ ہاں! ایک خوبصورت ساڑھی لیلا رام کے ہاں سے ضرور خریدوں گا۔ نیلے رنگ کی ہوگی مگر۔ نیلا رنگ شیریں کو بہت بھاتا ہے۔ میں اسے وہ ساڑھی پہنا کر ڈیوی کوز لے جاؤں گا ڈنر پر۔ پھر کیا ہے شیریں نیلم پری بن جائے گی۔ نیلم پری . . . . " میں تھوڑی دیر کے لئے نیلم پری کے تصور میں کھو گیا۔ گھنٹے کی ٹن ٹن نے مجھے وقت سے آگاہ کیا۔ "یا میرے خدا! ایک صحیح سالم گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن یہ عجیب آدمی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ میں بھونچکا سا ہو گیا۔" وہ تو اُٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ میں نے دل میں کہا پھر اس کی طرف قہر آلود نظروں سے گھورا۔ اس نے بھی کتاب پر سے نظریں ہٹائیں۔ جیب سے رومال نکالا اور گرد و پیش کے منیجر کی طرح ناک صاف کرنے لگا۔ اس نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد وہی کتاب اور وہی چقندری انسان

اس کی کتاب سے مجھے سخت نفرت ہو چلی تھی۔ آخر کار میں نے اپنے ساتھی کو باتیں کرنے پر مجبور کیا۔

"آج سیر کے واسطے بہت اچھا دن ہے"۔ میں نے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا "کیا آپ سیر پسند کرتے ہیں؟"

"ہاں سیر کرنا میرا بہترین شوق ہے۔ میں ابھی ابھی سیر سے لوٹ کر آرہا ہوں" اس نے یہ کہتے ہوئے گھنٹہ کی طرف دیکھا۔ میں نے موقعہ کی غنیمت کو جانتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کو کسی کا انتظار ہے؟"

"ہوں۔ مجھے دو بجے ایک دوست سے یہاں ملنا تھا۔ اس وقت سوا دو بج رہے ہیں"۔

"میرے خیال میں تو گھنٹہ ضرورت سے زیادہ سُست ہے اس وقت تو کم سے کم ڈھائی بجے کا عمل ہو گا"۔

میں نے کہا "آپ کو مزید انتظار نہ کرنا چاہیئے"۔

"بس وہ آتے ہی ہوں گے"۔ اس نے کمال بے اعتنائی سے کہا۔ میں بدستور اپنا پاؤں نوٹ پر رکھے ہوئے تھا۔ پاؤں کی انگلیاں دُکھنے لگیں۔ ٹانگ کے رگ و ریشے میں تکان محسوس ہو رہی تھی۔ میں سرتاپا کانپ رہا تھا بید مجنوں کی مانند۔ میں اب نوٹ کے اُٹھانے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔ کچھ سوچ کر میں نے پنسل زمین پر گرائی اور جب اسے جھک کر اُٹھانے لگا تو وہ چقندر رخاں بھی نیچے جھک گیا۔ "کچھ کھو گیا ہے تم؟"

"نہیں پنسل گری تھی؛ اسے اُٹھا رہا ہوں"۔ اب میں ہواس باختہ ہو چکا تھا۔ میں پہلے سے بھی زیادہ کانپ رہا تھا۔ وہ آدمی سخت اذیت پہنچا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اب بجائے کتاب کے زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا تھا۔ میرے پاؤں کو وہ بدتمیز بری طرح گھور رہا تھا۔

"میرے جوتوں میں کونسی ایسی چیز ہے جس کا آپ جائزہ ماہر کی طرح لے رہے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ لیکن" اس نے گھبراہٹ میں کہا "۔۔۔ تم جانتے ہو۔۔۔ کچھ دیر پیشتر یہاں ایک نوٹ پڑا تھا"۔ اس نے بمشکل تمام یہ فقرہ ختم کیا۔

یہ سنتے ہی میں نے مایوسی اور بوکھلاہٹ کے عالم میں نوٹ زمین پر سے اُٹھا لیا۔ نوٹ کو فضا میں اُڑاتے ہوئے میں نے کہا "کیا آپ کا مطلب اس نوٹ سے ہے؟"

"جی ہاں"

"کیا یہ آپ کا گم شدہ مال ہے؟"

"نہیں"

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"نوٹ!"

"وہ کیسے؟"

"میں نے اسے پایا تھا"۔

"یہ نوٹ تمہارا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم نے اس پر پاؤں تک بھی نہیں رکھا تھا"۔

"میرا خیال تھا" اس نے بھویں سکیڑتے ہوئے کہا۔ "جب تم چلے جاؤ گے تو میں اسے اُٹھاؤں گا۔ لیکن تم تو اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ بیٹھے پنسل سے اگڑم بگڑم لکھ رہے تھے۔ بڑے آئے حسابی کہیں گے"۔

"نہیں جناب میں حسابی سوالات حل کر رہا تھا۔ اور نہ فضول لکیریں کھینچ رہا تھا۔ میں ان چیزوں کی فہرست بنا رہا تھا جو میں عنقریب اس نوٹ سے خریدنے والا تھا"۔

"لیکن یہ ناممکن ہے قطعی ناممکن"۔ وہ چیخا۔

"کیوں؟"

میری کیوں کو سنتے ہی اس کا چقندری چہرہ اور بھی زیادہ سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں انگارے کے مانند سرخ ہو گئیں۔ اس نے کہا "میں پچھلے چند سال ایک اہنگ ۔

مرض میں مبتلا رہا ہوں - مجھے صحت کی درستی کے لئے قیمتی ٹانک خریدنی ہیں - مثلاً اکاسا، برانڈی وغیرہ "

" میں چاہتا ہوں " قدرے شرمندہ ہو کر میں نے کہا کہ ہم اس نوٹ کو آدھا آدھا بانٹ لیں "

ساتھی نے رضامندی کا اظہار کیا اور ہم نے کاونٹر پہ نوٹ بھنوایا اور بغیر کسی حجت کے پچاس پچاس روپے لے لئے -

میں اپنا حصہ لے کر ہشاش بشاش باہر نکلا - باہر جا کر جب روپیہ جیب میں ڈال چکا تو مجھے ایک تلخ حقیقت سے دوچار ہونا پڑا - افسوس صد افسوس میرا نہایت صفائی سے دکھایا گیا نوٹ جیب سے ایک بہت بڑے سوراخ کے ذریعہ غائب ہو چکا تھا -

بیچاری شیریں آہ! اب اُسے ایک مہینہ اور انتظار کرنا ہوگا -

(انگریزی سے) نصرت نشاط

باقی صفحہ ۳۲۹ کا

فن باغبانی و زراعت یوں سکھایا جائے کہ مصنوعی درخت لگا دیئے جائیں ٹریکٹر چلائے جا رہے ہیں انجن باغ سینچ رہے ہیں اصول باغبانی و زراعت بتایا جا رہا ہے - اس طریقہ تعلیم سے نہ اساتذہ کو زیادہ دماغ ریزی کرنی پڑے گی نہ بچے کے نازک ذہن پر زور پڑیگا - اس طریقہ تعلیم سے چھوٹی عمر میں بڑی معلومات حاصل ہونگی - یہاں آٹھ سال کی عمر کے بچے یہ نہیں جانتے کہ برلن کہاں ہے - نیویارک کس ملک میں ہے - نپولین کون تھا جولیس بادشاہ تھا یا فقیر ان کھیلوں کے ذریعہ تین چار سال کا بچہ بتا دیگا کہ جولیس بادشاہ تھا - برلن جرمنی میں ہے پیرس فرانس میں - ابتدائی تعلیم اس طرز پہ ہونا ضروری ہے - بہنیں اور بھائی میری اس ناقص رائے پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں -

مسز محمد یحییٰ چرکھاری

میرے لئے [1]

آراستہ ہے صحنِ گلستاں میرے لئے
نغمہ سرا ہیں مُرغِ خوش الحاں میرے لئے
چلتی ہے سرد باد صبا میرے واسطے
آتا ہے روز ابرِ بہاراں میرے لئے
روشن ہے میرے واسطے رخسارِ ماہتاب
تارے ہیں بزمِ چرخ میں رقصاں میرے لئے
بہتے ہیں سوز و ساز سے دریا میرے لئے
شاداب ہے فضائے گلستاں میرے لئے
کھلتی ہے میرے واسطے شفاف چاندنی
روشن ہے حورِ صبح کا داماں میرے لئے

میری ہی دُھن میں پھرتی ہیں باغوں میں تتلیاں
کلیوں کے روئے ناز ہیں رخشاں میرے لئے
نغماتِ پُر سرور سناتی ہے کائنات
لاتا ہے ابر عیش کا ساماں میرے لئے
کرتی ہے نذر اوس کے موتی خموش رات
گلشن کا عطر بیز ہے داماں میرے لئے
پُل کھا رہی ہیں باغ میں گلپوش جھاڑیاں
ہر مطربِ چمن ہے غزل خواں میرے لئے
میرے لئے ہے موسمِ برسات کی بہار
لبریز ہے گلوں سے بیاباں میرے لئے
سُرخی شفق کی نورِ سحر کو گلوں کو بُو
جاری ہے ایک چشمۂ فیضاں میرے لئے
بخشی ہے مجھ کو خالقِ یکتا نے کائنات
ہیں عیش کے نشاط کے ساماں میرے لئے

صفیہ شمیم ملیح آبادی

[1] یہ نظم مشاعرہ خواتین لکھنؤ میں پڑھی گئی اور نشر کی گئی تھی -

اُردو اخبارات کے احسانات

غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُردو اخباروں کی اشاعت زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور مسلمان گھروں ہی میں ان کی خریداری کی کثرت ہے۔ چند اخباروں اور رسالوں کو چھوڑ کر میں اڈیٹر صاحبان سے یہ پوچھنے کی جُرات کرتی ہوں کہ اخبارات اور رسالوں کی اشاعت سے ان کا مقصد کیا ہے۔ ظاہر ہے ہر صاحب اس کا جواب یہی دیں گے کہ اخبارات اور رسالے مُلک و قوم کی ذہنی نشوونما میں مدد ہوتے ہیں۔ اور ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ لیکن جیسی کچھ یہ اخبارات اپنی قوم کی خدمت کر رہے ہیں وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔

بہت سے اخبارات سیاست کا اکھاڑہ بن کر رہ گئے ہیں اور مستقبل میں بڑے تصادم کے جراثیم پیدا کر رہے ہیں۔ جو کسی دن کوہ آتش فشاں کی طرح دونوں قوموں پر پھٹ پڑیں گے۔ اور جلا کر خاک سیاہ کر دیں گے۔

آجکل اُردو پرچوں کی فنا و بقا کا راز اڈیٹر کے حُسن انتخاب پر ہے پھر وہ اخبارات جنہوں نے ٹھیکہ لے لیا ہے بداخلاقی کیوں نہ پھیلائیں گے اور چٹ پٹے رنگین رومانوی حُسن و عشق میں ڈوبے ہوئے افسانے شائع نہ کریں گے اور رنگیلے نوجوان کیوں نہ ان کو پسند کریں گے۔ جنہوں نے آنکھ ہی ایسے اخباروں میں کھولی ہے۔ ایسے اخبارات کی اشاعت کیوں نہ روز بروز ترقی کرے گی۔

دوسرا اہم ذریعہ اخبارات کی مالی حالت درست کرنے کا یہ بھی خوب ہے کہ نادر اور نایاب نسخوں اور دواؤں کے اشتہار شائع کئے جاتے ہیں۔ مردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں ان کو اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ اور پھر دواؤں کے اشتہارات ہی نہیں غضب تو یہ ہے کہ فحش کتابوں کے اشتہار شائع کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ ان اشتہاروں کا مضمون جیسا دلفریب ہوتا ہوگا اس کو میں غریب کیا لکھ سکتی ہوں۔

ایک زمانہ رسالہ میں ان کے عنوانات لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ غرضیکہ یہ ہیں وہ اشتہارات جن سے آپ ملک و قوم کی خدمت کرتے ہیں۔ نوجوان بچّوں کے جذبات اُبھار کر ان کی بربادی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ جھوٹے اشتہار چھاپ کر دنیا میں اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حال معمولی پرچوں کا نہیں ہے ان کا ہے جو ہندوستان کے چوٹی کے رسالے کہلائے جانے کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ مضامین جیسے کچھ ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے۔ نوجوانوں کا چھپ چھپ کر عشق کرنا۔ دونوں کا جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو جانا۔ پھر ان کی قیامت خیز گفتگو۔ جو نوجوانوں کے جذبات کو اُبھارے۔ یہ نئی پود جو ایسے ماحول میں پرورش پا رہی ہے آئندہ چل کر ہماری جانشین کہلائے گی آپ

کیا اُمید رکھ سکتے ہیں کہ فخر قوم اور فخر خاندان کہلائے گی؟ غریب مغربی عورتوں کو یہ رسالے ناحق بدنام کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ خود اپنی قوم کے بچوں کو ذہنی عیاشی میں مبتلا کر رہے ہیں۔ خدا ان بچوں کو سلامت رکھے ہم کو تو کچھ اس سے بھی زیادہ اُمید ہے۔ حیا جزو ایمان ہے مگر افسوس یہ پرچے اسے بالکل ہی اُڑا رہے ہیں۔

اور تو اور ان رسالوں میں کنواری لڑکیوں تک کے اس قسم کے مضامین جب میری نظر سے گذرتے ہیں تو میں دستِ حسرت مل کے رہ جاتی ہوں لیکن وہ غریب کیا کریں کب تک متاثر نہ ہوں۔ کب تک پُرانی روایات کی حامل رہیں۔ جب یہ ہرے بھرے باغ ان کی نظر کے سامنے آتے رہیں۔

ایک رسالہ میں ایک مس صاحبہ فرماتی ہیں "اے سکھی مجھ کو نہ چھیڑ کیونکہ میں کنواری ہوں" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہائے افسوس ان کو یہ بھی شرم نہیں آتی کہ جب یہ ہمارے ادبی شہ پارے منظرِ عام پر آئیں گے تو لوگ کیا کہیں گے۔ گر حیا و شرم تو ان اخباروں کے مطالعہ سے رُخصت ہو چکی ہے۔

اب ان اشتہاروں کی حقیقت بھی سُننے ایک لڑکی نے اشتہار پڑھ کر بیوٹی لوشن دہلی سے منگوایا جس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے تھے ایک گھڑی انعام میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ چوتھے روز پارسل موجود تھا۔ ڈھائی روپے خرچ کرنے کے بعد ایک پیسہ والی گھڑی نکلی جو بچوں کے کھلونوں میں عام طور پر ملتی ہے شیشی میں گلابی رنگ تھا۔ اس گھڑی ہی سے ہم نے اندازہ لگالیا کہ ان اشتہاروں کی کیا حقیقت ہے۔ جس کی گارنٹی بھی خیر سے دس بارہ سال سے کم نہ تھی۔ یہ ہیں وہ اشتہارات جن پر قوم کے اخلاق اور پیسے تک کو برباد کیا جا رہا ہے ہمارے اخبارات صرف اپنا اُلو سیدھا کرنا جانتے ہیں ان کو قوم کی اصلاح کی بالکل پروا نہیں۔

حق تو یہ ہے کہ سارا الزام اخباروں پر تھوپ دینا انصاف سے بعید ہے۔ پبلک کیوں ایسا قانون پاس نہیں کراتی؟ مصنف کیوں ایسے مضامین لکھنے سے گریز نہیں کرتے۔ شریف لوگ کیوں ایسے اخبار خریدنا بند نہیں کرتے۔ لائبریریاں کیوں ایسی فحش اور لغویات سے خالی نہیں کی جاتیں؟ گھروں میں کیوں بچوں کو سختی سے نہیں روکا جاتا کہ وہ اس قسم کے مضامین پڑھنے سے گریز کریں؟

عزیز بہنوں میرا تو قلم تھک گیا دماغ بیکار ہو گیا آنکھیں کمزور ہو گئیں لیکن میری کوئی نہیں سُنتا۔ مضامین لکھتی ہوں اور شائع بھی ہوتے رہے ہیں۔ لیکن وہی صدا ئے برخواست کاغذی رونے پیٹنے سے کیا ہوتا ہے۔ سب ملکر عملی قدم اُٹھائیں تو کچھ نتیجہ نکلے۔

مسز ضیاء الحسن تھانوی

محبت

ایک روز میں نے بلبل سے پوچھا —— محبت کسے کہتے ہیں؟ —— وہ شاخِ گُل سے گری اور تڑپ کر اپنی پیاری جان دے دی!! (ماخوذ)

محمود علی ۔ حیدر آباد دکن

صحت اور غذا

آجکل ایک عام شوق خواتین میں ترقی کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ جسم بالکل دُبلا پتلا رہے۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے طرح کی دوائیں استعمال کی جاتی ہیں۔ مسہل لئے جاتے ہیں۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ان کوششوں سے فائدہ تو ہوتا نہیں ہاں کمزوری کافی ہو جاتی ہے۔ بغیر سوچے سمجھے یہ طے کر لینا کہ فلاں دوا ضرور فائدہ مند ہوگی بڑا غلط طریقہ ہے جسم بالکل دُبلا ہونا ہرگز خوبصورتی نہیں اگر کوئی خاتون خوبصورت ہوں مگر دُبلی آتی ہوں کہ رُخسار پچکے یا دبے ہوئے ہوں تو ان کی خوبصورتی خاک میں مل جائے گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ دُبلی عورت ہو یا مرد بِن عمر سے زیادہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ لیکن موٹی عورت بھی خوبصورت نہیں کہی جا سکتی آپ پوچھیں گی تو پھر جسم کیسا ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سڈول گول جسم گٹھا ہوا گوشت ہو جس کو ادیب و شاعر چھریرے بدن سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ سوال کریں گی پھر اپنے جسم پر کیسے قدرت حاصل ہو؟

خانہ داری اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے ہر کام کو بلا ناغہ انجام دینا بہت مشکل ہے اور آجکل دُبلے ہونے کا جو علاج رائج ہے اس کے لئے ضرورت ہے کافی وقت کی۔ کیا آپ بلا ناغہ ورزش کر سکتی ہیں۔ یا چھ میل پیدل چل لینے کے لئے آسانی سے وقت نکال سکتی ہیں۔ یا آپ بالکل سبزی ترکاری پر اپنی زندگی گذار سکتی ہیں یا صرف دُبلے ہونے کے لئے دُنیا کی بہترین غذائیں جو قدرت کا خاص عطیہ ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ سکتی ہیں۔ نہیں آپ ان میں سے ایک بات ہمیشہ بلا ناغہ پابندی کے ساتھ نہیں کر سکتیں پھر آپ کو کیا کرنا چاہیئے؟

پہلی بات یہ ہے کہ کوئی بھی شکایت ہو بغیر دوا کے غذا کے استعمال سے اس کو رفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ مگر میری مراد اُن امراض سے نہیں جو سخت یا واقعی مرض ہوں بہت سے مرض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ مرض نہیں ہوتے لیکن ان کو مرض سمجھ کر علاج کیا جاتا ہے اور دوا کا صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ یہ میں آئندہ بتاؤں گی کہ وہ مرض کون کون سے ہیں۔ یہاں تو بتانا مقصود ہے کہ جسم کو فائدے میں کس طرح رکھا جا سکتا ہے۔ جسم بڑھتا کیوں ہے یاد رکھیئے خرابیٔ معدہ اور غلیظ خون سے۔ آپ پوچھیں گی خون غلیظ کیسے ہوتا ہے۔ سُنیئے معدہ پر جگر کی کمزوری سے۔ اگر آپ میں ہضم کی زیادہ طاقت نہیں ہے۔ آپ نے زیادہ طاقتور غذا کھائی جس کو معدہ ہضم نہیں کر سکتا تو غذا خام رہ جائے گی اور جگر کو جو اس کا جوہر پہنچے گا وہ کثیف ہوگا جگر اس کو صالح خون سے تبدیل نہ کر سکے گا بلکہ گاڑھا اور کثیف خون جسم کو پہونچے گا وہی خون جسم میں پھیل کر بلغم پیدا کرے گا اور اس سے سارا جسم بھدا ہوگا طاقت کم ہوتی ہے سانس پھولتی ہے۔ پیٹ بڑا ہو جاتا ہے۔

صحت کے لئے سب سے پہلی چیز ہوا ہے جس کا تعلق موسم سے بہت زیادہ ہے۔ ہوا صاف وہ ہے جس میں دھواں بھاپ اور گرد نہ ملی ہو۔ ہوا ہر موسم میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ فصلیں چار ہوتی ہیں جاڑا گرمی برسات و بہار۔ بہار کا زمانہ فروری و مارچ ہے۔ بہار کے زمانہ میں مزاج گرم و تر ہوتا ہے۔ گرمی کی فروری سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں تمام رات کافی سردی ہوتی ہے اور دن کو گرمی۔ دو اختلاف فصل کے ایک ساتھ ہی رونما ہوتے ہیں اس زمانہ میں ہوا بہت مرطوب ہوتی ہے۔ لہٰذا کافی پرہیز کرنا چاہیئے معتدل غذا اور گرم نہیں تو موٹے کپڑے ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔ زیادہ سرد اشیا وغیرہ سے قطعی پرہیز کرنا چاہیئے فروری اور مارچ میں بلغم کی افزائش بہت ہوتی ہے نزلہ بہت جلد اثر کرتا ہے۔ گرمی کا زمانہ اپریل مئی جون اور نصف جولائی تک ہے

اس زمانہ میں مزاج گرم و خشک ہوتا ہے گرمی میں زیادہ پانی پینے سے ہاضمہ ضعیف ہو جاتا ہے اس لئے غذا کم اور ہلکی کھانا چاہیئے۔ ٹھنڈی چیزوں کا استعمال اور سایہ دار جگہ اور جہاں صاف ہوا کا گذر ہو۔ ٹھنڈی جگہ پر رہنا چاہیئے۔ پہلی چیز صحت کے لئے غسل اور صفائی ہے۔ لیمو کا عرق یا دہی کی لسی یا کیری کا آبشورہ بہت مفید ہے جس سے معدے کی گرمی دور ہوتی ہے۔ ہاضمہ درست رہتا ہے۔

بعض بہنوں کی عادت ہوتی ہے کہ خود ہی یہ فیصلہ کر لیتی ہیں کہ فلاں چیز نقصان دہ ہے فلاں فائدہ مند ہے اس خیال کے ماتحت ہم بہت سی صحت کی بہترین غذاؤں کو کھو دیتے ہیں مثلاً بعض جگہوں میں دہی کو کوئی ضروری چیز نہیں سمجھا جاتا اسی طرح بعض جگہوں میں شربت یا آب شورہ کا بالکل رواج نہیں اسی طرح بعض سبزیاں جن کے لئے خود فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ نقصان دہ ہیں حقیقتاً صحت کے لئے ضروری ہیں۔ اگر ایک نقصان کسی چیز میں دیکھا جاتا ہے تو اسی میں دو فائدے ایسے پنہاں ہوتے ہیں جن کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔

برسات نصف جولائی سے اکتوبر تک رہتی ہے اس زمانہ میں فصل میں دو اختلاف ہوتے ہیں جب پانی برستا ہے تو ٹھنڈک ہو جاتی ہے اور جب بارش نہیں ہوتی تو سخت گرمی ہوتی ہے لہذا یہ گرمی سردی مل کر فصل نہایت خراب ہوتی ہے۔ ہاضمہ بھی خراب رہتا ہے اس زمانہ میں بہت ہلکی زود ہضم اور سادی غذا استعمال کرنا چاہیئے بارش کے زمانہ میں غذا پیٹ میں پھولتی ہے دیر میں ہضم ہوتی ہے۔ نومبر سے جنوری تک جاڑے کا موسم بہت عمدہ ہوتا ہے۔ آب و ہوا طبیعت کو فرحت دیتی ہے۔ ہوا بہت صاف ہوتی ہے۔ جسم کے اندر حرارت رہتی ہے اس کے سبب سے ہاضمہ بہت قوی ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں مقوی غذا بخوبی ہضم ہوتی ہے۔ گوشت انڈا مچھلی حلوا میوہ وغیرہ وغیرہ بہت ہی مفید اور بہتر غذائیں ہیں۔ اور بھوک بھی خوب لگتی ہے اس زمانہ میں عموماً کوئی شکایت نہیں ہوتی اور صحت عمدہ رہتی ہے۔

غذا ۔ جس غذا کے کھانے سے خون پتلا ہو اسے غذائے لطیف، جس سے خون غلیظ پیدا ہو اس کو غذائے کثیف، جس غذا سے خون صالح (صاف) پیدا ہو اس کو محمود الکیموس، جس سے خون ناقص پیدا ہو اس کو ردی الکیموس، جس غذا سے بہت خون پیدا ہو اس کو کثیر الغذا، اور جس سے کم پیدا ہو اس کو قلیل الغذا کہتے ہیں۔ اگر آپکا جسم بھدا ہے ہاتھ پیروں میں تشنج اور کاہلی معلوم ہوتی ہے تو سمجھئے کہ خون گاڑھا پیدا ہوتا ہے۔ روانی میں کمی ہے ایسی غذائیں استعمال کیجئے کہ خون پتلا پڑ جائے۔ تھوڑی محنت کیجئے تاکہ خون کی روانی خوب ہو۔ اگر جسم دبلا ہے کمزوری معلوم ہو طبیعت گری رہے جسم پر سفیدی یا زردی معلوم ہو تو ایسی غذا کھائیے کافی مقدار میں خون بنے۔ اگر آپ کے جسم میں خون بہت ہو ہاتھوں کی پشت ناخن رخسار قاعدے کے خلاف سرخ ہوں تو ایسی غذا کھائیے جس سے خون کم بنے جن چیزوں سے خون ناقص پیدا ہو اس سے حتی الامکان پرہیز کیجئے۔ جس سے خون صالح پیدا ہو اسکو فصل کے لحاظ سے زیر استعمال رکھئے۔ محافظ صحت کو چاہیئے کہ دو دن وقت کے مطابق غذا کھائے ایک روز ایک وقت کا فاقہ کرے اور جب تک خوب بھوک نہ معلوم ہو اس وقت تک کھانا نہ کھانا چاہیئے لقمہ خوب چبا چبا کر کھانا مفید صحت ہے ذرا بھی پیٹ پر بوجھ یا نفخ معلوم ہو تو کھانا نہ کھانا چاہیئے طبیبوں کا تجربہ ہے کہ زیادہ تر بیماریاں معدہ سے پیدا ہوتی ہیں کھانے کے بعد فوراً سو جانا یا دوڑنا ورزش کرنا وغیرہ بہت مضر ہے۔ بہنیں اگر اپنی طبیعت اور مزاج کا اندازہ لگا کر فصل کے مطابق صرف غذاؤں کے ردوبدل کریں تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ صحت بہت بہتر ہو جائے گی۔

مسز حمید لکھنوی

انتقام

رام گڈھ کی چھوٹی سی گڑھی میں آج شادمانی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ہر شخص اپنی خوشی کا اظہار طرح طرح سے کررہا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آج راج کماری بملا دیوی کی برات آنے کو ہے۔ رام گڈھ کے راجہ فتح سنگھ اپنے پردھان کے ساتھ بیٹھے کچھ مشورہ کررہے ہیں۔ شہر کے ایک اونچے برج پر ایک چوکیدار متعین کردیا گیا ہے تاکہ برات کے آنے کی اطلاع کردے۔ برات کے آنے کا مقررہ وقت گذر چکا۔ فتح سنگھ کسی قدر گھبرایا ہوا اپنے پردھان سے باتیں کررہا ہے۔ دن چھپ چکا۔ تمام شہر چراغوں سے منور ہوگیا۔ آج بملا دیوی کی برات آئے گی نا۔

"پردھان جی! برات کو اب تک آجانا چاہیئے تھا۔ مجھے بہت فکر ہورہا ہے۔ تم جانتے ہو نکاراؤ کے راستے میں شیر سنگھ کی گڑھی پڑتی ہے۔ اب میں غور کرتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کیوں نہ میں نے شیر سنگھ کا پیغام قبول کرلیا۔ بملا کی ضد پوری کرنے کے لئے میں نے شیر سنگھ کی دشمنی مول لی۔ شیر سنگھ ایک اطاعت گذار داماد بنتا لیکن اب وہ ایک خطرناک دشمن ہے۔ اگر وہ نکاراؤ کی برات پر حملہ کردے تو نکاراؤ کیا کرے گا" فتح سنگھ نے پردھان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ اتنے میں چوکیدار نے پکارا "فتح سنگھ مہاراج کی جے۔ بہت دور سے لوگ نظر آتے ہیں" تمام گڑھی میں خبر مشہور ہوگئی۔ رام گڈھ کی پوری آبادی گڑھی کے دروازے پر آن پہنچی۔ مہاراجہ فتح سنگھ اور پردھان بھی ان میں شریک تھے۔ بار بار "فتح سنگھ کی جے" "بملا دیوی کی جے" کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ فتح سنگھ نے پردھان کے کان میں کہا "یہ برات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کوئی حملہ آور لشکر ہے۔ کیا تم ہتھیاروں کی جھنکار نہیں سنتے" پردھان چپ تھا۔ آخر وہ لشکر گڑھی کے دروازے پر آن پہنچا۔ شیر سنگھ سب سے آگے گھوڑے پر سوار تھا۔ اور پیچھے اس کے مسلح راجپوت تھے۔ "شیر سنگھ۔ میری بیٹی کے بیاہ کے وقت تمہارا اس طرح فوج لے کر بن بلائے آنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر تم بملا کے بیاہ میں شرکت کرنے کے لئے آئے ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں لیکن اگر کسی دوسرے ارادے سے آئے ہو تو یاد رکھو کہ فتح سنگھ کی تلوار ایک بار میان سے نکل کر بغیر خون کی بھینٹ لئے واپس نہ ہوگی" فتح سنگھ نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "چاچا جی! آپ بزرگ ٹھہرے۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہاں اس طرح آنا پڑا۔ میں نے نکاراؤ سے پہلے بملا کے لئے پیغام دیا تھا اور ہمارا بیاہ بھی ہونے ہی والا تھا کہ آپ کا ارادہ بدل گیا۔ آج میں آیا ہوں کہ بملا کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ میں گوارا نہیں کرسکتا کہ نکاراؤ بملا کو بیاہ لے جائے۔ اور میں منہ تکتا رہ جاؤں۔ اب جنگ یا امن آپ کے ہاتھ ہے" شیر سنگھ نے ادب سے جواب دیا۔ فتح سنگھ نے کہا "یہ سچ ہے کہ تم نے نکاراؤ سے پہلے بملا سے شادی کی درخواست کی تھی لیکن بملا نکاراؤ ہی کو پسند کرتی ہے۔ اور اسی سے بیاہ کرنے پر اڑی ہوئی ہے وہ میری اکلوتی بے ماں کی بچی ہے اور میں اس کی اس خواہش کو ٹالنا نہیں چاہتا۔

بس تو پھر میں تلوار کھینچنے پر مجبور ہوں چاچا جی" شیر سنگھ نے جواب دیا۔ فتح سنگھ غصہ سے تھرا اٹھا اور کہنے لگا "یاد رکھو شیر سنگھ میں اور میری رعایا راجپوت ہیں اور تم بلا کو ہم سب کی لاشوں کو روندتے ہوئے ہی لے جا سکتے ہو" اتنے میں بھیڑ کو چیرتی ہوئی خود بلا آموجود ہوئی۔ سرتاپا قیمتی کپڑوں میں ملبوس بالوں میں موتی گندھے ہوئے۔ غرض حسن و سجاوٹ کا مکمل نمونہ اس کو دیکھتے ہی نعرہ بلند ہوا "بلا دیوی کی جے" وہ آتے ہی چلا اٹھی "شیر سنگھ میں نہیں چاہتی کہ میرے لئے بے گناہ رعایا کا خون بہایا جائے میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں لیکن یاد رکھو تکاراؤ ضرور تم سے ایک روز اس بے عزتی کا انتقام لے گا" "تم نے آج ثابت کر دیا کہ تم ایک بہادر باپ کی بہادر بیٹی ہو بلا۔ آؤ چلیں" شیر سنگھ نے کہا فتح سنگھ ہکا بکا ہو کر چلا اٹھا "یہ تم کیا کر رہی ہو بیٹی!" بلا نے جواب دیا "میرے لئے ہزاروں گھر نہ اجاڑیئے پتا جی، مجھے جانے دیجئے" لشکر جرار آن واحد میں غائب ہو گیا۔

آج چودھویں رات ہے چاند اپنی پوری شان کے ساتھ شہروں اور جنگلوں میں ضیا پاشی میں مصروف ہے۔ بلا شیر سنگھ کے محل کی کھڑکی میں سے جھانک رہی ہے۔ کچھ دور تکاراؤ کی گڑھی نظر آتی ہے "تم اب تک اس کے آنے کا انتظار کر رہی ہو؟ نادان لڑکی" شیر سنگھ جو اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا چلا اٹھا۔ "پران پتی! ہندو دھرم نے مجھے آپ کے چرنوں میں پیش کر دیا ہے۔ میرا جسم آپ کا ہے لیکن تکاراؤ کو کیسے بھول جاؤں۔ جانتی ہوں وہ اپنی بے عزتی کا جلد انتقام لینے آئے گا" بلا نے جواب دیا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

شیر سنگھ کے محل میں آج بہت رونق ہے۔ آج اسے اپنی گڑھی کے تمام سادھوؤں اور فقیروں کو بھوجن کرانا ہے۔ مہاراجہ اور مہارانی خود انتظام میں مشغول ہیں۔ مہارانی سے اس کی ایک سہیلی نے آکر کہا "رانی ذرا اس سادھو کو تو دیکھو کچھ کھاتا ہی نہیں۔ ہماری طرف تک رہا ہے" "سادھو جی کھائیے نا کچھ اور خدمت ہمارے لایق ہو تو فرمائیے" بلا نے سادھو سے کہا۔ لیکن اس کا چہرہ زرد پڑ گیا وہ پہچان گئی کہ ان گیروے کپڑوں میں تکاراؤ ہی چھپا ہوا ہے "تم نے غالباً مجھے پہچان لیا بلا" "ہاں" بلا نے جواب دیا اور پھر انتظام میں مشغول ہو گئی۔

صبح چار بجے کے وقت بلا اٹھی اور اپنے باغ میں سے ہوتی ہوئی وقت مقررہ پر دروازہ پر جا پہنچی۔ وہاں سادھو اس کا منتظر تھا۔ "میرے قریب آؤ بلا میں اس وقت کا کتنی مدت سے منتظر تھا" "خبردار! تمہیں معلوم ہے کہ میں دوسرے کی ہوں" بلا کی آنکھیں غصہ سے چمک اٹھیں "میں سمجھتی تھی کہ تم ایک سچے راجپوت کی طرح اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے آؤ گے۔ لیکن تم ایک دھوکہ باز انسان ہو تمہاری جو بے عزتی ہوئی اس کی تلافی تم بہادری سے کر سکتے تھے۔ تم شیر سنگھ کو تلوار کے گھاٹ اتارتے یا خود قتل ہو جاتے۔ اس وقت میں سماج کے بندھنوں کو توڑ کر تمہارے ساتھ ہوتی مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہے" اتنا کہہ کر بلا نے ایک خنجر آبدار نکال کر ایسا بھرپور وار کیا کہ تکاراؤ کی بیجان لاش زمین پر آ رہی۔ جب وہ واپس ہونے لگی تو اس نے شیر سنگھ اور سہیلی کو کھڑے دیکھا۔ سہیلی نے مخبری کر دی تھی "تم نے کیا کیا؟" شیر سنگھ نے کہا "ایسی بزدل انسان کا یہی انجام ہونا چاہئے پران پتی!" دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

(خیال انگریزی سے لیا گیا)

سلیم احمد خان لودھی اورنگ آبادی

تربیت اطفال

جس ماحول میں بچہ پہلے پہل آنکھ کھولتا اور متاثر ہوتا ہے۔ وہ اُس کے والدین اور گھر کی محدود دنیا ہوتی ہے۔ چاہے وہ اسے مانیں یا نہ مانیں مگر یہ حقیقت ہے کہ بچے کے اولین خیالات اُس کے ماحول اور والدین کے کردار ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ گویا والدین ہی اُس کے خیالات، عادات اور اخلاق کے معمار ہوتے ہیں۔ بڑا ہو کر بچہ دوسروں کے ساتھ اس رویہ سے پیش آتا ہے جو بچپن میں والدین نے اپنے گرد اسے اُس کے لئے متعین کر دیا تھا۔ خانگی زندگی کا انحصار والدین کی اس رُوحانی یکسانیت اور میل ملاپ پر ہوتا ہے جو اُن کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ ہی تمام چیزیں بچے کے لئے وہ ماحول تیار کرتی ہیں جس میں بچہ نشو و نما پاتا ہے۔ اور جس میں سے وہ اپنے خیالات بناتا اور عقائد اخذ کرتا ہے۔

اگر والدین کے درمیان ارتباط محبت، شگفتہ برتاؤ اور سنجیدہ مذاق ہو تو اُس کا بچہ پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر والدین کے درمیان ناچاقی، رنجش اور لڑائی جھگڑے ہوتے رہیں تو بچہ کی فطرت پر خراب اثر پڑتا ہے۔

ایک متین باپ یا حد سے زیادہ ممتا کی ماری ماں اِن سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی جو وقتاً فوقتاً بچے ایک دم پوچھ بیٹھتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ماں کی بے صبری دیکھ کر بچہ دُودھ پینے سے انکار کر دے۔ ان گھریلو مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ بچے اور والدین کا تعلق شروع ہی سے بہت گہرا ہوتا ہے جو اُس کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

پھر وہ کیا چیز ہے جسے ہم سمجھدار والدین اپنے بچے کے لئے مہیا کرنا چاہتے ہیں؟ یہ ہی نا کہ اُن کا بچہ آزادی اور مسرت کے ساتھ گھر میں نشو و نما پا رہا ہے۔ اگر بچہ کو گھر میں عافیت نظر آتی ہے تو وہ زندگی سے بالکل بے خوف رہے گا۔ اس چیز کے حصول کے لئے والدین کو چاہیئے کہ اپنے لاڈ پیار عقلمندی سے استعمال کریں۔ بچہ کے متعلق ہوائی قلعے بنانا بہت اچھا ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ قلعے اکثر حقیقی نہیں بلکہ ہوائی ہوا کرتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں بچہ کو بنانا پڑتا ہے اور اس کے اطوار و عادات کو ایک خاص جہت پر ڈھالنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے ہم بچہ کو تیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تربیت اکثر گھر ہی میں دی جاتی ہے۔ بچہ ترقی کر سکتا ہے اگر اُس کے گھریلو ماحول سے اُسے یہ پتہ چل جائے کہ اس دُنیا کا کچھ مقصد بھی ہے۔ اور انسان محض طاقتوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں! بچہ کو شروع ہی سے آزادی دے دینا چاہیئے۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ ماں بالکل اُسے فراموش ہی کر دے۔ اور نہ یہ کہ بیجا لاڈ پیار ہی میں رہے۔ آزادروی خود بخود کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے بھی مدارج ہیں۔

بزرگوں کی توجہ بچے کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ زندگی کے لئے سانس۔ اور بہت سے لڑکے جو ضدی

اور بدمعاش گنے جاتے ہیں۔ اگر ان پر تھوڑی سی توجہ دی جائے تو اُن سے یہ عادتیں چھڑائی جاسکتی ہیں۔

جوں جوں بچہ کی عمر بڑھتی ہے اُس کے خیالات اور زاویۂ نگاہ میں بھی پختگی آتی جاتی ہے۔ گو شروع شروع میں سماجی قدر و قیمت کچھ یوں ہی سی اہمیت رکھتی ہے۔ بچہ کے بڑے ہونے کی جو فطری تمنا ہوتی ہے۔ وہ آگے چل کر خود کو اپنے والدین کی عادات و اطوار سے منطبق کر لیتی ہے۔ ماں باپ کا اثر چھوٹے بچوں پر اس قدر گہرا پڑتا ہے کہ آئندہ چل کر وہ کسی صورت سے بھی ہٹایا نہیں جاسکتا۔ اِس لئے گو اس میں مشکلات تو ضرور ہیں۔ لیکن والدین کو احتیاط رکھنا چاہیئے کہ گھر میں ان کے افعال کا بچوں کے اخلاق پر کیا اثر پڑے گا۔ کیونکہ اخلاق ہی پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ خیال کر لینا کہ بچہ کی فطرت ہی میں خرابیاں اور بُرائیاں ہیں خالق کی تخلیق پر عدم اعتماد کی ظاہر کرنے کے مترادف ہے اور اس طرح بچہ مستقبل میں اپنے اوپر اعتماد نہ کرسکے گا۔ جسم اور رُوح ایک ہئیت کے دو لازمی جزو ہیں۔ انسانی فطرت کے لئے دونوں اہم ہیں اور ان کا ارتباط نوع انسانی کے لئے مفید ہے۔

اسی طرح بچے کے جنسی احساسات کی بھی پورے طور پر خبر گیری رکھنی چاہیئے۔ اور اُسے اس کے متعلق صحیح راہ پر ڈالنا چاہیئے۔ اس میں کوتاہی یا کسی خوف کو درمیان میں نہ لانا چاہیئے۔ اگر کوئی بچہ جنسی سوال کرتا ہے تو اُسے خاموش نہ کر دینا چاہیئے۔ یا اُس کا مذاق نہ اُڑانا چاہیئے۔ بلکہ اُس کا سنجیدگی سے پُر معلومات اور صحیح جواب دیکر بچے کی تشفی کرنا چاہیئے۔ بہت سے والدین جو اس بات کا خیال نہیں کرتے بچے کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ خود تحقیقات کرے۔ اور اس تحقیقات میں ممکن ہے کہ وہ غلط راہوں پر جا پڑے۔ اگر بچے کو اپنے سوالات کے صحیح جوابات ملے ہیں اور اس کی تشفی ہو جاتی ہے تو اس چیز سے اُس کی دماغی نشوونما، عقل و فہم کے ارتقا میں مدد کرتی ہیں۔ اور بچہ سکون محسوس کرتا ہے۔ شروع ہی میں اگر بچوں کا لحاظ رکھا جائے تو یہ والدین کو بھی بہت سی نادانستہ غلطیوں سے بچالیں گے۔ اور بچہ کو بعد کی بیجا اور نازیبا مشقت سے دوچار نہ ہونا پڑیگا۔

بچے کو اس کے رجحان کی مناسبت سے تربیت دو، پرانے زمانے کے حکیموں کا یہ پسندیدہ مقولہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہم اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بچے کو فطری رجحانات پر عمل پیرا ہونے میں مدد دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ روز بروز ترقی کرے گا۔ اور یہی فطری رجحانات بڑے ہونے پر بھی اس میں قائم رہیں گے۔ پس والدین کو اپنے بچہ کے لئے کوئی خاص لائحہ عمل بنا لینا چاہیئے۔ اس کی فطرت کے خلاف اپنے نظریات و احساسات کو اس کے دماغ میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے کبھی کبھی اخلاق کا مسئلہ بچے اور والدین کے درمیان اس قدر نازک ہو جاتا ہے کہ حل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بچے اور والدین دونوں کا زاویۂ نگاہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی اپنی بات سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ایک بزرگ کے لئے مشکل کا سامنا ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں بہتر یہ ہوتا ہے کہ والدین بھی خود کو بچہ تصور کریں تاکہ وہ پھر محسوس کرسکیں کہ بچہ کس طرح محسوس کر رہا ہے۔

گھریلو زندگی میں سکون و راحت اور یکسوئی کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بچوں کا مرکزِ نگاہ اُن کے والدین ہی ہوا

کرتے ہیں۔ اور خاص کر بلوغت سے پہلے تو اُن کی توجہ کا تمام مرکز گھریلو واقعات اور والدین ہی ہوتے ہیں کبھی کبھی بلوغت سے پہلے بچے انفرادیت چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جس قدر بھی فائدہ ہو وہ صرف انہیں ہی پہنچے۔ اکثر دوسرے بچے کی پیدائش پہلے بچے کے لئے ایک کرب بن جاتی ہے۔ کیونکہ ابھی تک وہ تنہا اس پیار و محبت اور دیگر چیزوں کا حقدار تھا۔ جو اُس کے والدین کے پاس تھیں۔ لیکن اس نئی آمد سے اب اُسے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں نووارد بھی شریک ہے اور یہاں حسد و رشک پیدا ہونا ایک فطری بات ہے۔ ہونے دیجئے۔ لیکن کبھی کبھی ہر بچے کو والد یا والدہ کے ساتھ تنہا چھوڑ دیجئے تاکہ کم از کم اس وقت اُسے معلوم ہو کہ وہی صرف اس کے ماں یا باپ ہیں۔

ساتھ مل کر کام کرنے کا جذبہ گھریلو زندگی میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور نہایت مفید ہے۔ یہ اکثر پیار و محبت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اسی طرح بالکل صحیح دوستانہ اور ہمدردانہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور بچے آپس ہی میں اپنی سمجھ کے موافق اپنی مشکلات کا حل سوچ لیتے ہیں۔ اس طرح انہیں اپنی آئندہ زندگی کے مہمات کو حل کرنے کی مشق ملتی رہتی ہے۔ اور ساتھ ہی آپس میں مل جل کر رہنے کی عادت بڑھ جاتی ہے۔ اور اگر خاندان کے افراد زیادہ ہوں تو بھی وہ آسانی سے گذارہ کرتے "زندہ رہو اور رہنے دو" کا نظریہ عملی طور پر سمجھ لیتے ہیں اور کسی پر بار نہیں ہوتے۔ ساتھ ہی رواداری، قطع نظری، اور خلوص کا سبق بھی سیکھ لیتے ہیں۔ تمام خاندان خود کو ایک تصور کرتا ہے اور کسی کو تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ زاویہ نگاہ میں وسعت اور خیالات میں ترقی ہوتی ہے۔ بسا اوقات خاندان اس طرح بھی بگڑ جاتا ہے کہ وہ بیرونی دُنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیتا ہے اور اس طرح صرف اپنے ہی نظریات و عقائد میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

وحیدہ عزیز۔ ملتان

باقی صفحہ ۲۴۴ کا

علاوہ ازیں نصف چھٹانک پھٹکری ایک بوتل میں گرم پانی میں حل کر کے چند قطرے کافور آئل اور پیپرمنٹ آئل کے رکھ لیں۔ مذکورہ محلول سے کُلیاں کرنا دافع تعفن اور مسوڑھوں سے خون کو روکتا ہے۔ صبح کے وقت کسی عمدہ منجن ملنے کے بعد ضرور اس مذکورہ محلول سے دہن کی صفائی کرنی چاہیئے۔ نیز ہائیڈروجن پرکسائڈ تھوڑے پانی میں چند قطرے ڈال کر دونوں وقت کھانے کے بعد کلیاں کرنا منہ کی بدبُو دُور کر کے دانتوں کو جلا دینے میں ید طولےٰ رکھتا ہے۔ متورم مسوڑھوں کے زخم ہائیڈروجن کے استعمال سے متعفن نہیں ہونے پاتے۔ اور پائیریا کو ایک حد تک فائدہ پہنچتا ہے۔ شب کو سوتے وقت لیسٹرین (LISTEREINE) کے محلول سے گلے اور دہن کی صفائی کرنی چاہیئے یہ بھی دافع تعفن ہے اور مُنہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے۔ ان چیزوں کے متواتر استعمال سے اکثر مرض دُور ہو جاتا اور مُنہ کی صفائی ہوتی رہتی ہے۔ مُنہ کی صفائی کیلئے مندرجہ اشیاء مرد و عورت کے لئے یکساں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل۔

منہ کی صفائی

مارچ ۱۹۴۱ء کے عصمت میں محترم بھائی جناب ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب نے "گندہ دہنی" کے متعلق مضمون لکھ کر ایک نہایت ضروری موضوع پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔

منہ سے بدبو آنے کے دیگر اسباب کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے قبض اور ہاضمہ کی خرابی کو بالخصوص اہم سبب بتایا ہے اور ان کے تدارک کے لئے نہایت مناسب تدابیر اور اصول علاج پر روشنی ڈال کر عصمتی بہنوں کو ایک ضروری امر کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "گندہ دہنی" نہایت گھناؤنا اور مکروہ مرض ہے۔ گندہ دہنی یعنی منہ کی بدبو کا باعث اگر پائیوریا ہو تو بجائے خود ایک مرض ہونے کے کئی مرضوں کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ دانتوں یا مسوڑھوں سے پیپ وخون کا زہریلا مواد غذا کے ساتھ معدہ میں پہنچکر نہ صرف ہاضمہ میں فتور پیدا کرتا ہے بلکہ خون میں سرایت کرکے بہت سے امراض پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے علاج میں غفلت ہرگز نہ کرنی چاہیئے بلکہ بہت جلد ماہر امراض دندان کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور اس کے تدارک کی مناسب تدابیر عمل میں لاتے رہنا چاہیئے۔ اس کے علاج میں مختلف منجنوں اور دیگر منہ کی صفائی کی چیزوں کے قبض کے علاج کو مقدم درجہ دینا چاہیئے۔ اور رفع قبض کی وہاضمہ کی درستگی کے لئے اس کی ضروری تدابیر پر عمل پیرا ہوتے رہیں۔

اگر معدہ میں کوئی خرابی نہ ہو اور ہاضمہ کا فعل درست ہو تو منہ کی بدبو کا باعث اکثر کرم خوردہ دانت ڈاڑھیں بھی ہوتی ہیں کیونکہ ان کے سراخوں میں غذا کے ذرے جمع ہوکر تعفن پیدا کردیتے ہیں۔ اور مسوڑھوں میں بھی سوزش متورم ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ پیپ وخون پیدا ہوکر مرض پائیوریا نمودار ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے تنفس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔

منہ کی بدبو کی وجہ خواہ کچھ ہی ہو۔ دیگر علاج کے علاوہ بہر صورت دہن کی صفائی نہایت لازمی اور ضروری امر ہے۔ اکثر لوگ معمولی صفائی کے بعد پان الائچی سے منہ کی بدبو دور کرنے پر اکتفا کرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ان عارضی معالجوں سے منہ کی بدبو اسی وقت تک رفع ہوسکتی ہے جبتک کہ پان الائچی کا اثر منہ میں باقی ہے اس کے بعد وہی تعفن۔

منہ کی بدبو دور کرنے کے لئے "دہن کی صفائی" کے واسطے معمولی دوائیاں عام منجن یا مسواک برش کچھ حقیقت نہیں رکھتے جب تک کہ ایسے محلول یا منجن سے دہن صاف نہ کیا جائے جو اس موذی مرض کا دائمی طور پر قلع قمع کرتے ہوں تجربہ سے بعض خاص منجنوں میں بھی یہ خاصیت پائی گئی ہے جن کے متواتر استعمال سے "گندہ دہنی" کی شکایت رفع ہوگئی جیسے گلشن سٹور کیہورتھلہ کا منجن اکسیر"۔

(باقی صفحہ ۲۴۱ پر)

اپنے بچّے کے خواب میں

میرے بچے آج کیوں تو اس قدر پژمردہ ہے؟ کیا ہوا کیوں پھول سا چہرہ ترا افسردہ ہے؟
کیا! کسی نے تجھ کو جھڑکا ہے کسی تقصیر پر؟ کیا کسی نے تجھ کو مارا ہے کسی تقصیر پر؟
کیا! مرے مرنے کا تیرے دل کو ہے رنج و ملال کیا! جُدائی سے مری ابتر ہوا ہے تیرا حال؟
کیا! بلاتا اب نہیں نزدیک کوئی پیار سے کیا! بٹھاتا اب نہیں نزدیک کوئی پیار سے؟
کیا! تجھے اب وقت پر کھانا نہیں دیتا کوئی کیا! خبر دُکھ سُکھ کی تیرے اب نہیں لیتا کوئی؟
کیا! تجھے دھتکارتے ہیں بہن بھائی اب تیرے؟ کیا! تیرے ابا کبھی پیسے نہیں دیتے تجھے؟

رو نہ میرے لال، میرے دل کے ٹکڑے صبر کر
ہَولے ہَولے اپنے اب معصوم دل پر جبر کر

ہاں میں شب بھر لوریاں دے کر سلاتی تھی تجھے گُدگُدا کر ہاں مرے بچّے ہنساتی تھی تجھے
تجھ کو لے کر گود میں دن بھر پھرا کرتی تھی میں تیرے جینے کے لئے حق سے دُعا کرتی تھی میں
تو اگر کھاتا نہ تھا تو میں بھی ہاں کھاتی نہ تھی تو اگر سوتا نہ تھا تو مجھ کو نیند آتی نہ تھی
تیرا رونا مجھ کو ہوتا تھا ہمیشہ ناگوار تیرے ہنسنے پر مرے بچے میں تھی دل سے نثار
سچ ہے میرے لال میرے گلشن دل کی بہار تیرے ابا سے زیادہ میں تجھے کرتی تھی پیار

بھول جا اے مرے بچّے مجھ کو یکسر بھُول جا
میں تجھے بھُولوں نہ بھُولوں تو مجھے پر بھُول جا

جی ترا جب کھانے پینے کے لئے کچھ چاہے تو اپنی آپا، اپنے بھیّا، اپنے ابا سے کہو
ہے دُعا اللہ سے میری کہ تو زندہ رہے غم نہ ہو تجھ کو کوئی تا زیست تو ہنستا رہے

اب اگر تو روئے گا تو میں نہ آؤں گی کبھی
خواب میں بھی تجھ کو نہ صورت دکھاؤں گی کبھی

محمد عصمت اللہ قریشی عصمت

مامتا

ستلج کے مغربی کنارے سے ایک کشتی روانہ ہوئی۔ چار ملاح کشتی کو چلا رہے تھے۔ اس میں بچے اور عورتیں بھی سوار تھیں۔

ایک نوجوان عورت سال ڈیڑھ سال کے بچے کو لئے کشتی کے کنارے بیٹھی تھی۔ بچہ نہایت ہی خوبصورت تھا۔ کشتی میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کی نگاہیں بار بار بچہ پر پڑ رہی تھیں۔ وہ بھی ہر نگاہ کا جواب ایک شوخ میٹھی مسکراہٹ سے دیتا اور پھر جھٹ اس کے سینے سے چمٹ جاتا تھا۔ ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھ کر پھولی نہ سماتی تھی۔

پانی کے بہاؤ کے زور سے کشتی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور اب منجدھار میں ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار اور بھی مدھم پڑ گئی تھی۔ ملاحوں کو اب زور زیادہ لگانا پڑتا تھا۔ چپوؤں کے اٹھنے کے ساتھ ہی پانی کے چھینٹے اڑتے۔ دھوپ میں سفید موتیوں کی طرح چمکتے اور پھر پانی میں سَن سَن کی آواز سے جا گرتے . . . . .

نیلگوں آسمان بادلوں سے بالکل مبرّا۔ گرمیوں کا موسم۔ دوپہر کی جھلستی ہوئی دھوپ۔ سورج اپنی پوری آب تاب سے چمک کر نگاہیں خیرہ کئے دیتا تھا۔ آفتاب کی تمازت نے جلد ہی اپنا رنگ دکھایا۔ نیچے پانی . . . اوپر آگ کی سی تپش . . . . کشتی والے دھوپ کی تلخی اور ہوا کی رطوبت کو محسوس کر رہے تھے جسم سے چنگاریاں چھوٹنے لگیں کوئی پانی میں ہاتھ ڈالنے لگا۔ کوئی کلی کرنے اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔

خوبصورت بچے کی نوجوان ماں۔ پہلے تو خاموش بیٹھی ادھر اُدھر دیکھتی رہی۔ مگر جب گرمی نے بہت ستایا تو وہ بھی پانی کی طرف جھکی۔ پہلے بچے کو پانی پلایا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ خود پانی پیا اور منہ ہاتھ دھویا۔ بچہ کو خوش اور پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر اس کو نہلانے کا ارادہ کیا۔ فوراً کرتہ اُتار اس مبہوت سے سفید اور لچکدار جسم کو۔ ہاتھوں میں لے کر نہلانا شروع کیا۔ دوسرے ساتھیوں کو وہ ایک سنگ مرمر کا مجسمہ معلوم دیتا تھا۔ اُف کس قدر حسین تھا وہ بچہ . . . . . ماں نے پہلے تو ہاتھوں سے اس پر آہستہ آہستہ پانی ڈالا پھر ایک غوطہ دیا اور باہر نکالنا چاہا۔ مگر . . . ہیں! . . . . . یہ کیا؟ . . . . عورت کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی جو دلوں کو چیرتی ہوئی فضا میں گونج اٹھی . . . . . کسی چیز نے بچے کو نیچے سے پکڑ لیا۔ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک پانی میں تھے۔ بچے کا صرف سر باہر تھا۔ وہ چیخا اور بے ہوش ہو گیا۔ ادھر ماں کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایک رنگ آتا اور ایک جاتا۔ جوں جوں بچے کو باہر کھینچنے کی کوشش کرتی بوجھ زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ کشتی بھی اسی طرف جھکنے لگی۔ ماں چلاتی تھی اور زور لگاتی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے اتنا زور لگایا کہ کشتی کا اس طرف کا کنارہ پانی کی سطح کے بہت قریب آ گیا دوسرے

آدمیوں نے بھی بہت شور مچایا مگر سب بے سود۔ بلا نے بچہ نہ چھوڑا۔ اسی کھینچا تانی میں کشتی رک گئی۔ کبھی ادھر گھوم جاتی اور کبھی اُدھر۔ ملاحوں نے چپو چلانے چھوڑ دئے تھے۔ اب صورتِ حال بہت نازک ہو گئی تھی۔ اصل مصیبت یہ تھی کہ اگر دوسرے آدمی بھی عورت کی مدد کرتے تو کشتی کے فوراً اسی طرف اُلٹ جانے کا خطرہ تھا خطرہ ہی نہیں بلکہ یقیناً اُلٹ جاتی اس غرض کے ملتظر جو آدمی عورت کے نزدیک تھے وہ بھی کشتی کی دوسری جانب ہٹ گئے تاکہ وزن دونوں طرف برابر رہے۔

سب ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ اب تو صرف دو ہی صورتیں ہیں"۔ ایک بوڑھے ملاح نے مایوسی سے کہا "لڑکے کو بچانے کی کوشش میں تمام کشتی غرق ہو جائے یا بچے کو مگرمچھ کے . . . . قبضہ میں . . . . . چھوڑ دیا جائے"۔

ماں زور لگاتے لگاتے بالکل تھک گئی تھی اور بجائے بچے کو اوپر کھینچنے کے خود ہی پانی کے اوپر جھکی جا رہی تھی ملاح کے ان الفاظ پر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "آہ کیسے چھوڑ دوں" . . . . . پھر وہ زور سے چلائی میرے لال"۔ . . . . . ساتھ ہی پانی میں ایک زور کی آواز آئی اور بیٹے کے ساتھ ماں بھی نظروں سے اوجھل تھی۔ پانی میں ایک گہرا بھنور پیدا ہوا۔ کشتی ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھی۔ پانی کی سطح ہموار ہو گئی۔ کشتی تھوڑی دیر ادھر اُدھر ہلنے کے بعد اپنی اصلی حالت پر آگئی اور ملاحوں نے چپو چلانے شروع کر دئے . . . . .

کشتی تو آہستہ آہستہ پھر چلنے لگی مگر . . . . . اب اس کے بائیں کنارے پر ایک نشست خالی نظر آتی تھی اور لوگ چپ چاپ بُت بنے بیٹھے تھے۔

ابن فیض، بی اے۔ فیروزپور

صفحہ ۳۲۲ کا بقیہ

نتیجہ عام حالتوں میں ایک مرد کی ایک ہی عورت سے شادی ہر طرح مناسب اور زیبا ہے۔ لیکن سوسائٹی کی خاص خاص ضرورتوں کے لئے متعدد ازدواج کا جواز بیحد ضروری ہے عورت کو یہ ہی حق خلع وطلاق کے ذریعہ دیا جانا چاہئے تاکہ وہ ناکارہ اور غیر موزوں مرد سے نجات پاکر کسی دوسرے سے شادی کر سکے۔ متعدد ازدواج کے جواز سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے رنگین جیوانیت کو انسانیت کا جامہ پہنانے اور دوسروں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی فضول کوشش کرتے ہیں لیکن سوسائٹی کی مجبوریاں اور ضرورتوں کا خیال نہ کرکے ایک وقت میں ایک ہی عورت کا قانون بنانے والے اور عورت کے حق خلع وطلاق کے مخالف اور مطلقہ اور بیوہ کی دوسری شادی کو ناجائز سمجھنے والے فطرت سے جنگ اور سوسائٹی کی ضروریات سے ناواقفیت ہی کا اعلان نہیں کرتے بلکہ سوسائٹی میں بدچلنی اور بداخلاقی کے بیج بوتے اور اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دیتے ہیں۔ شادی کے معاملات پر ابتدائے آفرینش سے آج تک کا علم و تجربہ صاف صاف بتاتا ہے کہ شادی کے متعلق اسلام کے اصول اور قوانین دنیا میں تمام اصول اور قوانین سے بہتر و افضل ہیں اور دنیا کی ہر قوم رفتہ رفتہ ان ہی قوانین کی طرف بڑھ رہی ہے۔ حیرت ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے سوسائٹی کے ان پیچیدہ مسائل پر عرب کے ایک اُمّی نے ایسے قوانین بنا دئے کہ جن کا آج تک دنیا میں جواب نہیں ہے۔

(کپتان ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

مادری زبان کی اہمیت

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے - اس کی قدرتی سرسبزی و شادابی بہت سے ملکوں پر فوقیت رکھتی ہے - یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کا شکار رہتا رہا - گزشتہ زمانے میں جب بیرونی قومیں ہندوستان پر فتح مند ہوئیں تو یہاں کے اصلی باشندوں کو محکوم بنایا اور خود یہاں آکر بود و باش شروع کر دی - اپنا رسم و رواج تہذیب اور زبان ساتھ لائے جن کو یہاں کے باشندوں نے مجبوراً قبول کیا - اور اسی طرح اس بدقسمت ملک میں ہمیشہ بیرونی تمدن اور زبان کا دور دورہ رہا - اور اس کی اپنی زبان اور کلچر ہمیشہ خستہ حال ہی رہا - مثلاً مسلمان بادشاہوں کے حملوں سے پہلے یہاں "بھاشا" اور "سنسکرت" زبانیں رائج تھیں - مسلمانوں کی سلطنت کے شروع ہوتے ہی فارسی نے اپنا تسلط جمانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ بھاشا اور سنسکرت پر پوری طرح غالب آگئی - فارسی پڑھنا لکھنا شرط لیاقت قرار پایا - ہر سرکاری کام کے لئے اوّل شرط فارسی کی لیاقت ٹھہری - مگر افسوس کہ اتنی وسیع زبان بہت عرصہ قائم نہ رہ سکی - جس طرح فارسی نے "بھاشا" اور "سنسکرت" کی گت بنائی اسی طرح آج انگریزی زبان کے ہاتھوں ہماری قومی سلیس اور شائستہ زبان کی مٹی پلید ہو رہی ہے - آج انگریزی زبان نہ صرف شرط لیاقت بلکہ شرط انسانیت ٹھہرائی گئی - سرکاری کاموں کے علاوہ ہمارے گھروں میں گھس آئی اور نہایت تیزی سے ہماری معاشرت پر اثر پذیر ہو رہی ہے - ہم پر انگریزی تعلیم کا بھوت سوار ہے - بلکہ اس حد تک اپنی پیاری زبان سے مغائرت تو درکنار ایک گونہ نفرت پیدا ہوتی جاتی ہے - ایسی حالت میں یہ ایک بڑا کٹھن مسئلہ اور قابل توجہ سوال ہمارے سامنے ہے جس کے لئے چند سال ہوئے ملک کی برگزیدہ ہستیوں نے ایک کانفرنس بھی منعقد کی تھی - یعنی ہندوستان کے نونہال جن کی دماغی ارتقا تعلیم کے ساتھ اس ملک کی آئندہ قسمت وابستہ ہے - کس زبان میں تعلیم حاصل کریں - کیونکہ یہ ایک امر واقع ہے کہ بچوں کو بڑوں کی نسبت ایک نئی چیز کو حاصل کرنے اور ازبر کرنے کی قوت قدرت نے زیادہ مرحمت فرمائی ہے - اور ان کا دماغ اور حافظہ نئی باتوں کو زیادہ سرعت اور آسانی سے جذب کر سکتا ہے - کافی سوچ بچار کے بعد آخر کار یہی طے ہوا کہ تعلیم کی ابتدا اپنی ہی زبان سے ہو - جو لوگ اپنے بچوں کو ابتدا میں انگریزی تعلیم دلانے کے حق میں ہیں وہ یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس تعلیم کی اعلیٰ لیاقت اور کمال پر ان کی زندگی کی کامیابی کا راز نہاں ہے وہ ان کو ابتدا میں پڑھائی جائے - نہ کہ اس وقت جبکہ وہ ضعیف العقل ہو جائیں - یا ان میں نئی چیزوں کو سیکھنے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے - یہ بالکل صحیح اور واجب ہے جب کہ دیگر ہمارے لئے روٹی کمانے - پیٹ بھرنے اور عزت حاصل کرنے کا ذریعہ ہی انگریزی تعلیم ہو - تو پھر اس زبان کی تعلیم ماں کی گود میں شروع ہو تو بہتر ہے - لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دلیل بھی ضرور قابل توجہ اور زیادہ اہم ہے کہ ہر ملک کی زبان ہمیشہ اس ملک کی قدیمی قابل روایات - اس کی تاریخ تہذیب و تمدن کی شاہد ہوا کرتی ہے - اور قوم کا ذخیرہ بھی اس کی زندگی کے لئے رگ جان یا ریڑھ کی ہڈی سے کم اہمیت نہیں رکھتا - ایک مثل مشہور ہے کہ جس قوم کو تباہ کرنا ہو اس سے اس کا قدیمی لٹریچر چھین لو - وہ خود بخود مٹ جائے گی - باایں ہمہ ہر ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج کے لحاظ سے اس ملک کی اپنی ہی زبان ادائے مطلب کا بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے - اور کوئی زبان صدیوں کے رواج کے بعد بھی اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتی - اس وجہ کی بنا پر ملکی زبان کا زندہ اور

رائج رکھنا ازحد ضروری ہے۔ ذرا خیال تو فرمائیے کہ وہ بھی کوئی قوم ہے جس کی اپنی کوئی زبان نہ ہو۔ یا ہو تو وہ بھی کس مپرسی کی حالت میں اُس کے اپنے ہی افراد اس کو بول اور لکھ نہ سکتے ہوں۔ یا اُس پر کسی اجنبی غیر ملکی زبان کو ترجیح دی جاتی۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس قوم کو اپنی زبان ہی سنبھالنے کا سلیقہ نہ ہوگا۔ وہ اپنی قدیم قابلِ فخر روایات سے کیا خاک محبت کر سکتی ہے۔ یا کسی دوسرے کی چیز کو وہ سنبھال سکتی ہے۔ یا اُس کو پائیدار بنا سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ مثال کے طور پر ہنود کا مذہب۔ تہذیب تمدن اور فلسفہ جس کی تمام دنیا معترف ہے۔ اُس کے تمام بیش بہا خزانے "سنسکرت" زبان میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس ہندو کو سنسکرت سے لگاؤ نہیں اُس کو اپنے فلسفہ مذہب و تمدن سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ بعینہ یہی حالت ایک مسلمان کی ہے۔ جو عربی سے بے بہرہ ہو کر قرآن مجید کے بے شمار علمی و اخلاقی خصوصیات سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ قرآن پاک کی سو حمائلیں گلے میں لٹکائے پھرے۔

پس میرا مقصد یہ ہے کہ اپنی ہی زبان کو ابتدائی تعلیم کے لئے مرکزی اہمیت دینی چاہیئے اور جو دوسری تعلیم دی جائے اُس کو بچہ کے معاشرتی و طبعی ماحول اور اُس کے فرقہ سے تعلق رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیئے۔ آجکل کی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق بہت کچھ سُنا جاتا ہے جو کسی حد تک صحیح ہے۔ یعنی تعلیم اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک کہ اُس کے ساتھ کوئی مفید کام اور تربیت نہ ہو۔ اسی بناپر ماہرینِ فن کی رائے مفید ہے کہ تعلیم بغیر تربیت کے کمزور اور ناقص ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ شروع میں اُن کو تعلیم اپنی ہی زبان میں دی جائے۔ بشرطیکہ تربیت بھی ساتھ ہو۔ اس طرح سے بچوں کو اپنی زبان سے اور پھر اس طرح سے اپنے ملک رسم و رواج اور اپنے کلچر سے تعلق اور محبت ہو جائے گی۔ اور اُن میں خودداری کا بھی مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی بھی ایک لازمی مضمون کے طور پر ان کو پڑھائی جائے۔ تاکہ وہ اپنے وقت کی کاروباری اور سرکاری زبان سے بھی کماحقہ واقف ہو جائیں۔ مگر اس کو اپنی زبان کے مقابلہ میں ثانوی اہمیت دی جائے۔

مسودہ محمد اعظم خاں عباسی راولپنڈی

حیدرآباد کی عورتیں

(۱)

اس عنوان کے تحت کئی طرح سے اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے، مگر اس کی صراحت دشواری سے خالی نہیں ہے، جو امور بادی النظر میں عام اور معمولی معلوم ہوتے ہیں ان کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عورتیں اس قدر نازک مزاج ہوتی ہیں کہ اگر کوئی امر ان کے خلاف لکھا جائے تو پھر ان کے ریمارک اور تنقید سے بچنا محال ہوگا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی جنس کے متعلق باتیں سن کر سکوت کرلیں چونکہ وہ قلم ہاتھ میں لیکر میدان میں آچکی ہیں، اس لئے نہایت احتیاط کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

تمام دُنیا میں صرف ہندوستان اور تمام ہندوستان میں صرف حیدرآباد یا قلمروِ آصفی ایسا قطعہ ہے جہاں دُنیا کے چار عظیم الشان تمدنوں کی جھلک ساتھ ساتھ اب تک موجود ہے، قدیم برہمنی تمدن اور بدھی تمدن کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ سلطنت آصفیہ ہے اور اسی طرح اسلامی تمدن اور یورپین تمدن ساتھ ساتھ جلوہ گر ہیں تو وہ یہی سلطنت نظام ہے۔ دُنیا کا کوئی قطعہ ایسا نظر نہیں آئے گا جہاں تمدن کی یہ بوقلمونی موجود ہو۔

حیدرآباد کی عورتوں پر ایک طرف ان کے قومیت اور مذہب کے لحاظ سے اظہار خیال کیا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف ان کو مختلف گروہوں میں تمدن و تہذیب کے لحاظ سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، پھر ان کو کام اور پیشہ کے لحاظ سے بھی منقسم کرسکتے ہیں، ان کی تعلیم اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی اظہار خیال ممکن ہے، بہرحال یہ ایک دلچسپ مضمون ہوسکتا ہے جس میں مختلف نہج پر بحث کیجاسکتی ہے۔

قومیت اور مذہب

حیدرآباد میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کی عورتیں بود و باش کرتی ہیں اور وہ قانون کی رو سے "ملکی" ہوچکی ہیں، قومی تقسیم حسب ذیل ہوسکتی ہے "تلنگی، مرہٹی، کنڑی، مغل، عرب، افغانی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، سندھی، راجپوت، ترکی، انگلش، فرنچ، جرمن، امریکن، مصری، افریقن، چینی، جاپانی۔

مذہبی تقسیم یہ ہوگی:۔ سُنی، شیعہ، عیسائی، یہودی، برہمن، ہریجن، آریہ سماجی، برہمو سماجی، لنگایت، جین، سکھ، پارسی یا زردشتی، بدھی، ان کے علاوہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام علیحدہ ہیں جن میں بنجارہ، پاردی، وڈر، بھیل، گونڈہ وغیرہ شامل ہیں ان کی طویل فہرست ہوسکتی ہے۔ بہرحال قوم اور مذہب کے لحاظ سے شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں ایسی ہمہ گیری پائی جاتی ہوگی، اسی قومیت اور مذہب کے لحاظ سے رسم و رواج، تمدن و تہذیب عادات و اخلاق کا فرض ضروری ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظامی تمدنی یا آصفی تمدن کی بُنیاد پڑچکی ہے، اور ہمارا خاص تمدن یہاں کے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے میں نُمایاں ہوتا جارہا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لباس کی یکسانیت خاص کر حیدرآبادی امتیاز ہے، ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک اور جو لباس استعمال کرتی ہیں اس میں ساڑی اور مختلف قسم کے جمپر یا قمیص شامل ہیں، گو اس میں فرق مراتب کے لحاظ سے قیمت کا تغیر لازمی ہے لیکن طریقہ استعمال اور پہننے کا نہج بالکل ایک ہے۔

حیدرآبادی عورتوں کے متعلق ایک اظہار خیال ان کی حسب ذیل تقسیم کے لحاظ سے ہوسکتا ہے۔

قدیم مشرقی طرز کی بیگم، جدید مغربی طرز کی میم، درمیانی مشرقی اور مغربی طرز کی خاتون، محلات، نرسیں، ملازمین (ماما۔ کھلائی، آیا وغیرہ) تجارت کرنے والی عورتیں (سیہ پوت والی، پارون وغیرہ) محنت کرنے والی عورتیں (ز۔د۔نی وڈر، بنجارہ، چلے والی وغیرہ) انکے

متعلق مختصر صراحت موجبِ دلچسپی ہوگی۔

قدیم مشرقی نہج کی بیگم

اگرچہ اب تعلیم اور مغربی خیالات کے باعث قدیم طرز کی عورتیں کم ہوتی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی تعداد ہنوز کافی پائی جاتی ہے۔ اس قسم کی عورتوں میں چند باتیں مخصوص ہوتی ہیں۔ یا تو وہ علم سے بالکل عاری ہوگی یا پھر کچھ مذہبی تعلیم قرآن وغیرہ سے واقف ہوگی، بعض فارسی اور عربی کی فارغ التحصیل بھی ہونگی مگر ڈیکا کے "اے بی سی" سے بھی وہ واقف نہ ہوگی۔ انگریزی تعلیم کو وہ بمنزل کفر تصور کریگی۔ اس قسم کی عورتیں جدید فیشن سے ناواقف ہوں گی مگر تعویذ، فلیتے، عملیات، رسوم، نذر نیاز کی دلی معتقد اور نہایت خلوص سے ان کو کریں گی، پکوان، سینے پرونے سے کماحقہ واقف ہوں گی۔ خانہ داری کا کام از جز تا کل وہ خود انجام دیںگی۔ شوہر کی اطاعت مذہبی فرض خیال کریںگی اور اس پر عامل ہوں گی۔ سینما، تھیٹر، کلب سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ البتہ عرس یا میلوں میں شرکت کریںگی۔ پاندان زندگی کا لازمہ ہوگا بغیر پاندان وہ گھر سے باہر نہ جائیں گی، پاندان میں نہ صرف پان کے لوازمات ہونگے بلکہ زیور، رقم، سب کچھ اس کی چیزیں اسی پاندان میں ہونگی۔ مغربی اسباب سنگھار سے ناواقف ہونگی مشرقی اسباب سنگھار کی شایق اور دل وجان سے ان کی قدردان ہونگی۔ پردہ میں رہیں گی اور اس کو ضروری تصور کریں گی حتیٰ کہ اپنی آواز بھی نامحرم کو سنانے سے پرہیز کریں گی۔ لباس میں ستر پوشی کا خیال ہوگا۔ اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی لباس سے خالی نہ ہوگا۔ خالی وقت میں چوسر، پچیسی وغیرہ کھیلوں سے دلچسپی ہوگی۔ ڈھولک بھی بجا سکے گی۔ لیکن بعض قدیم طرز کی عورتیں جو مذہبی اعلیٰ تعلیم سے واقف ہیں وہ اس قسم کے کاموں میں دلچسپی نہ لیتی ہونگی۔ بلکہ وہ بزرگان دین کے حالات اور قصص الانبیا وغیرہ کی کتب بینی میں اپنا وقت صرف کرتی ہونگی۔ زیور کی شایق ہوں گی اور وزنی زیور سے ہمیشہ محبت رکھیں گی۔

جدید مغربی طرز کی میم

ہماری جدید خاتون اس کا عکس ہوگی۔ وہ تعلیم یافتہ ہوگی، یہ ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو بلکہ مڈل تک پڑھنا بھی جدید خاتون بننے کے لئے کافی ہے، انگریزی کی چند کتابیں جدید خاتون بنا سکتی ہیں۔ اس کی زندگی کے بھی چند لوازمات ہیں، پکوان سے وہ واقف نہ ہوگی، سینا نہیں آتا ہوگا، البتہ کروشیا یا بن وغیرہ کا کچھ کام جانتی ہوگی۔ قدیم رسوم، نذر نیاز تعویذ پر اعتقاد نہ ہوگا۔ خالی وقت میں رسالوں، ناولوں، جنسی کتابوں دیوانوں وغیرہ کے مطالعہ کا شوق ہوگا۔ گنجفے کے تمام کھیلوں سے واقف ہوگی، عرس میلوں کو نفرت سے دیکھے گی، البتہ سینما، تھیٹر، کلب کی دل سے شایق ہوگی، شوہر کی اطاعت اس پر واجب نہیں، گھر بار سے تعلق نہ ہوگا، وہ ان سب کو ملازموں کا کام تصور کرے گی۔ جدید سے جدید وضع کے لباس کی شایق ہوگی حسن کو نمایاں کرنا اس کی زندگی کا معمول ہوگا۔ پردہ کو نفرت کی نظر سے دیکھے گی، غیر مردوں سے گفتگو ان کی مجلسوں میں نشست اس کو دل سے پسند ہوگا۔ اسبابِ سنگھار کی قدیم چیزوں سے نفرت کرے گی۔ مہندی اور پان سے اس کو کام نہ ہوگا بلکہ وہ لپ اسٹک پوڈر، پینٹ وغیرہ کی قدردان ہوگی۔ اور آمدنی کا بڑا حصہ ان میں صرف ہوگا، جس کے باعث وہ اور اس کا شوہر دونوں قرض دار ہوں گے۔

اگر شادی شدہ ہوگی تو شوہر کے دوستوں سے اگر کنواری ہے تو بھائیوں کے دوستوں سے بے تکلف ہوگی، ہر قسم کا مذاق اور ہر قسم کی گفتگو ان کے ساتھ جائز ہوگی غرضکہ وہ آزاد ہوگی اور آزادی کو پسند کرے گی۔ یورپ کی اندھی تقلید اس کی زندگی کا جزو ہوگا۔

درمیانی طرز کی خاتون

ہماری عورتوں میں ایک اور طرز کی عورتیں بھی ہیں اور ان کی تعداد کافی سے زیادہ ہے یہ درمیانی طرز کی خاتون بھی جا سکتی ہے جو مشرق اور مغرب کی تہذیب سے مرکب ہوتی ہے، اس کو نہ تو قدیم بیگم کہا جا سکتا ہے اور نہ جدید میم صاحبہ کا لقب دیا جا سکتا ہے اس لئے ہم نے درمیانی طرز کی خاتون سے ملقب کیا ہے۔

یہ تعلیم یافتہ ہوگی اور نہ صرف ادنیٰ یا اوسط بلکہ اعلیٰ تعلیم کے بعد بھی علم کی شایق ہوگی۔ اگر ایک طرف انگریزی ادب کی قدردان ہوگی تو دوسری طرف مشرقی علوم کی بھی گرویدہ ہوگی۔ جہاں وہ جدید طرز کے لباس میں ملبوس ہوگی وہیں اس کو ستر پوشی کا خیال بھی ہوگا۔ وہ عریانی اور برہنگی کو پسند نہ کرے گی۔ سلیقہ شعاری، امورِ خانہ داری سے واقف ہوگی، اگر وہ کھانے پکانے سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو کم از کم ضرورت کے موقع پر وہ کچھ نہ کچھ پکانے کا ملکہ رکھتی ہوگی۔ دست کاری میں مہارت ہوگی، سلائی کے ساتھ کروشیا وغیرہ میں بھی دخل ہوگا۔ مطالعہ سے بھی رغبت ہوگی، سینما، تھیٹر اور کلب سے پرہیز ہوگا۔ لیکن ان کی شایق بھی نہ ہوگی۔ یورپین اسبابِ سنگھار کے ساتھ مشرقی اسبابِ سنگھار کی بھی شایق ہوگی۔ اگر وہ پوڈر استعمال کرے تو مہندی سے بھی عار نہ ہوگا۔

شوہر کی اطاعت مذہبی جز تصور نہ کرے گی مگر تہذیب و آئین کے لحاظ سے ادب ضرور کرے گی۔ بچوں کو بالکل انا اور آیا کے سپرد نہ کرے گی۔ شوہر کے دوستوں سے پردہ نہ ہوگا۔ مگر ان کے ساتھ شوہر کے بغیر سیر و تفریح کو کبھی نہ جائے گی۔ غرض وہ گھر کی بیگم بننا پسند کرے گی، چراغِ خانہ بننا مرغوب ہوگا۔ شمعِ محفل نہ ہوگی۔

سرکاری ملازم عورتیں

اس عنوان کے تحت ہم "معلمات" ڈاکٹر اور نرس کا تعارف کرا سکتے ہیں، کیونکہ حیدرآباد کی سرکاری ملازمت میں بھی عورتیں داخل ہیں۔

معلمات

حیدرآباد اور قلمرو نظام میں کئی سو مدرسے ہیں۔ ان کی معلمات کی تعداد بھی کئی سو تک پہونچتی ہے، ان میں ہر مذہب و ملت کی عورتیں مامور ہیں مسلمان ہندو برہمن غیر برہمن آریہ، عیسائی، پارسی، یہودی غرض مختلف مذہبوں کی عورتیں معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے معلمات کا بڑا کال تھا۔ اور شریف گھرانے کی عورتیں میسر نہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ مہتمم تعلیمات نے اپنی رپورٹ میں تعلیم نسواں کے متعلق جو صراحت کی ہے اس میں حسب ذیل فقرات بھی شامل ہیں۔

"مدارس کی بدانتظامی کی وجہ سے تعلیم نسواں کے اغراض اور اس کے نظم و نسق کے متعلق لوگوں پر غلط اثرات قائم ہوتے تھے، اسی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے لوگ اپنی اولاد کو مدارس میں روانہ کرنے پر مائل نہیں تھے۔ ان مدارس کی استانیاں ایسی تھیں جن کو اردو بھی درست نہ آتی تھی، بلکہ شدبد سے واقف ہوتی تھیں عربی و فارسی سے اتنی واقف ہوتیں کہ قرآن پڑھ لیتیں معمولی حساب سے بھی واقف نہ ہوتی تھیں، ان کے خاندان بھی اچھے نہیں ہوتے تھے"۔

اس صراحت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کی معلمات میں سب سے بڑے دو نقص تھے، اول تو یہ کہ ان کی کچھ قابلیت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ کہ وہ شریف گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی تھیں، یہ دونوں نقص اب دور ہو چکے ہیں۔ اب استانیوں کا کال نہیں ہے۔ اور قابل سے قابل معلمات بدست ہوتی ہیں وہ نہ صرف مڈل یا میٹرک کامیاب ہیں بلکہ کالج کی ڈگریاں رکھنے والی معلمات بھی اب بیسیوں موجود ہیں۔ بعضوں نے تو یورپ کی بھی تعلیم پائی ہے، اسی طرح اب شریف اور اعلیٰ طبقہ کی خواتین معلمہ کے فرائض انجام دینے کے لئے بدست ہوتی ہیں، ایسی خواتین بھی اس وقت معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں جن کے شوہروں کی ماہوار آمدنی بھی خاصی ہے۔ بہرحال آج سے پچیس تیس سال پہلے جو نقص تھا اب وہ رفع ہو چکا ہے۔

معلمات کی دو قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں، ایک تو وہ جو انگریزی سے بالکل ناواقف ہیں، اور دوسری وہ ہیں جو انگریزی بھی جانتی ہیں، معلمات کے متعلق عام طور سے جو امر لوگوں کے ذہن نشین ہے وہ یہ ہے کہ معلمات فیشن کی دلدادہ ہوتی ہیں انگریزی تہذیب اور فیشن کا ان پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، جس طرح عام پبلک میں دونوں قسم کی عورتیں موجود ہیں اسی طرح معلمات کا بھی حال ہے۔ اگر ان میں سے کچھ فیشن کی دلدادہ اور انگریزی تہذیب کی شیدا ہیں تو بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو سادگی پسند اور

مشرقی تہذیب پر عامل ہیں، بلکہ دارس میں عام طور سے سادگی پر عامل ہونے کے احکام دیئے جاتے ہیں، میرے خیال میں معلمہ ہونیکے بعد جو بات دوسری عورتوں سے ممیز ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ معلمات مردوں سے گفتگو کرنے میں نہیں شرماتیں کیونکہ ان کو اپنی ملازمت کے باعث اکثر و بیشتر مردوں سے سابقہ پڑتا ہے، البتہ بعض معلمات ضرورت سے زیادہ آزاد ہوجاتی ہیں۔

معلمات کے بعد ڈاکٹرنیوں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے "ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی اب یہاں زیادہ ہوتی جارہی ہے ان میں بھی مسلمان، برہمن عیسائی، پارسی عورتیں شامل ہیں۔ ان میں بعض انگلستان کی کامیاب شدہ ڈاکٹرنیاں بھی ہیں، معلمات میں بڑا حصہ ہنوز پردہ کرتا ہے۔ لیکن ڈاکٹرنیوں کے لئے یہ امر ناممکن ہے، اگرچہ اب حیدرآباد میں ڈاکٹری کی تعلیم اُردو میں ہوتی ہے۔ اور دو لڑکیاں کامیاب ہوکر زمرہ ملازمت میں شامل ہیں اور چند لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں مگر ہنوز اس کی جانب عورتوں کی توجہ بہت کم ہے، چونکہ یہاں تعلیم کے لئے سب سے پہلے پردہ سے باہر ہونے کی ضرورت ہے اس لئے ہنوز عام طور سے ڈاکٹری کی تعلیم کا شوق کم ہے، توقع ہے کہ چند سال کے بعد ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی کافی ہوجائے گی۔

سرکاری ملازمت کی تیسری شق "نرس" ہے جو زنانہ اور مردانہ دواخانوں میں مامور ہیں، ایک زمانہ تھا کہ بنگلور وغیرہ کی اینگلو انڈین وغیرہ نرسوں کی تعداد یہاں کافی تھی، مگر اس خدمت کے لئے اب "ملکی" کی قید لگادی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ ہنوز متوسط طبقہ اس کی جانب متوجہ نہیں ہے، اس لئے نرسوں کے متعلق شکایتیں سُنی جاتی ہیں۔

نرسوں میں سب سے زیادہ حصہ ان عورتوں کا ہے جو نیچ طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور عیسائی مذہب قبول کرلیتی ہیں، بعض اینگلو انڈین اور کچھ ہندو نرسیں بھی ہیں، مسلمان نرسیں نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ ان کی تعداد ایک دو سے زیادہ نہیں ہے۔

اس موقع پر ایک مسلم نرس کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ مس زبیدہ بیگم کے والد تحصیلدار تھے، ان کے انتقال کے بعد جب کوئی خبرگیری کرنے والا نہیں رہا تو زبیدہ بیگم نے زنانہ دواخانہ میں نرس کی خدمت کو قبول کیا بیس روپیہ ماہوار ملنے لگے اس کے بعد نرس کے امتحانوں میں اپنے ساتھ والی دوسری نرسوں سے سبقت لیتی اور ممتاز ہوتی رہیں اور ساٹھ روپے تک ترقی کی اس کے بعد جو کچھ اُنہوں نے پس انداز کیا تھا اس سے انگلستان گئیں اور وہاں نرسنگ کا امتحان دیا۔ یورپین نرسوں سے بازی لے گئیں اور اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی ہنوز واپسی نہیں ہوئی تھی کہ جنگ شروع ہوگئی۔ نہیں معلوم وہ اب کہاں ہیں، زبیدہ بیگم ملازمت کے زمانہ میں پردہ میں رہا کرتی تھیں اور صوم و صلواۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ بہرحال مسلمان نرسوں کی قلت ہے۔

حیدرآباد میں نرس نہ صرف سرکاری انگریزی دواخانوں میں مامور ہیں بلکہ یونانی صدر دواخانہ میں بھی نرس مقرر ہیں نرسوں کے متعلق ہر قسم کی آزادی کا شہرہ ہے۔

صفحات بالا میں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ اس کے بعد ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں تجارت کرنے والیوں محنت کرنے والیوں، ملازمت کرنے والیوں، پیشہ کرنے والیوں وغیرہ کی صراحت کیجائیگی۔

(باقی آئندہ)

نصیرالدین ہاشمی

آدمیوں نے بھی بہت شور مچایا مگر سب بے سود۔ ہلانے بچہ نہ چھوڑا۔ اسی کھینچا تانی میں کشتی رک گئی۔ کبھی اِدھر گھوم جاتی اور کبھی اُدھر۔ ملّاحوں نے چپّو چلانے چھوڑ دئے تھے۔ اب صورتِ حال بہت نازک ہو گئی تھی۔ اصل مصیبت یہ تھی کہ اگر دوسرے آدمی بھی عورت کی مدد کرتے تو کشتی کے فوراً اسی طرف اُلٹ جانے کا خطرہ تھا خطرہ ہی نہیں بلکہ یقیناً اُلٹ جاتی اس جانب کے ملتظر جو آدمی عورت کے نزدیک تھے وہ بھی کشتی کی دوسری جانب ہٹ گئے تاکہ وزن دونوں طرف برابر رہے۔

سب ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ "اب تو صرف دو ہی صورتیں ہیں"۔ ایک بوڑھے ملّاح نے مایوسی سے کہا "لڑکے کو بچانے کی کوشش میں تمام کشتی غرق ہو جائے یا بچے کو مگرمچھ کے ۔ ۔ ۔ ۔ قبضہ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چھوڑ دیا جائے"۔

ماں' زور لگاتے لگاتے بالکل تھک گئی تھی اور بجائے بچے کو اُوپر کھینچنے کے خود ہی پانی کے اُوپر جھکی جا رہی تھی ملاح کے ان الفاظ پر اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "آہ! کیسے چھوڑ دوں"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر وہ زور سے چلّائی "میرے لال"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ساتھ ہی پانی میں ایک زور کی آواز آئی اور بیٹے کے ساتھ ماں بھی نظروں سے اُوجھل تھی۔ پانی میں ایک گہرا بھنور پیدا ہوا۔ کشتی ایک جھٹکے کے ساتھ اُوپر اٹھی۔ پانی کی سطح ہموار ہو گئی۔ کشتی تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ہلنے کے بعد اپنی اصلی حالت پر آگئی اور ملاحوں نے چپو چلانے شروع کر دئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کشتی تو آہستہ آہستہ پھر چلنے لگی مگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب اس کے بائیں کنارے پر ایک نشست خالی نظر آتی تھی اور لوگ چُپ چاپ بُت بنے بیٹھے تھے۔

ابن فیض' بی اے فیروزپور

صفحہ ۳۲۸ کا بقیہ

نتیجہ عام حالتوں میں ایک مرد کی ایک ہی عورت سے شادی ہر طرح موزوں اور مناسب ہے۔ لیکن سوسائٹی کی خاص خاص ضرورتوں کے لئے متعدد ازواج کا جواز بیحد ضروری ہے۔ عورت کو یہ حق خلع و طلاق کے ذریعہ دیا جانا چاہئے تاکہ وہ ناکارہ اور غیر موزوں مرد سے نجات پا کر کسی دوسرے سے شادی کر سکے۔ متعدد ازواج کے جواز سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے رہی حیوانیت کو انسانیت کا جامہ پہنانے اور دوسروں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کی فضول کوشش کرتے ہیں لیکن سوسائٹی کی مجبوریاں اور ضرورتوں کا خیال نہ کر کے ایک وقت میں ایک ہی عورت کا قانون بنانے والے اور عورت کے حق خلع و طلاق کے مخالف اور مطلقہ اور بیوہ کی دوسری شادی کو ناجائز سمجھنے والے فطرت سے جنگ اور سوسائٹی کی ضروریات سے ناواقفیت ہی کا اعلان نہیں کرتے بلکہ سوسائٹی میں بدچلنی اور بداخلاقی کے بیج بوتے اور اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دیتے ہیں۔ شادی کے معاملات پر ابتدائے آفرینش سے آج تک کا علم و تجربہ صاف صاف بتاتا ہے کہ شادی کے متعلق اسلام کے اصول اور قوانین دنیا میں تمام اصول اور قوانین سے بہتر و افضل ہیں اور دنیا کی ہر قوم رفتہ رفتہ ان ہی قوانین کی طرف بڑھ رہی ہے۔ حیرت ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے سوسائٹی کے ان پیچیدہ مسائل پر عرب کے ایک اُمّی نے ایسے قوانین بنا دئے کہ جن کا آج تک دُنیا میں جواب نہیں ہے۔

(کپتان ڈاکٹر) نصیر الدین احمد

مادری زبان کی اہمیت

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ اس کی قدرتی سرسبزی و شادابی بہت سے ملکوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کا شکار رہتا رہا۔ گذشتہ زمانے میں جب بیرونی قومیں ہندوستان پر فتح مند ہوئیں تو یہاں کے اصلی باشندوں کو محکوم بنایا اور خود یہاں آکر بود و باش شروع کر دی۔ اپنا رسم و رواج تہذیب اور زبان ساتھ لائے جس کو یہاں کے باشندوں نے مجبوراً قبول کیا۔ اور اسی طرح اس بدقسمت ملک میں ہمیشہ بیرونی تمدن اور زبان کا دَور دَورہ رہا۔ اور اس کی اپنی زبان اور کلچر ہمیشہ خستہ حال ہی رہا۔ مثلاً مسلمان بادشاہوں کے حملوں سے پہلے یہاں "بھاشا" اور "سنسکرت" زبانیں رائج تھیں۔ مسلمانوں کی سلطنت کے شروع ہوتے ہی فارسی نے اپنا تسلط جمانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ بھاشا اور سنسکرت پر پوری طرح غالب آگئی۔ فارسی پڑھنا لکھنا شرط لیاقت قرار پایا۔ ہر سرکاری کام کے لئے اوّل شرط فارسی کی لیاقت ٹھہری۔ مگر افسوس کہ اتنی وسیع زبان بہت عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ جس طرح فارسی نے "بھاشا" اور "سنسکرت" کی گت بنائی اسی طرح آج انگریزی زبان کے ہاتھوں ہماری قومی سلیس اور شائستہ زبان کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ آج انگریزی زبان نہ صرف شرط لیاقت بلکہ شرط انسانیت ٹھہرائی گئی۔ سرکاری کاموں کے علاوہ ہمارے گھروں میں گھس آئی اور نہایت تیزی سے ہماری معاشرت پر اثر پذیر ہو رہی ہے۔ ہم پر انگریزی تعلیم کا بھوت سوار ہے۔ بلکہ اس حد تک اپنی پیاری زبان سے موانست تو درکنار ایک گونہ نفرت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ ایک بڑا کٹھن معمہ اور قابل توجہ سوال ہمارے سامنے ہے جس کے لئے چند سال ہوئے ملک کی برگزیدہ ہستیوں نے ایک کانفرنس بھی منعقد کی تھی۔ یعنی ہندوستان کے نونہال جن کی دماغی ارتقا تعلیم کے ساتھ اس ملک کی آیندہ قسمت وابستہ ہے۔ کس زبان میں تعلیم حاصل کریں۔ کیونکہ یہ ایک امر واقع ہے کہ بچوں کو بڑوں کی نسبت ایک نئی چیز کو حاصل کرنے اور ازبر کرنے کی قوت قدرت نے زیادہ مرحمت فرمائی ہے۔ اور ان کا دماغ اور حافظہ نئی باتوں کو زیادہ سرعت اور آسانی سے جذب کر سکتا ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد آخر کار یہی طے ہوا کہ تعلیم کی ابتدا اپنی ہی زبان سے ہو۔ جو لوگ اپنے بچوں کو ابتدا میں انگریزی تعلیم دلانے کے حق میں ہیں وہ یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس تعلیم کی اعلیٰ لیاقت اور کمال پر ان کی زندگی کی کامیابی کا راز پنہاں ہے وہ ان کو ابتدا میں پڑھائی جائے۔ نہ کہ اس وقت جبکہ وہ ضعیف العقل ہو جائیں۔ یا اُن میں نئی چیزوں کو سیکھنے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے۔ یہ بالکل صحیح اور واجب ہے جب کہ دیگر ہمارے لئے روٹی کمانے۔ پیٹ بھرنے اور عزت حاصل کرنے کا ذریعہ ہی انگریزی تعلیم ہو۔ تو پھر اس زبان کی تعلیم ماں کی گود میں شروع ہو تو بہتر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دلیل بھی ضرور قابل توجہ اور زیادہ اہم ہے کہ ہر ملک کی زبان ہمیشہ اُس ملک کی قدیمی قابل روایات۔ اُس کی تاریخ تہذیب و تمدن کی شاہد ہوا کرتی ہے۔ اور قوم کا ذخیرہ بھی اُس کی زندگی کے لئے رگ جان یا ریڑھ کی ہڈی سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ ایک مثل مشہور ہے کہ جس قوم کو تباہ کرنا ہو اُس سے اُس کا قدیمی لٹریچر چھین لو۔ وہ خود بخود مٹ جائے گی۔ بایں ہمہ ہر ملک کی آب و ہوا اور رسم و رواج کے لحاظ سے اُس ملک کی اپنی ہی زبان ادائے مطلب کا بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور کوئی زبان صدیوں کے رواج کے بعد بھی اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ ان وجوہ کی بنا پر ملکی زبان کا زندہ اور

رائج رکھنا ازحد ضروری ہے۔ ذرا خیال تو فرمائیے کہ وہ بھی کوئی قوم ہے جس کی اپنی کوئی زبان نہ ہو۔ یا ہو تو وہ بھی کس مپرسی کی حالت میں اُس کے اپنے ہی افراد اس کو بول اور لکھ نہ سکتے ہوں۔ یا اُس پر کسی اور غیر ملکی زبان کو ترجیح دی جائے۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس قوم کو اپنی زبان ہی سنبھالنے کا سلیقہ نہ ہوگا۔ وہ اپنی قدیم قابلِ فخر روایات سے کیا خاک محبت کر سکتی ہے۔ یا کسی دوسرے کی چیز کو وہ سنبھال سکتی ہے۔ یا اُس کو پائیدار بنا سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ مثال کے طور پر ہندو مذہب۔ تہذیب تمدن اور فلسفہ جس کی تمام دنیا معترف ہے۔ اُس کے تمام بیش بہا خزانے "سنسکرت" زبان میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس ہندو کو سنسکرت سے لگاؤ نہیں اُس کو اپنے فلسفہ مذہب و تمدن سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت ایک مسلمان کی ہے۔ جو عربی سے بے بہرہ ہو کر قرآن مجید کے بے شمار علمی و اخلاقی خصوصیات سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ قرآن پاک کی سو حمائلیں گلے میں لٹکائے پھرے۔

پس میرا مقصد یہ ہے کہ اپنی ہی زبان کو ابتدائی تعلیم کے لئے مرکزی اہمیت دینی چاہیئے اور جو دوسری تعلیم دی جائے اُس کو بچہ کے معاشرتی و طبعی ماحول اور اُس کے فرقہ سے تعلق رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیئے۔ آجکل کی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق بہت کچھ سُنا جاتا ہے جو کسی حد تک صحیح ہے۔ یعنی تعلیم اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک کہ اُس کے ساتھ کوئی مفید کام اور تربیت نہ ہو۔ اسی بنا پر ماہرینِ فن کی رائے مفید ہے کہ تعلیم بغیر تربیت کے کمزور اور ناقص ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ شروع میں اُن کو تعلیم اپنی ہی زبان میں دی جائے۔ بشرطیکہ تربیت بھی ساتھ ہو۔ اس طرح سے بچوں کو اپنی زبان سے اور پھر اس طرح سے اپنے ملک رسم و رواج اور اپنے کلچر سے تعلق اور محبت ہو جائے گی۔ اور اُن میں خودداری کا بھی مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی بھی ایک لازمی مضمون کے طور پر ان کو پڑھائی جائے۔ تاکہ وہ اپنے وقت کی کاروباری اور سرکاری زبان سے بھی کماحقہ واقف ہو جائیں۔ مگر اس کو اپنی زبان کے مقابلہ میں ثانوی اہمیت دی جائے۔

مسودہ محمد اعظم خاں عباسی راولپنڈی

حیدر آباد کی عورتیں

(۱)

اس عنوان کے تحت کئی طرح سے اظہار خیال کیا جاسکتا ہے، مگر اس کی صراحت دشواری سے خالی نہیں ہے، جو امور بادی النظر میں عام اور معمولی معلوم ہوتے ہیں ان کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عورتیں اس قدر نازک مزاج ہوتی ہیں کہ اگر کوئی امر ان کے خلاف لکھا جائے تو پھر ان کے ریمارک اور تنقید سے بچنا محال ہوگا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی جنس کے متعلق باتیں سُن کر سکوت کرلیں چونکہ وہ قلم ہاتھ میں لیکر میدان میں آچکی ہیں، اس لئے نہایت احتیاط کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

تمام دُنیا میں صرف ہندوستان اور تمام ہندوستان میں صرف حیدر آباد یا قلمرو آصفی ایسا قطعہ ہے جہاں دُنیا کے چار عظیم الشان تمدنوں کی جھلک ساتھ ساتھ اب تک موجود ہے، قدیم برہمنی تمدن اور بدھی تمدن کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ سلطنت آصفیہ ہے اور اسی طرح اسلامی تمدن اور یورپین تمدن ساتھ ساتھ جلوہ گر ہیں تو وہ یہی سلطنت نظام ہے۔ دُنیا کا کوئی قطعہ ایسا نظر نہیں آئے گا جہاں تمدن کی یہ بوقلمونی موجود ہو۔

حیدر آباد کی عورتوں پر ایک طرف ان کے قومیت اور مذہب کے لحاظ سے اظہار خیال کیا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف ان کو مختلف گروہوں میں تمدن و تہذیب کے لحاظ سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، پھر ان کو کام اور پیشہ کے لحاظ سے بھی منقسم کرسکتے ہیں، ان کی تعلیم اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی اظہار خیال ممکن ہے، بہرحال یہ ایک دلچسپ مضمون ہوسکتا ہے جس میں مختلف نہج پر بحث کیجا سکتی ہے۔

قومیت اور مذہب حیدر آباد میں مختلف قوم اور مختلف مذہب کی عورتیں بود و باش کرتی ہیں اور وہ قانون کی رو سے "ملکی" ہوچکی ہیں، قومی تقسیم حسب ذیل ہوسکتی ہے "تلنگی، مرہٹی، کنڑی، مغل، عرب، افغانی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، سندھی، راجپوت، ترکی، انگلش، فرنچ، جرمن، امریکن، مصری، افریقن، چینی، جاپانی۔

مذہبی تقسیم یہ ہوگی :۔ سُنی، شیعہ، عیسائی، یہودی، برہمن، ہریجن، آریہ سماجی، برہمو سماجی، لنگایت، جین، سکھ، پارسی یا زردشتی، بدھی، ان کے علاوہ وہ وحشی اور جنگلی اقوام علیحدہ ہیں جن میں بنجارہ، پاردی، وڈر، بھیل، گونڈہ وغیرہ شامل ہیں، ان کی طویل فہرست ہوسکتی ہے۔ بہرحال قوم اور مذہب کے لحاظ سے شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں ایسی ہمہ گیری پائی جاتی ہوگی، اسی قومیت اور مذہب کے لحاظ سے رسم و رواج، تمدن و تہذیب عادات و اخلاق کا فرق ضروری ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظامی تمدنی یا آصفی تمدن کی بُنیاد پڑ چکی ہے، اور ہمارا خالص تمدن یہاں کے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے میں نُمایاں ہوتا جارہا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لباس کی یکسانیت خاص کر حیدر آبادی امتیاز ہے، ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک اور جو لباس استعمال کرتی ہیں اس میں ساڑی اور مختلف قسم کے جمپر یا قمیص شامل ہیں، گو اس میں فرق مراتب کے لحاظ سے قیمت کا تغیر لازمی ہے لیکن طریقہ استعمال اور پہننے کا نہج بالکل ایک ہے۔

حیدر آبادی عورتوں کے متعلق ایک اظہار خیال ان کی حسب ذیل تقسیم کے لحاظ سے ہوسکتا ہے ۔

قدیم مشرقی طرز کی بیگم، جدید مغربی طرز کی میم، درمیانی مشرقی اور مغربی طرز کی خاتون، معلمات، نرسیں، ملازمین (ماما۔ کماتن، یا وغیرہ) تجارت کرنے والی عورتیں (میوہ بیچنے والی، پاردن وغیرہ) محنت کرنے والی عورتیں ر۔د۔فی وڈر بنجارہ، بیلے دالی وغیرہ) ایکے

متعلق مختصر صراحت موجب دلچسپی ہوگی۔

قدیم مشرقی نہج کی بیگم

اگرچہ اب تعلیم اور مغربی خیالات کے باعث قدیم طرز کی عورتیں کم ہوتی جارہی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی تعداد ہنوز کافی پائی جاتی ہے۔ اس قسم کی عورتوں میں چند باتیں مخصوص ہوتی ہیں۔ یا تو وہ علم سے بالکل عاری ہوگی یا پھر کچھ مذہبی تعلیم قرآن وغیرہ سے واقف ہوگی، بعض فارسی اور عربی کی فارغ التحصیل بھی ہونگی مگر یہ کہ "اے بی سی" سے بھی وہ واقف نہ ہونگی۔ انگریزی تعلیم کو وہ بمنزل کفر تصور کرینگی۔ اس قسم کی عورتیں جدید فیشن سے ناواقف ہوں گی مگر تعویذ، فلیتے، عملیات، رسوم، نذر نیاز کی دل معتقد اور نہایت خلوص سے ان کو کریں گی، پکوان، سینے پرونے سے کماحقہ واقف ہوں گی۔ خانہ داری کا کام از جز تا کل وہ خود انجام دینگی۔ شوہر کی اطاعت مذہبی فرض خیال کرینگی اور اس پر عامل ہوں گی۔ سینما، تھیٹر، کلب سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔ البتہ عرس یا میلوں میں شرکت کرینگی۔ پاندان زندگی کا لازمہ ہوگا بغیر پاندان وہ گھر سے باہر نہ جائیں گی، پاندان میں صرف پان کے لوازمات ہونگے بلکہ زیور، رقم، سب کچھ اس کی چیزیں اسی پاندان میں ہونگی۔ مغربی اسباب سنگھار سے ناواقف ہوگی مشرقی اسباب سنگھار کی شائق اور دل وجان سے ان کی قدردان ہوگی۔ پردہ میں رہیں گی اور اس کو ضروری تصور کریں گی حتیٰ کہ اپنی آواز بھی نامحرم کو سنانے سے پرہیز کریں گی۔ لباس میں ستر پوشی کا خیال ہوگا۔ اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی لباس سے خالی نہ ہوگا۔ خالی وقت میں چوسر، پچیسی وغیرہ کھیلوں سے دلچسپی ہوگی۔ ڈھولک بھی بجا سکے گی۔ لیکن بعض قدیم طرز کی عورتیں جو مذہبی اعلیٰ تعلیم سے واقف ہیں وہ اس قسم کے کاموں میں دلچسپی نہ لیتی ہونگی۔ بلکہ وہ بزرگان دین کے حالات اور قصص الانبیا وغیرہ کی کتب بینی میں اپنا وقت صرف کرتی ہونگی۔ زیور کی شائق ہوں گی اور وزنی زیور سے ہمیشہ محبت رکھیں گی۔

جدید مغربی طرز کی میم

ہماری جدید خاتون اس کا عکس ہوگی۔ وہ تعلیم یافتہ ہوگی، یہ ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو بلکہ مڈل تک پڑھنا بھی جدید خاتون بننے کے لئے کافی ہے، انگریزی کی چند کتابیں جدید خاتون بنا سکتی ہیں۔ اس کی زندگی کے بھی چند لوازمات ہیں، پکوان سے وہ واقف نہ ہوگی، سینا نہیں آتا ہوگا، البتہ کروشیا یا رین وغیرہ کا کچھ کام جانتی ہوگی۔ قدیم رسوم، نذر نیاز، تحویذ پر اعتقاد نہ ہوگا۔ خالی وقت میں رسالوں، ناولوں، جنسی کتابوں، دیوانوں وغیرہ کے مطالعہ کا شوق ہوگا۔ کھیلنے کے تمام کھیلوں سے واقف ہوگی، عرس میلوں کو نفرت سے دیکھے گی، البتہ سینما، تھیٹر، کلب کی دل سے شائق ہوگی، شوہر کی اطاعت اس پر واجب نہیں، گھر بار سے تعلق نہ ہوگا، وہ ان سب کو ملازموں کا کام تصور کرے گی۔ جدید سے جدید وضع کے لباس کی شائق ہوگی، حسن کو نمایاں کرنا اس کی زندگی کا معمول ہوگا۔ پردہ کو نفرت کی نظر سے دیکھے گی، غیر مردوں سے گفتگو ان کی مجلسوں میں نشست اس کو دل سے پسند ہوگا۔ اسباب سنگھار کی قدیم چیزوں سے نفرت کرے گی۔ مہندی اور پان سے اس کو کام نہ ہوگا بلکہ وہ لپ اسٹک، پوڈر، پینٹ وغیرہ کی قدردان ہوگی۔ اور آمدنی کا بڑا حصہ ان میں صرف ہوگا، جس کے باعث وہ اور اس کا شوہر دونوں قرض دار ہوں گے۔

اگر شادی شدہ ہوگی تو شوہر کے دوستوں سے اگر کنواری ہے تو بھائیوں کے دوستوں سے بے تکلف ہوگی، ہر قسم کا مذاق اور ہر قسم کی گفتگو ان کے ساتھ جائز ہوگی غرضکہ وہ آزاد ہوگی اور آزادی کو پسند کرے گی۔ یورپ کی اندھی تقلید اس کی زندگی کا جزو ہوگا۔

درمیانی طرز کی خاتون

ہماری عورتوں میں ایک اور طرز کی عورتیں بھی ہیں اور ان کی تعداد کافی سے زیادہ ہے، یہ درمیانی طرز کی خاتون کہی جاسکتی ہے جو مشرق اور مغرب کی تہذیب سے مرکب ہوتی ہے، اس کو نہ تو قدیم بیگم کہا جاسکتا ہے اور نہ جدید میم صاحبہ کا لقب دیا جاسکتا ہے اس لئے ہم نے درمیانی طرز کی خاتون سے ملقب کیا ہے۔

یہ تعلیم یافتہ ہوگی اور نہ صرف ادنیٰ یا اوسط بلکہ اعلیٰ تعلیم کے بعد بھی علم کی شایق ہوگی - اگر ایک طرف انگریزی ادب کی قدردان ہوگی تو دوسری طرف مشرقی علوم کی بھی گرویدہ ہوگی - جہاں وہ جدید طرز کے لباس میں ملبوس ہوگی وہیں اس کو ستر پوشی کا خیال بھی ہوگا - وہ عریانی اور برہنگی کو پسند نہ کرے گی - سلیقہ شعاری، اُمور خانہ داری سے واقف ہوگی، اگر وہ کھانے پکانے سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو کم از کم ضرورت کے موقع پر وہ کچھ نہ کچھ پکانے کا ملکہ رکھتی ہوگی - دست کاری میں مہارت ہوگی، سلائی کے ساتھ کروشیا وغیرہ میں بھی دخل ہوگا - مطالعہ سے بھی رغبت ہوگی، سینما، تھیٹر اور کلب سے پرہیز ہوگا - لیکن ان کی شایق بھی نہ ہوگی - یورپین اسباب سنگھار کے ساتھ مشرقی اسباب سنگھار کی بھی شایق ہوگی - اگر وہ پوڈر استعمال کرے تو مہندی سے بھی عار نہ ہوگا -

شوہر کی اطاعت مذہبی جز تصور نہ کرے گی مگر تہذیب و آئین کے لحاظ سے ادب ضرور کرے گی - بچوں کو بالکل انّا اور آیا کے سپرد نہ کرے گی - شوہر کے دوستوں سے پردہ نہ ہوگا - مگر ان کے ساتھ شوہر کے بغیر سیر و تفریح کو بھی نہ جائے گی - غرض وہ گھر کی بیگم بننا پسند کرے گی، چراغ خانہ بننا مرغوب ہوگا - شمع محفل نہ ہوگی -

سرکاری ملازم عورتیں

اس عنوان کے تحت ہم معلمات، ڈاکٹر اور نرس کا تعارف کرا سکتے ہیں، کیونکہ حیدرآباد کی سرکاری ملازمت میں بھی عورتیں داخل ہیں -

معلمات

حیدرآباد اور قلمرو نظام میں کئی سو مدرسے ہیں - ان کی معلمات کی تعداد بھی کئی سو تک پہونچتی ہے، ان میں ہر مذہب و ملت کی عورتیں مامور ہیں - مسلمان، ہندو (برہمن، غیر برہمن، آریہ) عیسائی، پارسی، یہودی غرض مختلف مذہبوں کی عورتیں معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں - آج سے پچیس تیس سال پہلے معلمات کا بڑا کال تھا - اور شریف گھرانے کی عورتیں میسر نہ ہوتی تھیں - چنانچہ معتمد صاحب تعلیمات نے اپنی رپورٹ میں تعلیم نسواں کے متعلق جو صراحت کی ہے اس میں حسب ذیل فقرات بھی شامل ہیں -

"مدارس کی بد انتظامی کی وجہ سے تعلیم نسواں کے اغراض اور اس کے نظم و نسق کے متعلق لوگوں پر غلط اثرات قائم ہوتے تھے، اسی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے لوگ اپنی اولاد کو مدارس میں روانہ کرنے پر مائل نہیں تھے - ان مدارس کی استانیاں ایسی تھیں جن کو اُردو بھی درست نہ آتی تھی، بلکہ شد بد سے واقف ہوتی تھیں، عربی و فارسی سے اتنی واقف ہوتیں کہ قرآن پڑھ لیتیں معمولی حساب سے بھی واقف نہ ہوتی تھیں، ان کے خاندان بھی اچھے نہیں ہوتے تھے "

اس صراحت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اُس وقت کی معلمات میں سب سے بڑے دو نقص تھے، اوّل تو یہ کہ ان کی کچھ قابلیت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ کہ وہ شریف گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی تھیں، یہ دونوں نقص اب دُور ہو چکے ہیں - اب استانیوں کا کال نہیں ہے - اور قابل سے قابل معلمات دستیاب ہوتی ہیں، وہ نہ صرف مڈل یا میٹرک کامیاب ہیں بلکہ کالج کی ڈگریاں رکھنے والی معلمات بھی اب بیسیوں موجود ہیں - بعضوں نے تو یورپ کی بھی تعلیم پائی ہے، اسی طرح اب شریف اور اعلیٰ طبقہ کی خواتین معلمہ کے فرائض انجام دینے کے لئے دستیاب ہوتی ہیں، ایسی خواتین بھی اس وقت معلمہ کے فرائض انجام دیتی ہیں جن کے شوہروں کی ماہوار آمدنی بھی خاصی ہے، بہر حال آج سے پچیس تیس سال پہلے جو نقص تھا اب وہ رفع ہو چکا ہے -

معلمات کی دو قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں، ایک تو وہ جو انگریزی سے بالکل ناواقف ہیں، اور دوسری وہ ہیں جو انگریزی بھی جانتی ہیں، معلمات کے متعلق عام طور سے جو عام لوگوں کے ذہن نشیں ہے وہ یہ ہے کہ معلمات فیشن کی دلدادہ ہوتی ہیں، انگریزی تہذیب اور فیشن کا ان پر زیادہ اثر ہوتا ہے - لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے جس طرح عام پبلک میں دونوں قسم کی عورتیں موجود ہیں اسی طرح معلمات کا بھی حال ہے - اگر ان میں سے کچھ فیشن کی دلدادہ اور انگریزی تہذیب کی شیدا ہیں تو بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو سادگی پسند اور

مشرقی تہذیب پر عامل ہیں) بلکہ مدارس میں عام طور سے سادگی پر عامل ہونے کے احکام دیئے جاتے ہیں، میرے خیال میں معلمہ ہونیکے بعد جو بات دوسری عورتوں سے ممیز ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ معلمات مردوں سے گفتگو کرنے میں نہیں شرماتیں کیونکہ ان کو اپنی ملازمت کے باعث اکثر وبیشتر مردوں سے سابقہ پڑتا ہے، البتہ بعض معلمات ضرورت سے زیادہ آزاد ہوجاتی ہیں۔

معلمات کے بعد ڈاکٹرنیوں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے، ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی اب یہاں زیادہ ہوتی جارہی ہے ان میں بھی مسلمان، برہمن عیسائی، پارسی عورتیں شامل ہیں۔ ان میں بعض انگلستان کی کامیاب شدہ ڈاکٹرنیاں بھی ہیں، معلمات میں بڑا حصہ ہنوز پردہ کرتا ہے۔ لیکن ڈاکٹرنیوں کے لئے یہ امر ناممکن ہے، اگرچہ اب حیدرآباد میں ڈاکٹری کی تعلیم اردو میں ہوتی ہے۔ اور دو لڑکیاں کامیاب ہوکر زمرہ ملازمت میں شامل ہیں اور چند لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں مگر ہنوز اس کی جانب عورتوں کی توجہ بہت کم ہے، چونکہ یہاں تعلیم کے لئے سب سے پہلے پردہ سے باہر ہونے کی ضرورت ہے اس لئے ہنوز عام طور سے ڈاکٹری کی تعلیم کا شوق کم ہے، توقع ہے کہ چند سال کے بعد ڈاکٹرنیوں کی تعداد بھی کافی ہوجائے گی۔

سرکاری ملازمت کی تیسری شق "نرس" ہے جو زنانہ اور مردانہ دواخانوں میں مامور ہیں، ایک زمانہ تھا کہ بنگلو۔ وغیرہ کی اینگلو انڈین وغیرہ نرسوں کی تعداد یہاں کافی تھی، مگر اس خدمت کے لئے اب "ملکی" کی قید لگادی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ ہنوز متوسط طبقہ اس کی جانب متوجہ نہیں ہے، اس لئے نرسوں کے متعلق شکایتیں سُنی جاتی ہیں۔

نرسوں میں سب سے زیادہ حصہ ان عورتوں کا ہے جو نیچ طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور عیسائی مذہب قبول کرلیتی ہیں، بعض اینگلو انڈین اور کچھ ہندو نرسیں بھی ہیں، مسلمان نرسیں نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ ان کی تعداد ایک دو سے زیادہ نہیں ہے۔

اس موقع پر ایک مسلم نرس کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ مس زبیدہ بیگم کے والد تحصیلدار تھے، ان کے انتقال کے بعد جب کوئی خبرگیری کرنے والا نہیں رہا تو زبیدہ بیگم نے زنانہ دواخانہ میں نرس کی خدمت کو قبول کیا بیس روپیہ ماہوار ملنے لگے اس کے بعد نرس کے امتحانوں میں اپنے ساتھ والی دوسری نرسوں سے سبقت لیتی اور ممتاز ہوتی رہیں اور ساٹھ روپے تک ترقی کی اس کے بعد جو کچھ انہوں نے پس انداز کیا تھا اس سے انگلستان گئیں اور وہاں نرسنگ کا امتحان دیا۔ یورپین نرسوں سے بازی لے گئیں اور اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی ہنوز واپسی نہیں ہوئی تھی کہ جنگ شروع ہوگئی۔ نہیں معلوم وہ اب کہاں ہیں، زبیدہ بیگم ملازمت کے زمانہ میں پردہ میں رہا کرتی تھیں اور صوم وصلواۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ بہرحال مسلمان نرسوں کی قلت ہے۔

حیدرآباد میں نرس نہ صرف سرکاری انگریزی دواخانوں میں مامور ہیں بلکہ یونانی صدر دواخانہ میں بھی نرس مقرر ہیں نرسوں کے متعلق ہر قسم کی آزادی کا شہرہ ہے۔

صفحات بالا میں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ اس کے بعد ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں تجارت کرنے والیوں محنت کرنے والیوں، ملازمت کرنے والیوں، پیشہ کرنے والیوں وغیرہ کی صراحت کیجائیگی۔

(باقی آئندہ)

نصیرالدین ہاشمی

گذشتہ اشاعت سے آگے

مسز سالومن[1] اپنے ڈرائنگ روم میں بڑے آئینہ کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھیں کہ مسٹر سالومن ہاتھ میں ایک تار لئے کمرے میں داخل ہوئے اور بیوی کو تار دیکر کہا "دیکھو صوفیہ بڑے بھائی جان نے کل ہی ہم کو لکھنؤ بلایا ہے۔ آخر گوہر تاج کا رشتہ کلکتہ سیٹھ شکیل صاحب کے ہاں قرار پاگیا اور وہ لوگ منگنی کی رسم ادا کرنے لکھنؤ آرہے ہیں"۔ "صرف منگنی اتنی سی بات کے لئے ہمیں لکھنؤ بلایا گیا ہے۔ کتنا روپیہ سفر خرچ میں لگ جائے گا شادی بھی تو جلدی ہی ہوگی۔ اُس وقت چلنا چاہئیے۔ بیگم نے جواب دیا" نہیں صوفیہ ہمیں اس تقریب میں شامل ہونا لازمی ہے بھائی جان کے ہاں یہ پہلی شادی ہے۔ منجھلے بھائی اور بھابی پہنچ چکی ہیں۔ اور اچھا ہے ذرا تفریح رہے گی۔ مدت ہوئی وطن گئے کلکتہ والے سیٹھ خاندان سے ملاقات ہو جائے گی"۔ سالومن صاحب نے بیوی سے کہا یہ سُنکر وہ بولیں" غالباً یہ وہی خاندان ہے جن کا ایک لڑکا پانچ سال گذرے مسوری پر ہم سے ملا تھا مجھے نام اس وقت یاد نہیں آتا۔ وہی جن کا ایک افسانہ تھا۔ ہم نے اُن کی منگیتر مس نجمہ کی نسبت مسٹر کامران سے کرادی تھی اور اُس نے نجمہ کو چھوڑ کر ایک عیسائی لڑکی سے شادی کرلی تھی"۔ ہاں ہاں وہی جمیل بیچارہ جس کی نجمہ کو ہم نے چھنوا دیا تھا۔ اُسی جمیل کے چچا زاد بھائی شکیل سے ہماری گوہر تاج کی نسبت ہو رہی ہے۔ بڑے امیر کبیر تاجر ہیں۔ ہماری بھابی جان تو اس رشتہ کے خلاف تھیں۔ کہ وہ نواب نہیں ہیں۔ انہیں لڑکی دینا ہماری شان کے خلاف ہوگا۔ لیکن بھائی جان نے سمجھا کر اور دولت کا لالچ دیکر رضامند کر لیا۔ شکیل اُن کا ایک ہی لڑکا ہے اور ایک لڑکی جس کی شادی جمیل سے ہوگئی ہے"۔ صوفیہ نے تعجب سے کہا "ارے جمیل نے شادی کرلی دو سال تک تو وہ بہت ہی غمگین رہتے تھے"۔ "تم تو بھول جاتی ہو شاید تین سال ہوتے ہوں گے کہ جمیل نے ہمیں اپنی شادی کا بُلاوا بھیجا تھا میں تو اس وقت بھی شادی کی شرکت کو تیار ہوگیا تھا کلکتہ کی سیر ہی ہو جاتی مگر تم نے روکا تھا کہ بہت صرف ہوگا۔ صوفیہ روپیہ کی کمی وجہ سے بہت سی خوشیوں شادی وغیرہ کی تفریحوں سے ہم محروم رہ جاتے ہیں ایسا کچھ انتظام ہونا چاہئیے کہ ایسے کاموں کیلئے کچھ پس انداز ہوسکے۔ اسوقت ہم کو نو سو روپیہ ماہوار ملتے ہیں اور ضرورت کے وقت بھائی جان سے بھی منگوا لیتے ہیں۔ پھر بھی بے فکری سے بسر نہیں ہوسکتی"۔ صوفیہ برش میز پر زور سے پھینک کر یہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم سے نکل گئیں" ہم سے اس سے بہتر انتظام نہیں ہوسکتا آئندہ ماہ سے آپ خود کیجئے۔ مجکو ایک جگہ مسٹر ہیرالال کے ساتھ ایک ڈرامہ کی تیاری کے لئے جانا ہے وہ آتے ہونگے میں زیادہ بحث نہیں کرسکتی"۔

نواب بیگم سلطان مرزا آج اپنی بڑی صاحبزادی کی منگنی کی رسم بڑی دھوم دھام سے منا رہی ہیں اُن کے سب عزیز جمع ہیں۔ عالیشان کوٹھی اور "قصر سلطان" کے قریب ہی کلائنڈر روڈ پر دو کوٹھیاں اور مہمانوں کے لئے آراستہ کی گئیں۔ ایک میں کلکتہ والے ٹھہرائے گئے اور دوسری میں اپنے دونوں بھائی احسان مرزا و سلیمان مرزا اُتارے گئے۔ اور بیگم صاحبہ کے اپنے عزیز

[1] مسز سالومن کا حال عصمت جولائی ۳۹ء کے پرچہ میں دیکھئے۔

بھاوجیں بیٹیں قصر سلطان ہی میں ٹھہرائی گئی ہیں۔ آج شب کو بڑی دعوت ہے جس میں علاوہ ان مہمانوں کے جو دُور دُور سے آئے ہیں لکھنؤ کے عزیز نواب اور بڑے بڑے عہدے دار کوئی پانچسو کے قریب مدعو کئے گئے ہیں اندر اور باہر ناچ گانے کا انتظام ہے۔ نواب بیگم صاحبہ اپنی عزیز بیگمات کے درمیان بیٹھی آہستہ آہستہ بھاوج سے کچھ باتیں کر رہی ہیں کہ ان کی دونوں دیورانیاں چھوٹی چھوٹی ریشمی پھول دار چھتریاں لگائے آتی نظر آئیں "وہ دیکھو یہیں آرہی ہیں" بیگم صاحبہ کی بھاوج نے کہا "اوہو بالکل بے پردہ کھلے منہ۔ باہر اتنے تو مہمان بھرے پڑے ہیں تعجب ہے ان کی ہمت کیسے ہوئی۔ اور قدم کیسے اٹھا ہم تو یہ سنا کرتے تھے کہ پہاڑوں پر جاکر پردہ نہیں کرتیں لیکن کانپور اور لکھنؤ آکر ایسی بیباکی کبھی نہیں کی" بیگم صاحبہ کی بڑی بہن نواب بیگم جہانگیر قدر نے یہ اعتراض کیا "اب زمانہ آزادی کا ہے۔ جب تک خسر زندہ رہے آکر پردہ کر لیا کرتی تھیں۔ جس دن سے ان کا انتقال ہوا ہے بالکل آزاد ہوگئیں" بیگم سلطان مرزا نے اُن دونوں کو جواب دیا "بہن خسر تنہا نے اٹھ گئے مگر خدا رکھے جیٹھ بھی تو خسر ہی سمجھے جاتے ہیں ان کا ذرا خوف نہیں" اتنے میں وہ قریب آگئیں اور سب کو سلام کرکے وہیں تخت کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ دونوں کے پیر زمین پر تھے اس پر بھی اعتراض ہوئے۔ کسی نے کہا کرسیاں منگا دو انکو تخت پر بیٹھنے سے تکلیف ہو رہی ہے چھوٹی دلہن یعنی مسز سلیمان (سادہ من) کے بال انگریزی وضع سے تراشے ہوئے تھے۔ اور چونکہ ساڑھی کا آنچل سر پر نہ تھا سب بیگمات ان کے بالوں کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھیں "آپ دونوں نے بہت دیر لگادی کیا کر رہی تھیں۔ یہ سب بیگمات خصوصاً میری بھابی جان اور بہن بہت یاد کر رہی تھیں۔ مدت کے بعد آپ دونوں کا وطن آنا ہوا ہے" بیگم سلطان مرزا نے دیورانیوں سے کہا "بھابی جان دوپہر کے کھانے کے بعد میں لیٹ گئی تھی۔ وقت کا پتہ نہ چلا چار بج گئے تو اٹھ کر حاضر ہوگئی۔ تمام رات گاڑی میں نیند نہیں آئی طبیعت کسلمند تھی میرا دل خود یہیں پڑا تھا۔ صبح تھوڑی دیر آپ کو دیکھ سکی تھی اگر ہم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہرایا گیا ہوتا تو بہتر تھا" بیگم احسان مرزا نے جواب دیا۔ بیگم سلیمان بولیں "ہم تو آپ معاف کرنگی گیارہ بجے اسٹیشن سے آئے معلوم ہوا کہ ہم کو دوسری کوٹھی میں اتارا جائیگا وہیں نیچے کھانا مل گیا تھوڑی دیر آرام کیا ابھی اُٹھنے نہیں پائے تھے کہ منجھلی بھابی نے یہاں آنے کو کہا پندرہ منٹ میں تیار ہوکر آگئے" "آپ دونوں کو یہیں اُتارا جاتا مگر ہم لوگوں کو دقت ہوتی پردے کی وجہ سے نواب صاحب نے کہا کہ دونوں بھائیوں کو کوٹھی میں ٹھہرانا چاہیے تاکہ اُن کے دوستوں کو ملنے میں آسانی ہو" بیگم سلطان مرزا نے کہا "بالکل ٹھیک آپ کو بھی آرام رہا اور ہم لوگوں کے لئے بھی ایسا ہی اچھا ہے۔ صاحب کے بہت سے دوست جو ہمارے منتظر تھے ہر وقت آئیں گے۔ ایک صاحب جو آپ کے سمدھی کے بھتیجے ہیں وہ ہمارے بھی بہت پُرانے ملنے والے ہیں ہمارے آتے ہی آگئے تھے۔ اُن کی قیام گاہ شاید قریب ہی ہے۔ اس خیال سے ہم لوگوں کا علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے" بیگم سلیمان نے کہا۔ اس پر بیگم احسان مرزا بولیں "صرف اتنے کے لئے ہم لوگوں کو الگ رکھنے کی ضرورت نہ تھی ایسا ہوسکتا تھا کہ ہم دونوں آپ کے پاس قصر ہی میں ٹھہرتیں اور وہ دونوں بھائی باہر مردانے میں ٹھہر جاتے وہاں ان کے دوست ہر وقت آسکتے تھے" بیگم سلیمان پھر بولیں "واہ یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ اُن کے دوست ہم دونوں سے بھی تو ملیں گے بار بار ہم کو باہر جانا پڑتا" دیورانی سے یہ فقرے سُنکر بیگم احسان مرزا کچھ جیبں بجبیں ہوکر بولیں "اس وقت ہمیں اُن کے دوستوں سے ملاقات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم تو چار دن کے لئے وطن آئے ہیں گھر میں رہ کر بھائی جان صاحب اور سب رشتے دار بیگمات سے ملنا ہے۔ دوستوں سے ملنا تو ہمیشہ ہی رہتا ہے۔ عزیز کبھی کبھی ملتے ہیں" اپنی منجھلی دیورانی کے یہ خیالات سُنکر نواب بیگم سلطان بہت خوش ہوئیں اور جواب دیا "بہت اچھا احسان دلہن اگر تمہیں میرے پاس رہکر عزیزوں سے

ملنے کی زیادہ خوشی ہے تو آج شب کو یہیں آرام کرنا تمہارے بچے اور بستر وہاں سے منگوا لیتے ہیں اور میاں احسان مرزا وہیں رہیں گے" بھابی جان مجکو مہربانی سے اُسی جگہ رہنے دیں کیونکہ مجکو اپنے اور صاحب کے دوستوں سے ملنا بھی اُسی قدر لازمی ہے جس قدر کہ عزیزوں سے آج آپ کی دعوت اور یہ جلسہ ختم ہوجائے تو کل سے دن بھر اور آدھی رات تک کے لئے ہم دونوں کو باہر کھانے اور جلنے کے لئے آنا جانا پڑے گا۔ اس لئے وہیں سے آسانی رہے گی" "میں نے تمہارا تو نام نہیں لیا تمہیں خدا مبارک کرے دوستوں سے ملنا جلنا چونکہ منجھلی دلہن نے میرے ساتھ رہنا چاہا تو ان کا سامان قصر میں منگا لینے کو کہا ہے۔ نواب بیگم نے کہا" آپکو جب اس قدر دوستوں کا خیال ہے تو اس وقت بھی آپ کا یہاں آجانا مناسب نہ تھا کیونکہ سلیمان میاں کے دوست تو ابھی آگئے ہوں گے۔ اور آپ کے مسوری کے بہت عزیز دوست مسٹر جمیل تو منتظر ہی ہونگے کیونکہ جس وقت ہم اس طرف آنے کو باہر نکلیں جمیل صاحب ہمارے باغیچے میں سلیمان میاں کے پاس کھڑے تھے" بیگم مرزا نے کہا ان سے یہ سنکر تو اب بیگم مسکرا کر بولیں" ابھی تو بہت وقت ہے چھ بھی نہیں بجے کھانا کہیں آٹھ بجے ہوگا سلیمان دُلہن وہاں جا سکتی ہیں"۔ بڑی جٹھانی سے بطنز یہ فقرے سُنکر باوصلہ میم صاحب مسز سالومن فوراً کھڑی ہوگئیں اور چھتری اُٹھا یہ کہتی ہوئی باہر کو چل دیں" بہت اچھا اگر کھانے میں بہت دیر ہے تو یہاں بیکار بیٹھنے سے کیا فائدہ گانے باجے سے ہم کو اتنا شوق نہیں ذرا کلکتہ والوں سے مل لیں آٹھ بجے آجائینگے"۔ جب یہ میم صاحب باہر چلی گئیں تو سب بیگمات خوب ہنسیں ان کی اس بے باکی اور بدلحاظی پر۔ منجھلی دُلہن کا اسباب دوسری کوٹھی سے قصر میں آگیا اور اُوپر کی منزل میں دو کمرے ان کے لئے درست کردئے گئے۔

"آپ کیسے آگئیں بہت مہمان جمع ہیں اب کلکتہ والی بیگمات بھی رسم ادا کرنے اور کھانے کے لئے اندر جانے والی ہیں"۔ سلیمان مرزا نے بیوی سے پوچھا تو اُنہوں نے جواب دیا" آہی گئے ابھی کھانے میں ڈھائی گھنٹے کی دیر ہے۔ وہاں خالی بیٹھکر غیر دلچسپ محفل میں کیا کیا جاتا بھونڈے مزاج جاہلانہ گفتگو میں وقت گذارنا دشوار تھا ہم کو تو شوق تھا مسز جمیل کو دیکھنے کا مسٹر جمیل بلوائیے اُن کو جلدی دکھا دیجئے ہم اُنکو مجمع میں اُن سے ملنا نہیں چاہتے تھے پہلے تنہائی میں اچھی طرح دیکھ لیں۔ اور سُنا ہے آپ کے دو بچے بھی ہیں کیا ساتھ لائے ہیں اُن کو بھی دکھائیے" جمیل نے جواب دیا" وہ تو ابھی یہیں تھیں بلکہ چار بجے یہیں پہنچی ہیں آپ کے صاحب نے ہم دونوں کو چار کے لئے بلوا لیا تھا مگر افسوس آپ کو نہ پاکر فوراً ہی واپس چلی گئیں آپ جانتی ہیں ہمارا گھر پابند پردہ ہے۔ بار بار اُن کا بزرگوں میں سے نکل کر آنا دشوار ہے"۔ "چلئے ہم وہیں چلیں"۔ مسز سالومن نے کہا اور یہ تینوں اس کوٹھی کے باغیچہ سے نکل کر دوسری کوٹھی کے باغ میں سے ہوتے ہوئے پیچھے کی طرف سے جمیل صاحب کے کمرے کے قریب پہنچے اور ڈریسنگ روم کا دروازہ کھٹ کھٹایا اندر سے آیا نے کہا" کون ہے" اور دروازہ کھول کر دیکھا آگے جمیل صاحب کھڑے تھے اور اُن کے پیچھے مسٹر و مسز سالومن اُس نے جمیل سے آہستہ سے کہا" بیگم صاحب لباس تبدیل کر رہی ہیں سمدھیلنے جانے کیلئے"۔ یہ سُنکر جمیل فوراً اندر آئے اور بیوی سے کہا" جلدی کرو مسز سالومن تم سے ملنے آئی ہیں۔ باہر کھڑی ہیں۔ بہت ہی اچھا ہوا اُس وقت تمہارا لباس سادہ تھا ان اچھے کپڑوں میں میم صاحب تم کو دیکھیں گی تو اپنے حُسن کا غرور بھول جائیں گی۔ انہیں حضرت نے مجھ کو مجھ سے چھڑایا تھا آج دیکھ لیں گی کہ اُس سے بہتر اور بدرجہا بہتر بیوی خدا نے مجھ کو دی۔ جلدی چلو اپنے بیڈ روم میں دروازہ بند کرکے بیٹھو میں اُن دونوں کو لاتا ہوں۔ ہاں جیلہ کو بھی بلا لینا" "آپ مجھے اس قدر بناتے نہیں۔ پانچ سال کی بیاہی دو بچوں کی ماں میں بھلا اُن سے زیادہ کیا حسین ہو سکتی ہوں؟" "واہ اگر پانچ سال کی بیاہی حسین نہیں رہ سکتی تو بارہ سال کی بیاہی اور سات

بچوں کی ماں کی کیا حالت ہوگی۔" بیگم جمیل اپنے کمرے میں آئیں جمیلہ کو بلوایا اور دروازے بند کردئے وہ تینوں بھی آگئے۔ جمیل نے اپنی بیوی اور اپنی بہن جمیلہ کو اُن دونوں سے ملوایا وہ دونوں میاں بیوی ان بیمثال حُسن کے مجسموں کو دیکھکر حیران رہ گئے۔ خوبصورت عورتیں انہوں نے سینکڑوں دیکھی تھیں لیکن ایسی شکلیں کبھی خواب میں بھی نہ آئی تھیں یہ دونوں نند بھاوج اس وقت سُرخ ساڑھیاں اور سفید بروکیڈ کے بلوس پہنے ہوئے تھیں۔ ساڑھیوں پر سفید ستاروں کا کام جگمگا رہا تھا اور الماس مرصع زیور برقی روشنی میں چمک کر دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہے تھے۔ مسز سالومن جو اپنے خیال میں دُنیا کی حسینوں کی سردار تھیں اس وقت ان کو دیکھکر ان کے ہوش گُم ہوگئے۔ اور کچھ افسردہ سی ہوکر بیٹھ گئیں۔ بچے کی ان کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہ تھی۔ "ہم تو دہیں حاضر ہوئے تھے مگر آپ تشریف نہ رکھتی تھیں" شکیلہ بیگم نے مسز سالومن سے کہا "ہمیں افسوس ہے اُسوقت منجھلی بھابی ہمکو قصر سلطان لے گئی تھیں اور یہ علم بھی نہ تھا کہ مسز سالومن نے آپ کو بھی بلایا ہے آپ کو دیکھکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی ایک مدت سے ملنے کی آرزو تھی" مسٹر سالومن نے کہا "آپ کو تو مسٹر جمیل کی بیوی ہونے کی وجہ سے آرزو تھی لیکن مجھ کو یہ دیکھنے کی تمنا تھی کہ بچہ کو کھوکر اُنہوں نے کیسی بیوی پائی ہم کو افسوس ہوا کرتا تھا ان کی محرومی اور مایوسی پر خیال کرکے لیکن آج بے انتہا خوشی ہوئی کہ جو کچھ ہوا بہت اچھا ہوا۔ اگر جمیل صاحب اُس کو نہ کھوتے تو آپ کو کیسے حاصل کرسکتے؟ واقعی جمیل خوش نصیب ہیں" "ناکامی کے بعد اگر ایسی کامیابی ہوجائے تو کیا کہنا؟" سالومن صاحب سے یہ سنکر جمیل صاحب نے کہا "اس کامیابی میں بڑا حصہ چونکہ آپ دونوں کی کوششوں کا ہے میں آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایک اس کا کہ میری بیوی سے ملکر آپ خوش ہوئے۔ دوسرا یہ کہ اگر مسز سالومن صاحبہ اپنی عزیز دوست بچہ کو ایک پرانے خیال کے نالائق طالب علم سے چھڑا کر ایک قابل شخص کے سپرد نہ کردیتیں تو آج یہ نعمت مجھکو میسر نہ ہوتی" اسپر مسٹر سالومن نے قہقہہ لگایا مسز سالومن بھی کھسیانی ہنسی ہنسنے لگیں۔ پھر بیگم جمیل صاحب نے کہا "کہئے آپ کی وہ دوست اب کہاں ہیں؟ ۵ سال گذرے ہم لوگوں کو کچھ خبر نہیں" مسٹر سالومن نے جوابدیا "ہمیں بھی پتہ نہیں اس سال کلکتہ جانا سُنا تھا جب سے گُم ہیں کچھ خبر نہیں۔ بیچاری بدنصیب لڑکی"۔ جمیل صاحب جو ابھی خوش نظر آرہے تھے بچہ کا ذکر سنکر خاموش رہ گئے۔ بیوی پر اپنی یہ کیفیت ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اُٹھکر باہر چلے گئے اور اپنے دونوں بچوں کو ساتھ لائے لڑکی کی عمر ۴ سال اور لڑکا ۳ سال تھا دونوں بچے بہت خوبصورت تھے۔ دونوں میاں بیوی نے انکو گود میں بٹھالیا۔ جمیلہ بیگم اسوقت بالکل خاموش تھیں کیونکہ ان دونوں سے پہلی ملاقات تھی۔ مسز سالومن اپنی فطری رشک و حسد کی عادت کیوجہ سے جو انکو دوسری خوبصورت عورتوں سے ہمیشہ کج خلقی برتنے پر مجبور کرتی تھی جمیلہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتی تھیں بات کرنی تو درکنار۔ مسٹر سالومن نے جمیل سے دریافت کیا "آپکی ہمشیرہ صاحبہ بھی کلکتہ سے تشریف لارہی ہیں؟ ان کے صاحب تو آپنے بتایا تھا کہ جلپائی گوڑی میں ڈپٹی کمشنر ہیں؟" "جی ہاں وہ جلپائی گوڑی ہی میں ہیں جمیلہ بیگم آجکل کلکتہ آئی ہوئی تھیں ہم اسی تقریب کی شرکت کیلئے ساتھ لے آئے" جمیل نے جواب دیا۔ مسٹر سالومن نے جمیلہ سے مخاطب ہوکر کہا "آپکو لکھنؤ تشریف لانیکا غالباً یہ پہلا اتفاق ہے؟" "جی ہاں اب بھی میری صحت کچھ درست نہ تھی مگر بھائی جان اور بھابی صاحبہ کے اصرار سے چلی آئی" جمیلہ نے جوابدیا۔ مسٹر سالومن کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا "آپکو لکھنؤ کی اچھی طرح سیر کرنی چاہیئے۔ یہ مقام تاریخی مقام ہونیکی وجہ سے اور بہت کچھ تبدیلیاں ہوجانے پر بھی پُرانی شان رکھتا ہے کل صبح آپکو سیر کرائی جائیگی" سالومن صاحب سے کہا جس کا دونوں بہن بھائی نے شکریہ ادا کیا۔ دروازہ کھٹ کھٹایا گیا جمیل نے اُٹھکر دیکھا تو شکیل صاحب تھے۔ انکو بھی اندر بلالیا گیا۔ مسز سالومن صاحبہ سے تعارف کرایا اور بتایا کہ انہیں صاحب کی نسبت کی یہ دھوم دھام ہے۔

نذر سجاد حیدر

(باقی آئندہ)

اخواندہ خاتون سے

پاک سیرت محترم خاتون اے عالی صفات
آج کچھ کہنا ہے تجھ سے سُن بگوشِ التفات

عالمِ انسانیت میں تیری ہستی فرد ہے
تیرے کوچہ میں شکوہِ شہریاری گرد ہے

تو ترقی کے مدارج میں امینِ رازِ قوم
ہے تری آواز میں مضمر نوائے سازِ قوم

دولتِ کونین تیرے پاک قدموں پر نثار
تیری ہستی ہے سراپا رحمتِ پروردگار

قوم کی بگڑی ہوئی حالت بنا سکتی ہے تو
قسمتِ خوابیدہ صدیوں کی جگا سکتی ہے تو

درحقیقت ہے تری آغوش اک تعلیم گاہ
زندگی کی جس میں ملتی ہے نئی اک شاہراہ

ذکر تیرا حاشیہ تاریخ کے صفحات کا
ہے زمانہ آج بھی قائل تری خدمات کا

محترم بانو مگر یہ بھی تجھے معلوم ہے
علم کی دولت سے تو اس دَور میں محروم ہے

علم کی خوشبو سے تیری رُوح ہے ناآشنا
تو سمجھ سکتی نہیں نسوانیت کا فلسفہ

علم تو نے عقل کے معیار پر جانچا نہیں
مقصدِ تعلیم جو کچھ ہے اُسے سمجھا نہیں

علم کی عظمت سے صد افسوس تو ہے بے خبر
ہے دماغ و قلب پر تیرے قدامت کا اثر

علم کی تخلیق سے رکھتی نہیں تو واسطہ
قُربتِ حق کا دکھا سکتی نہیں تو راستہ

علم کی ضو سے ضیا افروز تیرا دل نہیں
زندگی کے دَور کا رنگین مستقبل نہیں

علم کے اوصاف سے واقف نہیں تیرا ضمیر
علم کو اپنا بنا سکتی نہیں تو دستگیر

کاش تو آگاہ رہتی علم کے عرفان سے
علم کے عرفان سے نسوانیت کی شان سے

مذہبی خود ساختہ رسموں سے رہتی دُور دُور
تجھ میں ہوتا طبقۂ نسواں کی خدمت کا شعور

جائزہ لیتی جہاں میں وقت کی تہذیب کا
ہے تمدن کس لئے اقوام کا بدلا ہوا

دیکھتی کس حد پہ آئی ہے سیاست قوم کی
دیکھ کر پھر خود سمجھ لیتی ضرورت قوم کی

درس لیتی تو خواتینِ سلف کا پڑھ کے حال
سامنے آتا ترے آئینۂ اوجِ کمال

دیکھتی تو اُن خواتینِ سلف کی شان کو
زینتیں جن سے ملیں تاریخ کے ایوان کو

جن کا نصب العین ہی تھا خدمتِ قوم و وطن
جو جہاد فی سبیل اللہ میں تھیں صف شکن

جن کی یکتا تھی جہاں میں قوتِ علم و عمل — آج تک جن کا نہ پیدا ہو سکا نعم البدل
حکمراں بھی ان میں ہیں اور عالمہ بھی ان میں ہیں — قوم کی بے لوث قابل رہنما بھی ان میں ہیں
ان کی ہر تدبیر تھی صورتِ گرِ صد انقلاب — اپنے اپنے دور میں یہ سب رہی ہیں کامیاب
ہے انہیں میں چاند سلطانہ کا اور رضیہ کا نام — ہے انہیں میں نامور نور جہاں عالی مقام
روشنی میں علم کی تو دیکھتی ان کا وقار — کس لئے تاریخ میں ہے نام ان کا یادگار
کیوں زمانے میں ملی ان کو حیاتِ جاوداں — کیوں ادب سے یاد کرتے ہیں انہیں اہلِ جہاں
آہ لیکن محترم خاتون ناخواندہ ہے تو — تجھ میں آ سکتا نہیں ان کا کبھی انداز خو
علم کی دولت سے جبتک تو نہ ہوگی فیضیاب — دور ہو سکتا نہیں تجھ سے جہالت کا عذاب
چھوڑ دے خوابِ گراں بیدار ہو بیدار ہو — خدمت قوم و وطن کے واسطے تیار ہو
پیکرِ نسوانیت میں روحِ تازہ پھونک دے — علم کی قوت سے کر حل زندگی کے مسئلے

تیرا دل بن جائے مرکز علم کے احساس کا
کاش ہوجائے اثر تجھ پر مری لکھا اس کا

خلیق برہان پوری

باقی صفحہ ۳۵۹ کا

ایک جلسے میں نپولین نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میری مٹی فرانس کے لوگوں میں جن کو میں بہت عزیز رکھتا ہوں دریائے سین کے کنارے پر دفن کی جائے۔ یہ خواہش اس کی منظور ہوئی اور ماہ ستمبر ۱۸۴۰ء میں گورنمنٹ فرانس کی تحریک سے یہ تجویز کی گئی کہ نپولین کی لاش جزیرہ سینٹ ہلینا سے فرانس کے دارالخلافہ کو منتقل کی جائے۔ قبر کو کھولنے پر نپولین کی لاش نہایت صحیح و سالم پائی گئی۔ جس سے دیکھنے والوں کو بہت تعجب ہوا۔ نپولین جس طرح میدانِ جنگ میں ظاہر ہوا کرتا تھا اسی طرح لوگوں نے اس موقع پر بھی اس کی سہ گوشہ ٹوپی اُس کے سر پر رکھی اور اُس کا جنگی کوٹ اور بیٹ اُس کو پہنایا۔ تماشائیوں نے جب وضع قطع سے اُس مسافرِ عدم کی لاش کو دیکھا تو ڈر گئے اور کچھ دیر تک ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ گویا وہ جسم بے جان خواب میں ہے۔ نہایت شان و شوکت اور جاہ و حشم کے ساتھ آخر کار اس کی لاش پیرس کو پہنچائی گئی۔ اور وہاں پہونچکر بڑے تجمل شاہانہ سے دفن ہوئی اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام تنازع بھی اس کی قبر میں دفن ہوئے جو انگلستان اور فرانس میں تھے۔

زبیدہ زریں

نپولین کی موت

خراب آب وہوا اور مدت کی قید کے بعد جس سے نپولین بھی عاجز آگیا تھا۔ بیماری کی سی علامتیں اسے معلوم ہوئیں اور آخر کار اس کے معدے پر ایک پھوڑا نمودار ہوا۔ اس بیماری میں نپولین کی ہمت بہت شکستہ ہوگئی تھی وہ یہ آہیں بھرا کرتا تھا کہ میں اب نپولین اعظم نہیں رہا۔ افسوس میں کیوں توپ کے بڑے بڑے گولوں سے بچ گیا جو اس خراب حالت میں مبتلا ہوا۔ اُس نے اپنے ہم نواہوں سے کہا جب میں مرجاؤں گا تو تم خوش ہوگے اور یورپ کو واپس جانیکی اُمید کروگے تم میں سے ایک اپنے رشتہ داروں سے ملیگا اور دوسرا اپنے دوستوں سے ملکر خوش ہوگا اور میں اپنے بہادر متوفی ساتھیوں سے بہشت کے میدانوں میں ملاقات کرونگا۔ نپولین نے اس گفتگو میں پکار پکار کر اپنے اُن ساتھیوں کا نام بتفصیل لینا شروع کیا۔ لیس ازز۔ مورسٹ۔ برتھیز۔ وغیرہ اور کہا کہ یہ سب میرے پاس آئیں گے اور بہشت میں مجھ کو مبارک باد دیں گے اور ہم اور وہ آپس میں اپنے گذشتہ کاموں کا ذکر کریں گے۔ میں اُن سے اپنی آخیر زندگی کے حالات بیان کرونگا مجھ کو وہ دیکھتے ہی ایک دفعہ جوش اور حرارت سے مخمور ہوجائیں گے اور پھر ہم اپنی اُن لڑائیوں کا حال بیان کرینگے جو گویا ایسے ایسے بہادروں کے ساتھ ہوئیں جیسے سپہ ہنیبل قیصر ہن تال اور فریڈرک کے خاندان والے۔

۵ مئی ۱۸۲۱ء کو نپولین نے اپنی زندگی کا آخری سانس لیا۔ اُس حالت میں بھی جو لفظ کبھی کبھی بیساختہ اُس کے منہ سے نکلے اُن سے ایک بڑا جذبہ مرتے وقت بھی اُس کی طبیعت میں ظاہر ہوگیا۔ یعنی اس وقت بھی اس کے تمام خیالات جنگ وجدل سے معمور تھے۔

جس روز نپولین مرا اس دن شام کو اُس جزیرے میں آندھی مینہ وغیرہ کا ایک طوفان آیا گویا ان عنصروں پر بھی ایسے شخص کی رحلت کا اثر ہوا جس نے انسان کے جوش کو لڑائی جھگڑوں میں طوفان کے مانند برانگیختہ کر رکھا تھا۔ ۸ مئی کو وہ متوفی شہنشاہ کنگ قبر کے سپرد ہوا۔ مارنگو کی لڑائی میں جو لبادہ نپولین نے زیب تن کیا تھا وہی اس موقع پر اُس کے تابوت پر ڈالا گیا اُس کے جنازے کے ہمراہ اس کے مغموم ساتھی آہستہ آہستہ دفن تک گئے۔ انگریزی فوج کا ایک گروہ اُس کی لاش کو اُٹھائے ہوئے تھا۔ نپولین جس وقت قبر میں اُتارا گیا تو توپخانے نے اور بندوقوں نے اس کی آخری سلامی دی۔ مٹی مٹی میں مل گئی۔ اس سے زیادہ مؤثر قصہ بھی انسان کی بلند نظری کا شاید کسی نے مطالعہ کیا ہوگا یہ وہ واقعہ تھا جس کے دیکھنے سے ایک نہایت بے پرواہ آدمی کو بھی عبرت ہوتی تھی۔

نپولین نے اپنے مرنے سے پہلے اپنی قبر کا مقام اور جگہ تجویز کردی تھی۔ یہ مقام ایک چشمہ کے کنارے واقع تھا جہاں سے اسکے واسطے پینے کا پانی آیا کرتا تھا۔ تمام فضا اُس مقام کی ایسی تھی جس سے گاؤں کا سا سماں نظر آتا تھا۔ اور گذر بھی وہاں لوگوں کا بہت کم ہوتا تھا۔ یہ خوشگوار اور امن کے سامان جن میں نپولین دفن ہوا۔ نپولین کی خصلت کے بالکل مخالف تھے۔ ایک قسم کے بید کا درخت اس کی قبر پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ برسوں تک یہ حال رہا کہ لوگ اس درخت کی ٹہنیاں نپولین کی یادگار کے طور پر کمال آرزوں کے ساتھ لے گئے۔ یہاں تک کہ اُس مقام کے گورنر نے اس اندیشے سے کہ مبادا اسی طرح وہ درخت بالکل نیست ونابود نہ ہوجائے اس مقام پر پہرہ تعینات کردیا تھا تاکہ کوئی شخص اس کی ٹہنی نہ توڑ سکے۔

نپولین کی وفات کے بعد نپولین کا وصیت نامہ چھاپا گیا۔ اس کی بہت سی باتیں دلچسپ ہیں۔ اس وصیت نامہ کے

(باقی صفحہ ۳۵۸ پر)

رفتارِ زمانہ

از خان بہادر حافظ محمد ولایت اللہ صاحب
آئی۔ ایس۔ او

ایک دن وہ تھا کہ ہر جانب یہ ہوتی تھی پکار
بیبیاں پردے میں ہو جائیں کہ مرد آتے ہیں ہاں
پھر یہ دیکھا لوگ کہتے تھے بآوازِ بلند
مرد کرلیں اس طرف منہ۔ آرہی ہیں بیبیاں
پارسل بن کر کبھی نکلیں جو تانگہ میں کہیں
اُس کے اندر سے نظر آتی تھیں خالی اُنگلیاں
جھانکنے کا راستہ میں ایک عجب انداز تھا
کھلتی تھیں اور بند ہو جاتی تھیں فوراً کھڑکیاں
رفتہ رفتہ ہو گیا غائب وہ گھونگھٹ کا رواج
برقع اور پردہ کہیں حائل نہیں ہے درمیاں
ریل گاڑی میں بھی اب وہ پردہ رہا چادر نہیں
جب سے رائج ہو گئیں یہ خوبصورت ساڑھیاں
رنگ بدلا ہے زمانے نے بڑی تیزی کے ساتھ
آج جلسوں اور تماشوں میں نہیں وہ سختیاں
مرد اب رہتے ہیں پیچھے بیبیاں ہیں پیش پیش
مرد اب ان کے لئے کرتے ہیں خالی کرسیاں
عام جلسوں میں صفِ اوّل میں ہے انکی نشست
بیوی بکھر دیتی ہیں خاموش بیٹھے ہیں میاں

سید ہمایوں مرزا صاحب کے بعد

میرے شوہر سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا علیہ الرحمۃ ہمیشہ مجھ سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہماری اولاد نہیں ہے۔ ہمارے بعد کیا ہوگا کون فاتحہ پڑھے گا۔ حسرت و مایوسی ہمارے مزار پر برسے گی ہم گمنام ہی دُنیا سے چلے ہمارا کوئی بھی تو وارث نہیں۔ میرے باپ دادا کا نام ختم ہو رہا ہے۔ یہ باتیں سُن سُن کر مجھے بھی افسوس ہوتا تھا کہ ان کا کوئی بھائی بہن بھی تو نہیں۔ میں کہا کرتی تھی آپ دوسرا عقد کرلیں اگر کہو تو میں خود آپ کے لئے کوئی لڑکی تجویز کر دوں۔ مگر انہوں نے میرے اصرار پر بھی دوسرا عقد نہیں کیا اور ۷۰ سال کی عمر میں دُنیا سے رخصت ہوئے اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ جو لوگ صاحبِ اولاد گذرے جنہوں نے دولت بھی چھوڑی اور اولاد بھی ان کا سنگِ مزار بھی نہیں۔

پچھلے سال میں لاہور گئی تھی اور سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئی۔ چبوترے پر مزار ہے نہ مقبرہ بنا ہے نہ سنگِ مزار ہے۔ شاد مرحوم کے پوتے کا خط میرے نام آیا ہے کہ جناب شاد کا سنگِ مزار لگوا دیجئے۔ یہ حالت ان لوگوں کے مزار کی ہے جن کو دُنیا پوج رہی ہے۔ اقبال کے نام پر ہر جگہ جلسے ہوئے انجمنیں قائم ہوئیں۔ رسالے نکلے مگر ابتک مزار تیار نہیں ہوا۔ یہ لوگ صاحبِ اولاد بھی تھے اور نام بھی خوب پیدا کیا۔ سید ہمایوں مرزا صاحب لاولد تھے پٹنہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے نہ بھائی تھا نہ بہن۔ پردیس میں اپنے وطن سے دُور لاوارث دُنیا سے رخصت ہوئے۔ انتقال کے بعد حضرت اقدس و اعلیٰ سرکار نظام شاہ دکن میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ نے تاریخ وفات ارشاد فرمائی "در جنت ہمایوں ہم برفت" اس تاریخ پر حفیظ ہوشیارپوری نے یہ لکھا ہے۔

در ہوائے عالمِ نیرنگ بود   سیدِ والا ازیں عالم برفت
گفت تاریخش شہنشاہِ دکن   جانبِ جنت ہمایوں ہم برفت

اور بہت سے لوگوں نے تاریخیں لکھیں۔ تعزیت کے جلسے ہوئے۔ ہائی کورٹ و محکمۂ فوجداری وغیرہ کی تعطیل ہوئی۔ اُن کا مقبرہ میں نے ایسا خوبصورت بنوایا ہے کہ اکثر بڑے بڑے بادشاہوں کا بھی ایسا مقبرہ نہیں ہے جس کے ستون ایک سو چار ہیں۔ مرحوم کی ۴۰۰ صفحہ کی خود نوشت سوانح عمری "میری کہانی میری زبانی" ہے یہ بھی چھپ گئی ہے اور جلد بھی کروا چکی ہوں۔

مقبرہ میں قرآن خواں موجود ہے۔ مقبرے کے قریب ہی بازو میں ایک مدرسہ بھی بچیوں کا ہے۔ مدرسہ صفدریہ بھی ہمارا ہی ہے۔ مرحوم نے ایک ایکڑ زمین دی تھی اور سات ہزار روپے دئے تھے۔ اسکول کی لڑکیاں روزانہ نماز مقبرہ میں پڑھتی ہیں۔ قرآن خواں اذان دیتا ہے۔ خوبصورت بلور کی طرح مقبرہ ہے جس کے چاروں طرف کمسن لڑکیاں گھومتی ہیں۔ مرحوم کی پہلی برسی میں "میری کہانی میری زبانی" مفت تقسیم کی اور غربا کو کھانا کھلایا کپڑے تقسیم کئے۔ اس سال ۱۹۴۰ء میں دوسری برسی ہوئی تو مرحوم کا دیوان تقسیم کیا گیا اور کتاب حالات بی بی فاطمہ جو میں نے لکھی ہے تقسیم کی گئی۔ غربا کو کپڑے تقسیم کئے کھانا کھلایا۔ تمام مقبرے میں بجلی کی روشنی کی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بڑے اولیا اللہ کی درگاہ ہے۔ نہایت خوبصورت۔ میں تنہا عورت اکیلی کیا کر سکتی تھی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس قدر سخت رنج و غم کی حالت میں مجھ سے یہ مقبرہ بنوا دیا۔ تمام تمام دن مقبرے میں مرحوم کے مزار کے پاس بیٹھی رہتی۔ مقبرہ بنوانے کی نگرانی میں خود کرتی تھی اور سوانح عمری کا پروف بھی وہیں دیکھتی۔ میں نے اپنی ڈیڑھ لاکھ کی جائداد غربا کیلئے وقف کر دی ہے۔ بیرسٹر صاحب مرحوم ہمیشہ اولاد کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ اُن کیلئے جو کچھ ہوا سب خدا کی طرف سے ہوا۔ اولاد والے دیکھیں اور نیک کام کرتے رہیں۔ صرف اولاد کے بھروسے پر نہ رہیں۔ خدا کرے سید ہمایوں مرزا صاحب کا نام ہمیشہ زندہ رہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو کہ لاوارث کا....

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

جسم کی موزونیت

جسم الگ الگ سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ ایک کا قاعدہ دوسرے پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسا عام دستور العمل قائم کیا جا سکتا ہے جسے اپنے اپنے حالات کے مطابق کم و بیش کام میں لایا جا سکتا ہے۔ جسم پر عمر کا بھی اثر ہوتا ہے۔ ۱۶ یا ۱۸ سال کی عمر میں ۵ فٹ دو انچ کی لڑکی کا وزن تقریباً سوا من ہوتا ہے۔ لیکن ۴۰ سال کی عمر میں اسی کا وزن تقریباً ڈیڑھ من ہو جاتا ہے۔ اس عمر میں عنفوان شباب کا چلبلا وزن حاصل کرنے کی کوشش بعید از دانشمندی ہے۔ موخر الذکر وزن حاصل ہو جانے پر اس زیادہ عمر میں اسی کو قائم رکھنا چاہیئے۔

بعض جسم گدگدے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض دبلے پتلے نظر آتے ہیں۔ ہڈیوں کا ڈھانچ کسی حالت میں خوش نما نہیں لگتا۔ صحت کے لحاظ سے بھی یہ پُر خطر ہے۔ معمولی بیماریوں کا مقابلہ بھی نظام عصبی کی قوت سے باہر ہوتا ہے۔ جسم پر کچھ زائد گوشت ہو وہ اس سے کہیں اچھا ہے کہ گوشت چھانٹنے کے جنون میں گوشت کم کر دیا جائے۔ بھرے بھرے رخساروں یا بازوؤں کے خم کچھ عجب دلکشی رکھتے ہیں۔ گوشت کم ہوتے ہی وہ رخصت ہو جاتے ہیں اور اس عورت کی وہ خوبی و خوبروئی ہی جاتی رہتی ہے۔ جسم کی موزونیت ایک دفعہ حاصل ہو جائے۔ خود اپنی نظروں میں پسندیدہ ہو۔ دوسرے دیکھ کے خوش ہوتے ہیں۔ پھر غذا اور ورزش کے ذریعہ اس توازن کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ کسی وقت قدرے گوشت زیادہ ہو جائے تو مرغن غذائیں مٹھائیاں وغیرہ چھوڑ دینے سے جسم اعتدال پر لایا جا سکتا ہے۔ اس کا خیال رکھئے کہ دبلے ہونے کی خواہش کچھ اچھی نہیں۔ ایسا ہی ہے تو طبی مشورہ کے ماتحت اس کا اقدام کیا جائے۔

سنگھاری ہدایات

پوڈر وغیرہ لگانے کا رواج اب عام ہے مگر یہ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کی رہی سہی خوبی کو بے قاعدہ پوڈر بازی سے خراب کر دیا جاتا ہے۔ آئینہ کے سامنے بیٹھ کے آرائش کرنا اور بات ہے اور اپنے خدوخال کے مطابق سنگھار دوسری بات۔ لبوں ہی کو لیں۔ چہرے میں قدرتی صنعت کی یہی ایک کمزوری ہے۔ مگر ہم ذرا سی توجہ سے قدرت کی صنعت میں لبوں کی آرائش سے اپنے حسن و جمال میں چار چاند لگا سکتے ہیں۔ مگر ایسی عورتیں خال خال ہی ہیں جنہیں ہونٹوں کی درستی معلوم ہے۔ تنگ چہرے کی عورت عموماً لپ سٹک اس طرح لگائے گی کہ ہونٹ پھیلے ہوئے نظر آئیں تاکہ چہرہ چوڑا معلوم ہونے لگے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہوتی ہے کہ اس ترکیب سے چہرہ اور بھی تنگ نظر آنے لگتا ہے۔

ہونٹوں کا لاکھا (لپ سٹک) برش سے لگایا جائے خود اس سے لگانا لبوں کے خطوط سے متجاوز ہو جاتا ہے اور چہرہ چکنا چکنا معلوم ہونے لگتا ہے۔ بلاشبہ چہرے کے حسب حال لپ سٹک کا لگانا مشکل کام ہے۔ ہر عورت کو اس پر کسی مبصر سے مشورہ کرنا چاہیئے کہ اس کے چہرے پر کونسا طریقہ ٹھیک بیٹھتا ہے یہی کیفیت رخساروں کے روژ (Rouge) کی ہے بعض چہروں پر مثلث نما بعض پر بیضوی اور بعض پر ترچھی طریقہ سے روژ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے کریم پوڈر لگائیں اس کے بعد روژ یا پوڈر لگایا جائے ورنہ جلد کی قدرتی چکنائی پوڈر اور روژ کو پھاڑ کے سطر وار کر دیتی ہے۔ اپنے رنگ کے مطابق پوڈر منتخب کریں تاکہ وہ آپ کے رنگ سے زیادہ گہرا یا ہلکا معلوم ہو۔ آنکھوں کا پوڈر ان میں ہرگز نہ لگائیں۔ رات کے وقت بھی بہت ہلکا لگائیں۔ آئی شیڈو (eye shadow)

کتے ہیں۔ مسکارا mascara کے لگانے میں بھی احتیاط برتیں۔ زیادہ لگانے سے پلکیں چھوٹی چھوٹی اور بھدی سی ہوتی معلوم ہوا کرتی ہیں۔ ابروؤں کی سیاہ پنسل استعمال نہ کریں۔ زرد استعمال کیا کریں۔ لمبی لکیر کھینچنے کے بجائے ٹکڑے کرتے ہوئے لکیر کھینچیں پھر ابروؤں کا برش پھیر دیں۔ ابروؤں کے بال توڑ کے یا مونڈ کے باریک نہیں کرنا چاہئے۔ برش سے بالوں کو اوپر تلے کر کے باریک کر دینا چاہئے مگر اس میں بھی ابروؤں کے قدرتی خط کو محفوظ رکھنا چاہئے۔

کامیاب شادی کے اصول

شادی کی زندگی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی عقلمندی اور سمجھ کی ضرورت ہے۔ مندرجہ ذیل اصول پر عمل کیا جائے تو یہ زندگی کامیاب ہو سکتی ہے:۔

(۱) یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب شادی ہوئی تو دونوں خوش ہوئے تھے اور زندگی ہنسی خوشی بسر کی جانے لگی تھی۔ اس جذبہ کو قائم رکھنا چاہئے۔ اگر اُس کی عمر بڑھتی رہی ہے تو تمہاری بھی عمر اپنی جگہ قائم نہیں رہی۔ خوبیاں اور برائیاں دونوں طرف یکساں طور پر کم ہوتے رہے ہیں۔ شادی کا مقصد محبت ہے۔ یہ محبت کا انجام نہیں ہے بلکہ اس کا آغاز ہے۔ شادی کو محبت کی معراج سمجھنا ہی غلطی ہے بلکہ یہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ ابھی بسم اللہ ہوئی ہے۔

(۲) اعتماد کے بغیر محبت جاتی رہتی ہے۔

شبہ ہو تو دل میں اسے جگہ نہ لینے دو۔ فوراً سوال کرو لیکن اس طریقہ سے نہیں گویا تم ایسے جواب کے منتظر ہو جس سے تمہارا شبہ اور قوی ہو جائے گا۔ حسد شبہ کی ماں ہے۔ اس کا باپ غیر مصروفیت ہے۔ محبت کے بغیر بھروسہ ممکن ہے مگر بھروسہ کے بغیر محبت ناممکن ہے۔

(۳) یاد رکھو احترام پہلا فرض ہے۔

میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کا لحاظ و احترام کریں۔ دونوں کو ایک دوسرے میں ایسی بہت سی باتیں نظر آسکتی ہیں جن پر دونوں کو بجا ناز ہو سکتا ہے۔ دوسروں سے ان کے متعلق تذکرہ نہ کریں۔ خود ہی دل میں ان کا خیال کر لیں۔ احترام کے چلے جانے سے محبت بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی قابل عزت نہیں تو اس کے ساتھ رہنا بھی مناسب نہیں۔

(۴) یاد رکھو کہ شادی مساوات کا نام ہے۔

دونوں دوسروں کے لئے خواہ کئی لحاظ سے ممتاز ہوں مگر گھر میں دونوں برابر ہیں۔ دنیا میاں بیوی میں سے کسی کو جسم اور دماغ کے اعتبار سے کتنا ہی بہتر سمجھے مگران دونوں کو گھر میں ایک دوسرے کو باہم برابر سمجھنا چاہئے۔ میاں گھر کا آقا ہو سکتا ہے مگر باہم سلوک دوسری چیز ہے۔ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ آنے پائے بجز مسرت شادی کا خاص راز ہے۔

(۵) ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھا کریں۔

برسوں ساتھ رہنے پر بھی میاں بی بی کا ایک دوسرے کو نہ سمجھنا حماقت کی دلیل ہے۔ ایک دوسرے کو پہچان جانا اور سمجھ لینا پُر مسرت شادی کے لئے نہایت ضروری ہے۔

(۶) مشترک دلچسپیاں خانگی خوشی کے لئے لازمی ہیں۔

گھر بار کا کام کاج اور دفتری مصروفیات بیشک مختلف چیزیں ہیں مگر دونوں کو ایسے بہت سے شوق ہو سکتے ہیں جنہیں دونوں کیساں حصہ لیکے ایک دوسرے کی محبت کو پائدار بنا سکتے ہیں۔

(۷) دوسروں کی رایوں پر اپنی زندگی کا انحصار نہ رکھیں۔ زندگی کی لڑائی دونوں خود لڑیں۔ دوسروں کی رایوں سے مطلق متاثر نہ ہوں۔ اسی کو سکھانا پڑھانا کہتے ہیں۔ بہت سے گھر باہر والوں کی مسموم گفتگو سے برباد ہو گئے ہیں۔

(۸) گلہ شکوہ اچھا نہیں۔ بڑبڑانا بچوں کا کام ہے۔ جھگڑا پیدا کر دینا آسان ہے مگر اسے روکنا مشکل کام ہے۔ بچے جلد ہی لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں زبان بے قابو ہو جاتی ہے اور یہ طریقہ شادی کی مسرتوں کے لئے سم قاتل بن جاتا ہے۔

(۹) بچوں کو ان کی جگہ پر رہنے دو۔ اکثر گھر ان کی وجہ سے بھی برباد ہو گئے ہیں۔ بیوی انہیں کو سب کچھ سمجھنے لگی اور میاں کنج خمول میں جا پڑا۔ اسی سے آفت شروع ہو گئی۔ بچوں کو اسی دائرہ میں رکھنا چاہیئے جہاں تک دونوں کا اشتراک رہا کرتا ہو۔ ماں باپ کی محبت ان کے لئے یکساں ہوتی ہے اور اس وقت تک بچے شادی کی یگانگت کو استوار کر دیتے ہیں مگر وہ میاں بی بی کی محبت کی جگہ نہیں لے سکتے۔

گردن کی خبرگیری

گردن کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو یہ ایسا مقام ہے جس سے خود بخود عمر کا پتہ لگ جاتا ہے۔ جس گردن پر کریم کی مالش نہ کی جائے اور ٹھنڈے پانی کے ترڑے نہ دئے جائیں اور اسے قمیص کے اونچے کالروں یا ۔ والوں پوستینوں سے ڈھکا رکھا جائے جلد ہی اس میں شکنیں آجاتی ہیں اور اس کا رنگ بھی بگڑ جاتا ہے۔ گردن دھوتے وقت ٹھنڈے پانی کے اس پر زور زور سے چھینٹے لگاؤ لیکن اس سے پہلے گرم صابن دار پانی کے چھینٹے دئے جائیں تاکہ خون کے چکر کو ترقی ہو۔ روئیں دار کپڑے کے ٹکڑے کو کسی جلد تان دینے والے لوشن astringent lotion میں ڈبو کے گردن کو تھپک تھپک کے گیلا کیا جائے رات کے وقت گردن اور گلے پر کولڈ کریم cold cream خوب لگائی جائے اور دن کے وقت تھوڑی سی اڑ جانے والی کریم یا لوشن vanishing cream or lotion ضرور لگائی جایا کرے اور چہرے کا سنگھار کرتے وقت گلے پر بھی پوڈر چھڑک لیا کریں۔

خانگی ٹوٹکے

مرا کو چمڑے کو صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی صاف صافی سے اسے خوب صاف کر دیا جائے پھر انڈے کی سفیدی پھانٹ کر چھوٹے سے سپنج سے لگا دی جائے اور خشک ہونے دیں۔ اس طریقہ سے ماند پڑی ہوئی چمک آجائے گی اور آب و تاب عود کر آئے گی۔

سویڈ (ادھوڑی) کے دستانوں پر صابن نہ لگایا جائے۔ انہیں ہاتھوں میں کر کے گرم پانی سے دھونا چاہیئے اور سایہ میں سکھا دینا چاہیئے۔ آگ یا دھوپ میں ہرگز نہ سکھائیں ورنہ دستانے سخت اور ناخوشگوار معلوم ہوں گے۔

روغن لگانے کے برش نرم حالت میں ہی تارپین یا گرم سوڈے کے پانی سے دھو دینے چاہئیں بعد میں بال السی کے تیل linseed oil میں ڈبو کے اخباری کاغذ میں لپیٹ دینے چاہئیں اس طریقہ سے برش درست رہتے ہیں۔

نیا جوتہ کبھی دیر تک نہ پہنیں۔ پہلے گھر میں بہت کم ان کو پاؤں کا عادی بنائیں۔

پانی میں ناخن بار بار ڈبونے جانے سے سخت اور کھردرے ہو جاتے ہیں۔ اگر برتن وغیرہ دھونے کا زیادہ کام کرنا پڑتا ہو تو ناخن ہمیشہ کترے ہوئے ہونے چاہئیں۔ روغن بادام ناخنوں میں ملتے رہنے سے کھردرا پن جاتا رہتا ہے اور نئے ناخن مضبوط اور خوش نما نکلتے ہیں۔ ناخن کترنے یا کاٹنے سے پہلے صابن دار پانی میں ڈبو لینے چاہئیں۔ اس سے کھردرا پن پیدا نہیں ہونے پاتا۔ ناخنوں کی بدرنگی ہیڈ روجن آکسائیڈ سے دور کی جا سکتی ہے۔

سویڈ (ادھوڑی) suede دستانے تھیلے اور جوتے فولادی اون steel-wool سے صاف کرنے چاہئیں اسی اون سے المونیم کے برتن صاف کئے جاتے ہیں۔ اس اون سے ان چیزوں کا رواں ابھر آتا ہے۔

محمد ظفر

عجیب کنبہ انگلستان کے بادشاہ ولیم سویم کے زمانہ میں سفوک میں ایک کنبہ رہتا ہے جسے لوگ عجیب خاندان کہا کرتے تھے کیونکہ اس میں عجیب عجیب باتیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ اچھے بُرے واقعات مہینہ کے ایک طاق دن میں پیش آتے اور ہر ایک شخص کے اطوار میں کوئی نرالی بات نظر آتی تھی۔ انگریزی حروف تہجی کے لحاظ سے اُن کے ناموں کے حروف کی تعداد طاق تھی۔ میاں بیوی کے سات بچے تھے جو سب لڑکے تھے۔ میاں کی ایک ٹانگ تھی اور بیوی کی صرف بانہہ۔ بڑے لڑکے کی بائیں آنکھ کور تھی۔ اس سے چھوٹے لڑکے کی دائیں آنکھ کسی حادثہ سے پھوٹ گئی۔ تیسرے لڑکے کا بایاں کان ایک لڑکے نے لڑائی میں اکھاڑ لیا۔ چوتھے کی پیدائش کے وقت دائیں ہاتھ میں صرف تین انگلیاں تھیں۔ پانچویں کا پاؤں ٹنٹا تھا۔ چھٹا کُبا تھا۔ ایک کے سوا سب کے قد غیر معمولی چھوٹے تھے اور وہ ساتواں تھا وہ چھ فٹ دو انچ تھا۔ میاں کے بال بالکل کالے تھے بیوی کے بالکل سفید۔ اور ہر لڑکے کے سُرخ۔ میاں ایک گڈھے میں گر کے چند روز کے بعد سنہ ۱۸۰۱ء میں بھوکا مرگیا۔ بیوی نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور میاں کے پانچ دن بعد مرگئی۔ اس لمبے قد والے اور سب سے بڑے کے علاوہ باقی سب لڑکے سنہ ۱۸۱۳ء میں ایک ہی روز مختلف مقامات پر مرگئے۔ دونوں پسماندہ لڑکے سنہ ۱۸۲۳ء میں دریائے ٹیمز کو عبور کر رہے تھے کہ دونوں ساتھ ڈوب گئے۔

زمین کی طلائی پٹی اگر سونا تانبے ٹین یا کم از کم چاندی کی طرح عام ہوتا تو تجارتی طور پر بڑا کام دیتا کیونکہ اس میں وہ خوبیاں ہیں جو دوسری دھاتوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کی عجیب وغریب خاصیت ہے کہ آسانی سے مڑ تڑ اور پھیل جاتا ہے۔ لوہا بہت باریک تاروں میں نہیں ڈھالا جا سکتا کیونکہ ایک خاص حد پر جا کے آگے نہیں پھیلتا۔ تانبا انسان کے بال سے باریک نہیں کیا جا سکتا لیکن سونا سب سے بڑھ گیا ہے۔ ایک چاول برابر سونا کھینچ کے پانچسو فٹ لمبا کیا جا سکتا ہے۔ آدھی چھٹانک ۴۸ میل تک لے جایا جا سکتا ہے اور ۵ چھٹانک سونے کی زمین کے اردگرد ایک باریک پٹی قائم کی جا سکتی ہے۔ اس کے ورق بھی نہایت باریک بنائے جا سکتے ہیں۔ ایک چاول سونے کا ۴۷ انچ کا ورق بنایا جا سکتا ہے جس کی موٹائی ایک انچ کا ۱۳۵۰۰۰ واں حصہ ہوگی۔ اس قسم کے ۱۰ لاکھ ورق اُوپر تلے رکھنے سے ایک معمولی جار کی چپالی کے برابر اُونچائی میں رکھے جا سکتے ہیں۔

دہن کا قیافہ غنچہ دہن عورت سے خبردار رہنا چاہیئے کیونکہ وہ خود پسند، جھگڑالو اور غیر صادق ہوتی ہے۔ اور میانہ دہن کی عورت سے شادی اچھی ثابت ہوتی ہے۔ جس کے ہونٹ بھرے بھرے اور باقاعدہ ہوں اور بند ہونے کی حالت میں خط مستقیم قائم کرتے ہوں۔ ایسی عورت صادق وفادار ثابت قدم اور منصف مزاج ہوتی ہے۔ غنچہ دہن سے تو چوڑے منہ کی عورت اچھی ہوتی ہے خواہ وہ خوشنما نہ معلوم ہوتی ہو مگر اس میں باطنی خوبیاں ہوتی ہیں۔

ٹھوڑیوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیئے۔ سب سے اچھی مربع اور معقول جسامت کی ٹھوڑی سمجھی جاتی ہے جس کے بیچ میں چاہ زنخداں ہو۔ ایسی ٹھوڑی والی لڑکیاں قابل اعتبار محبت بھری اور خوش انتظام ہوتی ہیں۔ چھوٹی اور چپٹی ناک سے پرہیز مناسب ہے تاریخ میں بدترین عورتیں ایسی ہی ناک والی پائی جاتی ہیں۔ اگر چہرہ کے اور خدوخال بہتر ہوں تو پھر ایسا ناک بجائے خود بے اثر

ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر کسی اور خط میں مضبوطی یا ترنی نہ پائی جائے تو ایسی ناک خبرگی علامت ہے۔ سب سے اچھی ناک وہ ہوتی ہے جس کے بیچ میں کچھ اونچائی ہو جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہوشیار اور قابل ہے۔ سیدھی ناک کے سامنے اچھا نہ معلوم ہوتا ہو مگر ہے یہ دولت کا نشان!

جاپانی عورت

جاپان میں عورتوں نے اچھی خاصی آزادی حاصل کرلی ہے۔ گو عام طور پر جاپانی عورتیں اپنا قومی لباس پہنتی ہیں مگر امیر طبقہ کی عورتیں یورپی لباس کو پسند کرتی ہیں جب سے وہاں تعلیم نسواں پھیلی ہے اُس وقت سے اُنہیں آزادی کی کچھ ہوا لگنی شروع ہوئی ہے کچھ عورتیں کاروبار میں داخل ہو کے نمایاں ہوگئی ہیں۔ اُن کی وجہ سے تحریک آزادی نسواں میں زور آگیا ہے۔

جاپان میں ابھی بہت سے کالجوں میں عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس کے باوجود ہر پیشہ و تجارت میں انہیں رسائی حاصل ہوگئی ہے۔ بہت سی عورتیں روغن ساز اخبار نویس مکانوں کی مصور ایکٹرس ہیں۔ تھیٹروں اور فنی رقصوں میں ابھی مرد ہی حصہ لیتے ہیں اور وہی زنانہ پارٹ کرتے ہیں۔

کاروبار میں انہیں گیارہ گھنٹے کام کرکے صرف اس قدر ملتا ہے جس سے وہ اپنا پیٹ پال سکیں۔ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ چھوٹے کاروبار والے اپنی ناپ کرنے والی ملازم عورت سے کام کرنے کے اوقات میں اپنی جرابیں دھلوانے تک کا کام لیتے رہتے ہیں۔

شادی بیاہ کے سلسلے میں آزادی اچھی حاصل ہوگئی ہے۔ پہلے والدین رشتہ کرتے تھے اور دلہن لڑکے ماں باپ کے گھر اُن کی ماتحتی میں رہتی تھی اور ساس کی فرمانبرداری اس کا فرض اولین تھی۔ لیکن اب جب تک لڑکا لڑکی خود ایک دوسرے سے کچھ عرصے واقف نہ ہوں شادی نہیں کی جاتی۔ اگر وہ ایک دوسرے کو پسند نہ کریں تو گفت و شنید ختم ہوجاتی ہے۔

فیشن کی ستم ظریفی

فیشن جس چیز کا نام ہے اور جس طریقے پر چلتا ہے وہ ہماری زبان میں اندھی تقلید کہا جاسکتا ہو وضع اچھا لفظ ہے مگر وہ اس کی بجائے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ آجکل مسلمان عورتیں اپنے اچھے خاصے مقامی لباسوں کو چھوڑ کے ساڑھیاں پہن رہی ہیں جو سراسر غیر اسلامی لباس ہے۔ اونچی ایڑی کے بوٹ اُن ٹاٹ بانی اور کامدار جوتیوں کی بجائے استعمال میں ہیں جن سے ہماری عورتوں کے پاؤں سج جایا کرتے تھے۔ معلوم ہے یہ ایڑی کے بوٹ کس طرح نکلے۔ فرانس کا بادشاہ لوئی ہشتم پست قد تھا۔ درباریوں کے جھرمٹ میں وہ چھپ جاتا تھا۔ آنے والے کی نظر درباریوں ہی پر پڑتی تھی۔ جس سے اُسے شرم آیا کرتی تھی۔ ایک درباری نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے جوتوں میں اونچی ایڑی کی تجویز پیش کی۔ جب ایسے جوتے بن کے آئے اور بادشاہ نے اُنہیں پہنا تو بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اب وہ جب کھڑا ہوتا تو اپنے درباریوں کے تقریباً برابر رہتا۔

ملکہ الگزنڈرا ہمارے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کی بیوی تھیں اور یورپ بھر میں اُن کے برابر شاید ہی کوئی خوبصورت ہو انہیں گٹھیا کی سخت شکایت رہتی تھی اس لئے وہ لنگ کرکے چلا کرتی تھیں۔ اُس زمانہ کی خوبصورت عورتوں میں الگزنڈرا لنگ کا رواج ہوگیا۔ وہ اُن کی طرح لنگ کرکے چلنے کو خوبصورتی کا موازنہ سمجھتی تھیں۔ ہمارے زمانہ علی گڈھ کالج میں تاریخ کے پروفیسر براؤن لنگ کی سی چال چلا کرتے تھے گو وہ حقیقت میں لنگ نہیں کہلا سکتی تھی۔ اُس میں ایک خاص انداز تھا۔ کئی لڑکوں نے اُن کی چال فوراً باقاعدہ اختیار کرلی تھی۔ اسی طرح پروفیسر گولڈی کی طرح بولتے بولتے گھوڑے کے ہنہنانے کی سی آواز میں کھانستے اور اُن کی طرح تقریر کے زور میں بیٹھے ہوئے پتلون کے پائنچوں کو بار بار گھٹنوں سے اوپر کھینچتے رہتے۔

شاہ چارلس اول کی بیوی ہیریٹہ میریہ کے چہرے پر ایک زخم تھا جو بہتیرے علاج کرانے پر کسی طرح اچھا نہ ہوا۔ اُسے چھپانے کے لئے ایک کالے روغن کا دھبہ اُس جگہ قائم کر دیتی تھی۔ اس سے یورپ میں حُسن کی بندیوں کا رواج ہوا جو اس قدر بڑھا کہ آجکل اس کا خیال کرنے ہی سے ہنسی آتی ہے۔ ایسی تصویریں موجود ہیں جن میں اُس زمانہ کی ایک عورت کے ماتھے پر ایک گھوڑا گاڑی کا نقش ہے ہر رخسار پر ایک بڑی بندی باعثِ زینت ہے۔ ہر آنکھ کے نیچے ایک ایک ہلال ہے اور ٹھوڑی پر ایک موٹی سی سیاہ لکیر ہے۔ سب سے پہلے اس فیشن کو بند کرنے کا بیڑا کاونٹس بیڈفورڈ نے اُٹھایا جس نے اپنی مشاطہ کی رائے وبلا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے صاف چہرہ سے ۱۶۱۳ء کے ایک جلسہ میں شرکت کی۔ اس حرکت سے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے اور کانا پھوسیاں شروع ہو گئیں۔ اور حالات لکھنے والوں نے اُس پر حاشیہ آرائیاں کیں۔

ملکہ الزبتھ کے چہرے کی اُس کے مداح بیحد تعریف کیا کرتے تھے کہ اُس کے چہرہ کا رنگ ہاتھی دانت کا سا تھا۔ اُس کی ہمعصر عورتوں نے اُس سے سبقت لیجانے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اُس کی سی زردی حاصل کرنے کے لئے سفوف وغیرہ تیار کئے گئے جو طرح طرح کی دلکش شیشیوں میں بڑی قیمتوں پر فروخت ہوئے۔

انگلستان کے شاہ جیمس اول کو اپنی بزدلی کی وجہ سے ہر وقت مارے جانے کا ڈر رہتا اس لئے وہ موٹے موٹے کپڑے پہنتا تاکہ ہتھیار فوراً اثر نہ کرے چنانچہ اُمرا میں یہ فیشن ہو گیا کہ وہ ۲۳ موٹے موٹے گدے نما کپڑے پہنتے۔ اُس کے زمانے میں بدچلنی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ بارسوخ حلقوں میں مرد عورت نقاب ڈال کے چلتے تاکہ اگر وہ کسی بُری عورت یا مرد کے ساتھ جا رہے ہوں تو کسی کو معلوم نہ ہو۔ بعد میں وہاں یہ فیشن ہو گیا جس کا ظہور ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کے آخر تک رہا جس میں عموماً سیاہ جالی کا نقاب اپنی ٹوپی کے نیچے چہرے پر تانے رکھتی تھیں۔ اُس زمانہ میں بے نقاب ہونا عیب سمجھا جاتا تھا کہ فلاں عورت ننگے مُنہ نکلی ہے۔

مچھلیاں

منطقہ حارہ و منطقہ معتدلہ کے سمندروں میں زہریلی مچھلیوں کے اقسام سو سے زیادہ ہیں۔ جاپانی مچھلی فیوگو نہایت زہریلی ہے۔ اس کو عموماً وہ لوگ کھاتے ہیں جو خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔

بحرالکاہل میں ایک میل کے عمق پر ایک مچھلی اتنی زبردست ہے کہ وہ اپنے سے بڑی مچھلی کو بلا تامل سٹک لیتی ہے۔ اس کا معدہ بہت لچکدار ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے سے زیادہ بھاری قد آور اور تین گنی لمبی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ مچھلیوں کے آنکھیں ہوتی ہیں مگر یہ پتہ نہ چلا کہ وہ کتنی دُور تک دیکھ سکتی ہیں۔ ایسی مچھلیاں بھی ہیں جو اندھی ہوتی ہیں۔ وہ پانی کی لہروں سے ہر چیز کو محسوس کر لیتی ہیں جیسے انہیں آنکھوں سے ہی دیکھ رہی ہیں۔ مچھلیوں کے چلدی چھلکوں سے مصنوعی موتی بنائے جاتے ہیں۔ ان سے موٹروں کا رنگین روغن بھی تیار کیا جاتا ہے۔ گرم سمندروں کی ایک مچھلی اُچھل کے باہر آتی اور جہاں پر پانی کی سطح سے ذرا اُوپر اپنے انڈے چپکا دیتی ہے۔ نر انہیں چھوچھو کے بچے نکلنے کے قابل انڈے بنا دیتا ہے۔ پھر وہ مادہ باری باری بچے نکلنے تک اُن پر اپنے بازوؤں سے پانی چھڑکتے رہتے ہیں۔

انقلاباتِ زندگی

دولت سخت محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے آدمی شروع میں ادنیٰ حالت میں تھے۔ اُن کی کسی خوبی کو نمایاں ہونے کا موقع ملا اور وہ عروج پر پہنچ گئے۔ ایڈیسن اخبار بیچنے والے کا نوکر تھا۔ میسولینی ایک معمولی مدرس تھا۔ ہٹلر گھروں کے سامان وغیرہ پر روغن کیا کرتا تھا۔ آج ایک شخص سیلر سودا لانے پر نوکر ہے۔ اُس کی کوئی خوبی اُسے کل ممتاز بنا سکتی ہے۔ خود تم کو کیا پتہ کل بڑے آدمی بن جاؤ۔ میرا ایک ساتھی

اپنی قابلیت سے سب انسپکٹر بن گیا۔ ایک چمار کا لڑکا نائب تحصیلدار ہوگیا۔ یاد رکھو شہرت ہمارے آس پاس منڈلایا کرتی ہے۔ دنیا میں ایسے انقلابات بھی دیکھے جاتے ہیں۔ بلغراد میں ایک عورت اپنی ٹوٹی پھوٹی پلنگ کی پٹی کے سہارے ایک چھوٹے سے چھلے پر جا بجتی رہتی ہے اس لئے نہیں کہ اسے چاء کا شوق ہے بلکہ اس لئے کہ اُسے سردی لگتی ہے اور اُس کے پاس کپڑے نہیں۔ کل وہ امیرزادی تھی اور یورپ میں اُس کے حسن کی شہرت تھی۔ انقلاب رُوس نے بیرونس نتاسیہ کو اور کانٹوں کی طرح پیسہ پیسہ کو محتاج کردیا۔ بہت سے اُمرا وہاں سے نکل کے پیرس میں ہوٹلوں کے خادم موٹر چلانے والے بن کے رہنے لگے۔ شاہ چین اچانک تخت سے اُتار دیا گیا جس کے سامنے جاتے ہوئے نو دفعہ سجدہ کرنا پڑتا تھا اب وہ دانہ دانہ کو محتاج ہوگیا مگر قسمت بھی جاگی۔ جاپان نے نئی سلطنت مانچوکو قائم کرکے اُسے اس کا برائے نام بادشاہ بنادیا۔ وہ بے اختیار ہے مگر زندگی عیش و آرام سے گذار رہا ہے۔ شاہ ایران سلطان احمد شاہ فرانس میں مصروف سیاحت رہتا۔ وہاں کی حسین عورتوں کو جمع کرکے کہتا۔ آنکھیں بند کرکے اس کے ٹرنک میں سے جس چیز پر ہاتھ ڈالو لے جاؤ۔ اس میں ہیرے جواہرات بھرے رہتے تھے آخر ایک زمانہ آیا اسے معزول کردیا گیا۔ اس کی دولت بعد میں ختم ہوگئی اور وہ مفلس و قلاش مرا۔ ایک شخص کو امریکہ میں کروڑوں روپیہ ملا جسے وہ دنیا کا ہر عیش کرتے ہوئے بھی ختم نہ کرسکتا تھا۔ اُس نے جوا کھیلنا شروع کیا اور چالیس برس کی عمر سے پہلے کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگیا۔ ایک انگریز جس کے پاس ۳۰ ہزار پونڈ تھے ایک ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اُس نے کہا کہ تم چھ مہینے سے زیادہ نہ جی سکو گے وہ مطلق نہ گھبرایا۔ اُس نے اپنی باقی ماندہ چھ ماہ نہایت مزے سے گذارنے کا تصور کرلیا۔ چنانچہ اُس نے سب کچھ خرچ کردیا۔ چھ ماہ گذرے سال دو سال گذر گئے۔ موت نہ آئی۔ اب وہ ایک ڈاکٹر کے غلط اندازہ سے فقیری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

پھلجھڑیاں

دیمک سب سے زیادہ بچہ پیدا کرنیوالا کیڑا ہے۔ ایک مہینہ تک وہ برابر اسی ہزار انڈے روزانہ دیتے جاتی ہے۔

جرمنی نے شیشے سے کپڑے لکڑیوں سے جوتے اور مچھلی وغیرہ سے تیل بنانا شروع کردیا ہے۔

اوسط درجہ کی عورت اپنی زندگی بھر میں دس ماہ آئینہ دیکھنے میں صرف کرتی ہے۔ چھ سے دس سال تک وہ اوسطاً روزانہ سات منٹ اپنے عکس کو دیکھا کرتی ہے۔ دس سے پندرہ برس تک پاؤ گھنٹہ شیشہ یا گلاس کو دیکھتی رہتی ہے۔ بیس برس کی عمر تک وہ نصف گھنٹہ روزانہ اپنی تعریف میں خرچ کرتی ہے۔ اور بیس سال کے بعد اوسطاً ایک گھنٹہ روزانہ اس میں صرف ہوتا ہے۔ ساٹھ برس کے بعد یہ وقت پھر دس منٹ پر لوٹ آتا ہے۔

واٹرلو کی لڑائی کے بعد دیکھا گیا تو یورپ میں بہت سی عورتوں نے یہ سمجھ کے کہ اُن کے شوہر مارے جاچکے ہیں دوسری شادی کرلی تھی۔ اس کا انتظام یہ کیا گیا کہ جو شوہر عورت کو رکھنا چاہتا ہو وہ دوسرے کو صرف ایک شلنگ (۱۲/۱ شلنگ۔ ایک پینی) دے دیتا اور عورت کے گلے میں ایک رسی باندھ دیتا۔

ترکی میں ۷ سے ۱۶ سال تک کے لڑکے لڑکیوں کے لئے تعلیم لازمی ہے ۳۶-۱۹۳۵ء میں وہاں ۶۷۰۰ ابتدائی مدارس تھے جن میں ۹۴۹ ہزار لڑکے اور ۲۴۷۵۰۲ لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ ترکی کی کل آبادی ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ہے۔

شترمرغ کی اوسط عمر ۳۰ سال ہے اس سے سال بھر میں حالت اسیری میں ایک سیر سے دو سیر تک پر حاصل ہوتے ہیں۔

سب سے لمبی عمر وہیل مچھلی کی ہے۔ یہ پانچسو برس تک زندہ رہتی پائی گئی ہے۔ کچھوے کی عمر ۳۵۰۔ مگرمچھ کی تین سو اور ہاتھی کی سو سال ہوتی ہے۔ شیر ببر صرف ۴۰ سال زندہ رہتا ہے۔ انگلستان کے عجائب خانہ میں ایک وہیل کا سر موجود ہے جس کا وزن ۱۶۸ من ہے۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں (۱) نمبرِ خریداری کا حوالہ ہو۔ (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔ (ایڈیٹر)

بہن خریدار نمبر ۱۰۶۳۶ کی خدمت میں عرض ہے کہ جس دوا کے لئے آپ نے دریافت فرمایا ہے وہ چیچک کے داغوں کے لئے بھی مفید ہے اور مہاسوں کے داغوں کے لئے بھی۔ شب کو لگائیں، صبح منھ دھو ڈالیں، منھ دھونے کے بعد پوڈر وغیرہ استعمال کر سکتی ہیں۔ روزانہ لگائیں۔

مسز حمید　نانپارہ

بیگم عارف بیگ مراد آباد کو معلوم ہو کہ عرس سید سالار مسعود غازی کا بارہ و تیرہ و چودہ رجب کو ہوتا ہے۔ اس وقت صوفی مشائخ و قوال وغیرہ بہت لوگ باہر سے آتے ہیں۔ اور جس کو سید صاحب کا شادی بیاہ کہتے ہیں وہ ۱۸ مئی ۔ ۷ جیٹھ اتوار کو ہوگا۔ اسی روز رات کو غسل ہوتا ہے۔

بنت منظور حسن خریداری نمبر ۹۴۴۳

(ر ۔ الف) صاحبہ نے تل دور کرنے کا نسخہ جو طلب کیا ہے۔ یہ نسخہ میرا آزمایا ہوا ہے اور یہ ہے:۔ ہلدی پسی ہوئی ایک تولہ لیموں کے عرق میں ملا کر دھوپ میں رکھ دیں۔ جب سوکھ جائے تو سنگترہ کا چھلکا سوکھا ہوا ۲ تولہ۔ سرسوں سفید ۲ تولہ اور مغز کدو ایک تولہ اس میں شامل کر کے سب چیزوں کو خوب پیسیں۔ جب باریک ہو جائیں تو بھینس کا دودھ ایک چھٹانک شامل کر کے خشک کریں اور پیسہ پیسہ بھر وزن کی ٹکیہ بنا لیں۔ صبح شام ایک ایک ٹکیہ دہی میں ملا کر چہرہ پر ملا کریں۔ آدھ گھنٹہ بعد منھ دھو ڈالا کریں۔

ص ۔ ب　بریلی

دُوربین

امریکی مدد امریکہ میں بے چینی محسوس کی جا رہی ہے کہ جو اعلیٰ درجہ کا جنگی سامان بڑی لاگت پر تیار کر کے انگلستان بھیجا جائے اُسے سمندر کی نذر کرنا کسی طرح گوارا نہیں۔ چنانچہ ایسے سامان کے بچاؤ کے لئے امریکہ عملی اقدام کرنے والا ہے۔ اس نے ایک ہوائی جہاز تیار کر کے وہاں بھیج دیا ہے جس کی رفتار ۳۳ میل فی گھنٹہ ہے۔ وہ ۲۲۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بڑی بلندی پر اڑ کر بحرِ اوقیانوس کو پار کر گیا ہے۔ اس میں بار برداری اور بعد مسافت کا انتظام بے مثل بتایا جاتا ہے۔ امریکہ نے گرین لینڈ کو جو ڈنمارک کا مقبوضہ تھا اپنی نگرانی میں لے کر مستحکم کر لیا ہے۔ مشرقی افریقہ میں اطالوی سلطنت ختم ہو جانے کے بعد اس نے اپنے سامان رسد وغیرہ کے جہازوں کو بحرِ قلزم میں چلنے کی اجازت دیدی ہے۔ کیونکہ اب دشمن کا خطرہ نہیں رہا۔ امریکہ نے فرانس، جرمنی اور اطالیہ کے اُن جہازوں پر جو جنگ شروع ہونے کے وقت اس کی بندرگاہوں میں رک گئے تھے تا اختتامِ جنگ قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے ان ملکوں میں سخت ناراضگی پھیل گئی ہے۔

انگلستان اور ہوائی حملے بلقان کی لڑائی کے ساتھ ساتھ انگلستان پر ہوائی حملوں کا زور شروع ہو گیا ہے۔ بڑے بڑے کاروباری شہروں اور بندرگاہوں میں تباہی پھیلائی جا رہی ہے۔ انگریز بہت زبردست مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور جرمن کے جہازوں کی بڑی تعداد کو تباہ کر رہے ہیں۔

بلقان میں شورِ محشر یوگوسلاویہ نے جرمنی کے اتحادِ ثلاثہ کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ مگر جیسے ہی وزرا ویانا سے واپس آئے

ں میں انقلاب برپا ہوگیا۔ اور نابالغ شاہ پیٹرس نے زمام حکومت خود سنبھال لی۔ اور معاہدہ پر دستخط کرنیوالے وزراکو قید
یا اور نئی وزارت قائم کرادی۔ جس میں ایک نیا وزیراعظم مقرر کردیا۔ جو اتحاد ثلاثہ کا مخالف تھا۔ جرمنی نے بطائف الحیل نئی حکومت
پنے ساتھ ملانا چاہا۔ اور اس اثنا میں رومانیا اور بلغاریہ کی سرحدوں پر فوجی نقل وحرکت شروع کردی۔ برطانیہ اور امریکہ نے
نان کی طرح اُسے بھی اپنی امداد کا یقین دلایا۔ جرمنی نے آخر مایوس ہوکر یگوسلاویہ اور یونان دونوں کے خلاف اعلان جنگ
ردیا۔ اور اپنی فوجیں فوراً کئی سمتوں سے دونوں ملکوں میں داخل کردیں۔ سخت جنگ کے بعد جرمنی نے بڑھنا شروع کردیا۔
لونیکا پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح بحیرۂ یونان میں اسے دسترس حاصل ہوگئی۔ اور مقدونیہ اور تھریس پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا۔ اس
قہ سے وہ یونان اور ترکی کے بیچ میں حائل ہوگیا۔ شمالی اور جنوبی یگوسلاویہ میں بھی وہ دُور دُور تک بڑھ گیا۔ نغرب نشیں
ولی۔ مناستر پر قبضہ کرکے اس نے اس ریاست کو بالکل گھیرے میں لے لیا اور برطانوی فوجوں سے بالکل الگ کردیا۔
ہنگری نے بڑھ کر اُن علاقوں پر قبضہ کرلیا جو ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں نے اس سے الگ کرکے سرویہ کو دیدیئے تھے اور ان
ب کا مجموعی نام یگوسلاویہ مقرر کردیا تھا۔ کروشیا کو ایک نئی ریاست بناکر وہاں جرمنی نے ایک نئی حکومت قائم کردی
ں میں ایک مسلمان وزیر بھی ہے۔ جنگ گذشتہ میں جو ریاستیں آسٹریا سے کاٹ کر یگوسلاویہ کے نام سے سرویہ کے ساتھ ملا
ی گئی تھیں۔ جرمنی نے ان سب کو فتح کرکے آج ایک علیحدہ نظام قائم کردیا ہے۔ بلغراد فتح ہونے کے بعد جلد جلد دوسرے
ے شہروں پر بھی جرمنی کا قبضہ ہوگیا۔ اس طرح یگوسلاویہ کی سلطنت ختم ہوگئی۔ اور اس کا لشکر پاش پاش ہوگیا۔ مگر اس کے
شر دستے بعض بعض جگہ جنگ چپاول کرنے کی ٹھان چکے ہیں۔ بلغراد میں ہوائی تاختوں سے نہایت سخت نقصان جان و مال ہوا ہے۔

رابلس میں جنگ

جرمنی فوجوں اور اُس کے ٹینکوں کی کچھ موجودگی کا حال پچھلے دنوں سرسری طور پر معلوم ہوا تھا۔ اچانک سُنا گیا کہ ان میں حرکت ہوئی اور العقیلہ پر انگریزی فوجوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ انگریزوں
حالات کی نزاکت کا اندازہ کرکے پسپائی شروع کردی۔ اس مقام پر دشمن سے لڑنے میں انہیں جنگی کمزوری نظر آئی۔ اس لئے
وں نے اپنی پسند کردہ خط مدافعت پر رجعت قہقری کرتے ہوئے بنغازی، بارقہ، وغیرہ خالی کردئے۔ طبروق پر استحکامات
دہ کئے گئے۔ باردیہ قلعہ بکازو فتح کرنے کے بعد جرمنی کی فوجیں سرحد مصر میں داخل ہوگئیں۔ اور اُنہوں نے سلوم پر قبضہ
یا۔ اس مقام پر انگریزوں نے دشمن کی پیش قدمی کو روک دیا اور سخت جنگ شروع ہوگئی۔ انگریزی ہوائی جہاز روزمرہ
ت کرکے طرابلس کے ہوائی اڈوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دشمن نے صقلیہ اور اطالیہ کی تنگنائے میں
یں بچھادی ہیں۔ اور رسد، فوج وسامان جنگ ٹیونس کے راستہ افریقہ پہنچایا جارہا ہے۔ جب طرابلس سے انگریزی فوجیں
نا بھی گئیں۔ دشمن نے موقع دیکھ کر پیشقدمی شروع کردی

لوی ہزیمت

انگریزوں نے بجلی کی سی تیزی سے اریٹریا کو فتح کرلیا۔ قرین پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ اس کے بعد اسمارا اور مصوع کی زبردست بندرگاہ انگریزوں کے
ئی۔ برطانوی شمالی لینڈ بھی اطالویوں سے اُنہوں نے واپس لے لیا۔ حبش میں بھی فوجی دستوں نے جگہ جگہ حملہ کرکے
و اڈوا وغیرہ فتح کرنے کے بعد اس کے پایۂ تخت عدیس ابابا کو تسخیر کرلیا۔ پانچ سال کے بعد اس مقام پر پھر حبشی پھریرہ
وں کی مدد سے لہرانے لگا۔ اطالوی سمالی لینڈ بھی فتح کرلیا گیا۔ گویا مشرقی افریقہ میں اطالوی حکومت بالکل ختم ہوگئی۔ ڈیس
س پاس اطالوی باقیماندہ فوجیں ایک قسم کی جنگ چپاول کررہی ہیں۔ مگر یہ مقابلہ عارضی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ چاروں

[illegible] کے لئے ہتھیار رکھ دینے کے سوا اور چارۂ کار نہیں رہتا۔

جاپانی نقل وحرکت

وزیر خارجہ جاپان مسٹر مٹسوکا برلن اور روم میں سیاسی بات چیت کرنے کے بعد ماسکو گئے اور وہاں چند روز قیام کرکے روس سے معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ طرفین میں سے کسی ملک کو اگر جنگ میں کودنا پڑے تو دوسرا ملک غیر جانب دار رہیگا۔ اس کے کھلے طور پر یہ معنی ہیں کہ اگر جاپان موجودہ جنگ میں شریک ہو جائے تو اُسے روس کی طرف سے کسی قسم کا خدشہ نہ ہوگا۔ اور وہ یکسو ہوکے اپنے حریفوں سے برسرپیکار ہوسکتا ہے۔

جاپانیوں نے شنگھائی میں چھتریوں سے دس ہزار فٹ کی بلندی سے ہوائی جہازوں سے کودنے کے کرتب دکھائے۔ کئی روز تک غیر ممالک کے چینی علاقوں پر جاپانی بم بار اور سپاہ لے جانے اور رسد لینے والے جہاز پرواز کرتے رہے۔

ترکی کو خطرہ

مقدونیہ اور تھریس فتح ہو جانے کے بعد ترکی بحیرہ اسود کے علاوہ بحیرہ روم کی طرف سے بھی جرمنی کے گھیرے میں آگیا ہے۔ عراق میں جو نئی وزارت قائم ہوئی ہے، وہ جرمن کی طرفدار بتائی جاتی ہے۔ انگریزی فوج عراق پہنچ گئی ہے، تاکہ حفاظت رہے۔ شام میں جو مظاہرے اور شورشیں ہو رہی ہیں، ان میں بھی جرمنی کا ہاتھ بتایا جاتا ہے۔ ترکی کے ساحل کے برابر جزائر ڈوڈیکنیز واقع ہیں جن پر اٹلی کا قبضہ ہے۔ اب بلقان میں جرمنی کا غلبہ ہو جانے کے بعد ان جزائر کا اُس کے استعمال میں آجانا بہت ممکن ہو گیا ہے۔ استنبول اور اناطولیہ کے بڑے بڑے شہر لوڈ سے بچوں اور عورتوں سے خالی کئے جا رہے ہیں۔ چھتریوں سے اترنے کی مشق زوروں سے جاری ہے۔ جرمنی طرابلس کی طرف سے مصر کی سرحد میں داخل ہو گیا ہے۔ جرمنوں نے اپنی فوجیں ترکی سرحد سے ہٹالی ہیں۔ دیکھئے ترکی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ ترکی نے غیر جانب دار رہنے کا عزم ظاہر کیا ہے اُس پر حملہ ہوگا تو وہ ضرور شدت سے مقابلہ کرے گا۔

تاروں کا جُھرمٹ

مدراس میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ اس میں مسٹر جناح نے بتایا کہ پاکستان ہی ہندو مسلم قرخشوں کا حل ہے اور مسلمان ہندوستان میں کسی اور نظام کو پسند نہ کریں گے۔

میکسیکو (امریکہ) میں بڑے زور کا زلزلہ آیا۔ ایک مقام پر ۱۵ ہزار آدمی مر گئے ۱۲ ہزار فٹ اونچا آتش فشاں پہاڑ کالی ما برابر آگ اُگل رہا ہے۔ جو اس کے نشیبی علاقوں میں لاوا کی صورت میں بہہ بہہ کے گاؤں کو خاک سیاہ کرتا جا رہا ہے۔ لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی لڑکی مس اندرا نہرو یورپ سے بخیر ہندوستان واپس آگئی ہیں۔

مسنر دیش کو لاہور ہائیکورٹ کے ایڈوکیٹ کے طور پر وکالت کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ یہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں۔

مسز حسینہ فرشد ایم۔ ایل۔ اے۔ بنگال اسمبلی کی پارلیمنٹری سکرٹری مقرر ہوئی ہیں۔ اُن کے شوہر بنگال کے وزیر کے چیف سکرٹری ہیں۔

ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ہوئے ہیں۔

وزیر اعظم بنگال نے وہاں کے ہر کالج و مدرسہ کے منتظمین کے نام حکم جاری کیا ہے کہ وہ مسلمان طلباء کو نماز ظہر ادا کرنے کے لئے روزانہ نصف گھنٹہ کی چھٹی دیا کریں۔

لاہور میں ہوائی حملے کے بچاؤ کی تدابیر کے سلسلہ میں ۱۸ پردہ دار عورتوں کو بھی آگ بجھانے کے کام کی تربیت دی گئی ہے۔ آگ بجھانے کا کام اب تک ۱۷۹۹، آدمیوں کو سکھایا جا چکا ہے۔

امرتسر میں سونا دو (۲) روپے تولہ ہو گیا

ناظرین دیکھئے اس سونے کے متعلق دنیا کیا کہتی ہے۔ جس گھر میں یہ اصلی امریکن نیو گولڈ گیا وہاں سے دوبارہ سہ بارہ فرمائش آئی۔ یہ سونا ایک لاجواب چیز ہے۔ اصلی سونے اور اس سونے میں کچھ بھی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

جناب لالہ رام پرکاش صاحب ساہنی دہلی سے ۱۰ نومبر کو تحریر فرماتے ہیں آپ کا امریکن نیو گولڈ کا پارسل ملا۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ چیز واقعی کمال کی ہے آپکے امریکن نیو گولڈ اور اصلی سونے میں کوئی فرق نہیں۔ آپنے اس نئی چیز کو تیار کر کے دنیا کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کر دکھایا ہے۔ پندرہ تولہ سونا فوراً میرے دوست کیلئے ارسال کر دیں۔ اس کے بعد آپ کا اور بھی آرڈر دیا جاویگا۔ یہ سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اصلی سونے کی طرح گرنا اور پگھلایا جاتا ہے۔ بالکل اصلی سونے کے برابر ہے جو تیار ہے صرف جوہری ہی مشکل سے پہچان سکتا ہے اس کے وضع نئے زیورات ہر جگہ پسند کئے جاتے ہیں۔ اس سے ہر قسم کے زیورات آجکل کے فیشن کے مطابق تیار ہو سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا فرمائش کو غلط ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائیگا۔ قیمت صرف مشہوری کی خاطر ایک تولہ دو روپیہ (۲) تین تولہ پانچ روپے آٹھ آنہ چھ تولہ دس روپے پندرہ تولہ بائیس روپیہ چالیس تولہ پچاس روپیہ۔ ضروری نوٹ: تین تولہ کے خریدار کو پیکنگ خرچ معاف چھ تولہ یا اس سے زیادہ منگوانے والے خریدار کو محصول ڈاک و پیکنگ دونوں بالکل معاف۔ پندرہ تولہ کے خریدار کو ایک عدد اصلی گھڑی بالکل ٹھیک وقت دینے والی چابی ۲۴ گھنٹہ گارنٹی دس سال مفت بطور انعام دی جاوے گی۔

گارنٹی: اگر پسند نہ ہو تو قیمت فوراً واپس ہوگی۔ جلدی منگوالیں ورنہ ختم ہونے پر مایوس ہونا پڑے گا۔

ملنے کا پتہ: مسرز امریکن جیولری کمپنی (پی) او بکس 27/۴ آئی ڈی - امرت سر (پنجاب)

جھوٹ بولنا حرام ہے

میں اپنے بھائیوں کے لئے اپنے قیمتی سینہ کے راز کو ظاہر کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا وہ سرمایہ ہے جس کے حاصل کرنے میں میں نے ہزاروں روپیہ صرف کر دیا تھا اور برسوں محنت کی تھی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد ان رازہائے سربستہ کو چھپا کر رکھنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر ضرورت مندوں نے مجھ کو مجبور کر دیا کہ کیوں نہ خلق خدا کو اس گوہر گرانمایہ اور کلام الٰہی کی برکت سے مالا مال کیا جائے۔ اس لئے میں بے کم و کاست آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اور خدا کو حاضر ناظر جان کر عرض کئے دیتا ہوں۔ کہ مندرجہ ذیل نقش و تعویذ سے کبھی ناکامی نہ ہوگی۔ میں چند پیسوں کی خاطر اپنے ایمان کو فروخت نہیں کروں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے تمام بھائی میرے ایماندارانہ قول کو سچا سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور کامیابی کے بعد فقیر کے لئے دعائے خیر کریں گے۔ تعویذ و نقش حسب ذیل ہیں۔ جن کا ہدیہ بہت ہی قلیل ہے۔ اور یہ تمام لفافے کے اندر بذریعہ وی۔ پی۔ رجسٹری کے روانہ کئے جاتے ہیں۔ ہدیہ کے علاوہ رجسٹری لفافہ کا خرچہ چار آنے اور آتا ہے۔

نقش بشارت۔ یہ نقش ہر کام کی کامیابی اور ناکامی کی بشارت دیتا ہے۔ رات کو اپنے سرہانے رکھ کر سو جاؤ۔ اور کام کا تصور دل میں رکھو۔ سوتے میں بشارت ہو جائے گی بیاہ۔ شادی۔ مریض کی بیماری۔ تجارت میں کامیابی یا ناکامی غرضیکہ اس کا موکل خواب میں آکر جواب دیتا ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنہ۔

تعویذ دولت۔ مفلسی میں خدا ہی یاد آتا ہے۔ خدا کسی کو مفلس نہ کرے۔ مفلسی دور ہونے کی جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آجائے یا روپیہ کی ترقی رک جائے تو اس متبرک تعویذ کی مدد سے آپ کی مفلسی دور ہوگی۔ روپے پیسے میں رکھ دینے سے دولت کی زیادتی ہوگی اور تعجب انگیز طریقہ سے آمدنی کے ذرائع پیدا ہوں گے۔ بس خدا کی قدرت نظر آئے گی ہدیہ سوا روپیہ۔

محبت کی ڈوری۔ میرے بزرگ نے صرف مجھ کو اجازت دی تھی کہ یہ ایسے ضرورت مندوں کو جو جائز طور پر طلب کریں دیا جائے اس لئے میں اس محبت کی ڈوری کو ضرورت مند بہنوں کے لئے پیش کر رہا ہوں کہ اگر ان کی اپنے شوہر سے لڑائی رہتی ہو۔ یا شوہر کی طبیعت ان کی طرف سے ہٹی ہوئی ہو یا شوہر غصہ ور ہو۔ بیوی سے ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا پڑتا ہو تو یہ تعویذ آپس کی محبت بڑھانے میں محبت کی زنجیر ثابت ہوگا۔ چند ہی دن میں سارے جھگڑے ختم ہو کر شوہر بیوی کا غلام بن جائے گا۔ یہ خدا کے کلام اور اس کے مقرب بندوں کی برکت ہے کہ ہر جائز محبت کے وقت اس تعویذ معظم کی برقی قوت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور ضرور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ہدیہ صرف ڈہائی روپے۔

اقرار۔ ہر ضرورت مند بہن بھائی کو یہ اقرار کرنا ہوگا۔ کہ میں اپنے سوا کسی دوسرے کو ان نقش و تعویذ کے استعمال کی ترکیب یا نقل نہ بتاؤں گا۔ پتہ:۔

عامل نواب میاں شاہ صاحب چشتی حکیم آغا جان (ع)، دہلی

خوبصورتی کی اشیاء اور مفت انعام
ہر عورت کو ضرور ملے گا!
عصمتی بہنوں کیلئے ہم اپنی فرم کی طرف سے چند خوبصورتی کو بڑھانے اور خوشبو سے دل و دماغ کو معطر کرنے والی چیزیں پیش کرتے ہیں جن کی تعریف شریف بیگمات اور سینکڑوں اخبارات نے کی ہے۔ اور جو حقیقتاً نایاب اور بے مثل چیزیں ہیں۔ منگا کر تجربہ کیجئے۔ آپ ہمیشہ کے لئے گرویدہ ہو جائیں گی۔
فلاور سینٹ
یہ سینٹ اپنی خوشبو اور مہک کی وجہ سے ہزاروں عورتوں کے روزانہ استعمال میں رہتا ہے۔ اس کے چند قطرے کپڑوں پر لگا لینے سے سارا گھر مہک جاتا ہے۔ اس کی خوشبو دیرپا اور دل پسند ہے مست و معتدل خوشبو دل و دماغ کو معطر رکھتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔
فلاور سنو
چہرہ کو خوبصورت کرنے، داغ دھبوں کو دور کرنے اور جلد کی رنگت کو گورا کرنے کیلئے بہت مشہور چیز ہے یورپین عورتیں اسکو بہت پسند کرتی ہیں اور ہندوستانی عورتوں میں بھی اسکو ہزارہا گھروں میں روزانہ استعمال کیا جا رہا ہے چہرہ کی دلکشی اور رنگت کو گورا کرنے کے لئے ایک لاجواب تحفہ ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔
شاہی منجن
دانتوں کی ہر خرابی کا واحد علاج ہے۔ دانت ہلنے لگے ہوں۔ دانتوں میں درد رہتا ہو۔ مسوڑوں نے دانت چھوڑ دیے ہوں۔ دانتوں کی ریخوں میں میل جم گیا ہو۔ دانتوں سے خون اور پیپ جاری رہتا ہو۔ منہ سے بدبو آتی ہو۔ تو اس منجن کا استعمال کیجئے پچاس سال سے اس منجن کی شہرت ہے اور دنیا کے ہر ملک میں اسی کی مانگ ہے کیونکہ اس کے فوائد ایسے ہیں کہ ہر عورت و مرد اس کے استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ ایک شیشی منگا کر تجربہ کیجئے ہلتے دانت نہ جم جائیں تو ہمارا ذمہ۔ پہلے ہی دن سے خون اور پیپ کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ ایک شیشی دو مہینہ تک کام دیتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔
رخساروں کی سرخی
یا گلابی کریم۔ عورتوں کیلئے یہ بھی عجیب تحفہ ہے۔ رخساروں کو سیب کی مانند سرخ بنانے کے لئے اس بہترین خوشبودار کریم کا استعمال کرنا چاہئے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی مصنوعی چیز لگائی گئی ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ کسی چیز کی ایک شیشی منگانے پر محصول ڈاک کا خرچ آٹھ آنے لگے گا۔ چاروں چیزیں یکجا طلب کرنے والی بہنوں کو محصول ڈاک معاف اور ایک عدد اصلی سونے کی ناک کی کیل بطور یادگار مفت دی جائے گی۔
منگانے کا پتہ۔ سعید برادرس اینڈ کمپنی کلاں محل۔ آئی۔ ڈی دہلی

رسالہ عصمت دہلی

تینتیسواں ۳۳ سال	بابت ماہ جون سنہ ۱۹۴۱ء	جلد ۶۶ نمبر ۶

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک چار روپے ممالک غیر سے دس شلنگ - قسم خاص آرٹ کاغذ کا اڈیشن - دس روپے
روسا سے پچیس روپے - والیان ریاست سے سو روپے

ممالک غیر سے - ایک پونڈ فی پرچہ ایک روپیہ

رسالہ عصمت ہندوستان کے بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں پر میسرز اے ایچ وہیلر کے بک اسٹال پر بھی ۵ ر میں ملتا ہے

باہتمام ابوامین مولوی محمد امان الرحمن پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپا

پہلے اسے پڑھ لیجئے

سنہ میں باوجود اس کے کہ اشاعت میں کوئی خاص فرق نہیں ہوا عصمت کو کافی مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ بعض بہنوں نے عصمت کی خدمات اور اپنے اخلاقی فرائض کو بالکل ہی نظر انداز فرما کر بے دردی سے وی پی واپس کئے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ کاغذ وغیرہ کی گرانی بڑھتے بڑھتے ناقابل برداشت سی ہوگئی۔ پھر ڈاک خانہ نے بھی محصول بڑھا دیا۔ ان مشکلات کا سامنا کرنے اور عصمت کی شان قائم رکھنے کے لئے بہترین صورت یہ تھی جیسا کہ بہت سے پرچوں نے کیا ہو کہ چندہ میں اضافہ کردیا جاتا یا ضخامت کم کردی جاتی یا پھر جس قیمت کے کاغذ پر پہلے رسالہ شائع ہوتا تھا اس قیمت کا کاغذ لگایا جاتا چاہے کتنا ہی خراب ہوتا۔ مگر ہم نے نہ چندہ بڑھایا نہ صفحات کم کئے اور نہ کاغذ بدلا محض اس اُمید پر کہ معاونین عصمت موجودہ مشکلات کا مقابلہ کرنے میں ہمیں مدد دیں گے۔ اگرچہ انہوں نے اس ششماہی میں بھی توجہ نہ فرمائی تاہم ہم اُن کی طرف سے مایوس نہیں ہوئے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ جس وقت انہیں یہ احساس ہوگیا عصمت ان کی معاونت کا مستحق ہے وہ فراخ حوصلگی سے اسکی مدد فرمائیں گے۔ گذشتہ بیس سال میں عصمت نے کبھی اپنے ناظرین سے کسی قسم کی اپیل نہیں کی اور اس وقت بھی کاغذ وغیرہ کی ہولناک گرانی سے پریشان ہو کر یہ چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ عصمت کی خدمات کوئی وقعت رکھتی ہیں اور اس ناچیز پرچے سے خواتین کو واقعی کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے تو اس کی قدر دان بہنوں کا فرض ہے کہ وہ اس وقت اس کی مدد کریں اور اُن کی امداد کے یہ طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) عصمت کی خوبیاں اور خصوصیات اور اس کی خریداری کے فائدے اپنی سہیلیوں اور ملنے والیوں کو بتائیے اور انہیں رسالہ کی خریداری کی ترغیب دیجئے۔ اگر واقعی آپ عصمت کو پسند کرتی ہیں تو ایک ایک دو دو خریدار ضرور دے سکتی اور اس طرح اس نازک موقع پر اسکی مدد کرسکتی ہیں۔

(۲) اگر کسی وجہ سے آپ عصمت کو کوئی خریدار نہ دے سکیں اور خدا کے فضل و کرم سے آپ کی مالی حالت اچھی ہو تو آپ خود چندہ دے کر غریب اور کم استطاعت عورتوں کے نام عصمت جاری کرا سکتی ہیں۔ علمی خیرات بھی ایک بڑی نیکی ہے۔ کیا آپ کا دل خوش نہ ہوگا کہ آپ کے روپیہ سے کئی یتیم نادار یا بیوہ لاوارث عورتیں سال بھر تک عصمت سے فائدہ اٹھاتی رہیں گی۔

(۳) آپ کوئی خریدار بھی نہیں دے سکتیں یا کسی غریب بہن کے نام اپنے طرف سے رسالہ جاری بھی نہیں کرا سکتیں تو عصمت بکڈپو کی کتابیں منگائیے جو ہندوستان بھر میں زنانہ لٹریچر کا سب سے بڑا دارالاشاعت ہے اور جس کی مطبوعات کے بغیر یقیناً کوئی کتب خانہ ہرگز مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ مطبوعات عصمت اب نہیں تو کبھی نہ کبھی آپکو ضرور منگانی پڑیں گی لیکن اس وقت کتابوں کی خریداری آپ کے پرچہ کی مدد ہوگی۔ نئے خریدار وغیرہ یا اپنی طرف سے نادار عورتوں کے نام رسالہ جاری کرانے اور معقول رقم کی کتابیں منگانیوالی بہنوں کے نام جولائی نمبر سے ماہوار شکریہ کیساتھ شائع ہونگے۔

(۴) ان تینوں صورتوں میں سے کسی طرح بھی اگر آپ عصمت کی مدد نہیں کرسکتیں تو عصمت کو اس نقصان سے تو یقیناً بچا سکتی ہیں جو وی پی کی واپسی سے اسے اُٹھانا پڑتا ہے۔ آپ کے چندے کی میعاد جس ماہ ختم ہوتی ہے اس سے ایک ماہ پہلے رسالہ میں خریداری نمبر درج کر کے اطلاع دیدی جاتی ہے آئندہ آپ کو عصمت کی ضرورت نہ ہو تو کیا یہ بھی کچھ مشکل ہے کہ فوراً ایک پوسٹ کارڈ پر انکاری اطلاع دفتر کو دیدیں کہ آئندہ کے لئے رسالہ بند کردیا جائے۔ اور وی پی نہ بھیجا جائے۔

عصمت خاموشی کے ساتھ ۴۳ سال سے آپکی خدمت میں مصروف ہے اس وقت وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہے اور حق رکھتا ہے کہ آپ اسکی مدد کریں تاکہ کاغذ وغیرہ کی گرانی کا اور زیادہ اثر اس پر نہ پڑے اور وہ آپکی خدمت اور بھی مستعدی اور سرگرمی سے کرسکے لیکن اگر آپ اسے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں تو کیا وہ یہ بھی حق نہیں رکھتا کہ اسے نقصان سے تو محفوظ رکھا جائے؟

راز‌ق الخیری

چند باتیں

عصمت کا تینتیسواں سال اس پرچہ کے ساتھ ختم ہوگیا۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ اس سال عصمت نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی لیکن یہ کہنا بھی یقیناً غلط نہ ہوگا کہ جن حالات میں عصمت نے اپنی تمام خصوصیات اور روایات کو قائم رکھا ہے یہ بھی معمولی بات نہیں ہے۔ مضامین مجموعی طور پر سالہائے گذشتہ سے بہتر نہیں تو یقیناً گھٹے بھی نہیں رہے جہاں مضامین کا معیار بلند رہا، وہاں تعلیم یافتہ خواتین کی عام دلچسپی اور ضروریات بھی نظرانداز نہیں کی گئیں۔ خواتین کے مذاق اور مطلب کے مضامین مختلف موضوعوں پر بہتر سے بہتر شائع کرنے کی کوشش کیگئی۔ عصمت کی مخصوص اور ممتاز اہل قلم خواتین و حضرات کے علاوہ متعدد نئے مضمون نگاروں نے بھی اپنے قابل قدر خیالات اور گراں بہا مفید تجربوں مشاہدوں اور مشوروں سے پرچہ کو مفید اور دلچسپ بنانے میں حصہ لیا۔ پابندیٔ وقت کے لحاظ سے سال بھر میں ایک دن کا بھی فرق نہیں آیا۔ تصاویر البتہ سالہائے گذشتہ کے مقابلہ میں کم شائع ہوئیں مگر یہ حقیقت بھی نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے کہ گو مضمونوں کے صفحات کا ماہوار اوسط ۳ ، سے کم نہیں لیکن بہت سے صفحے باریک لکھواکر ۱۰۰ سے کم ۱۰۰ صفحوں کے مضامین ہر ماہ شائع کئے گئے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کی وجہ سے کاغذ وغیرہ کی قیمت اس قدر بڑھ گئی کہ یورپ تک کے اخبارات و رسائل کے ہوش اُڑ گئے۔ خود ہمارے ملک میں بہت سے مشہور اور کامیاب اخبارات و رسائل نے جنکو رؤسا و امرا کے طبقہ سے کافی مدد ملتی رہتی ہے اور جن کی آمدنی اشتہارات سے بھی کثیر ہوتی ہے۔ ضخامت کم کردی یا چندے بڑھا دیئے یا بالکل گھٹیا کاغذ لگانے لگے۔ عصمت کے لئے جس کی آمدنی صرف خریداروں کا چندہ ہے۔ یہ سال کس قدر پریشانی کا رہا اس کا اندازہ بآسانی نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے نہ چندہ بڑھایا۔ نہ صفحے کم کئے نہ گھٹیا قسم کا کاغذ لگایا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی ہزار روپے کا نقصان اس سال اٹھانا۔ بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قرض لینا پڑا۔ اب تک تو جس طرح ممکن ہوا کوشش کی گئی کہ عصمت کی ظاہری شان میں بھی فرق نہ آنے لیکن جنگ کی حالت روز بروز خراب اور کاغذ وغیرہ کی گرانی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ اگر عصمتی بہنوں نے اپنے پرچہ کی مدد نہ کی تو ہم کب چندہ بڑھانے یا صفحات کم کرنے یا گھٹیا قسم کا کاغذ لگانے پر مجبور ہوجائیں گے۔

جولائی ۴۱ء سے عصمت کا چونتیسواں سال شروع ہوتا ہے اور حسبِ سابق آیندہ پرچہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ عصمت کے سالگرہ نمبر جیسے بھلے بھی ہوتے ہیں عصمتی بہنیں اچھی طرح جانتی ہیں لہٰذا اس کے مضامین اسکی تصاویر اور اسکی ضخامت کے بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ عرض یہ کرنی ہے۔ ۳۰ جون کو سالگرہ نمبر تمام خریداروں کی خدمت میں روانہ کردیا جائیگا۔ ڈاکخانہ کی غفلت سے جن خریداروں کو وقت پر پرچہ نہ ملے وہ ۵ تاریخ کے بعد مگر ۸ تاریخ تک خریداری نمبر کے حوالہ سے دفتر کو ضرور اطلاع دیدیں زیادہ وقت گذر گیا اور انہوں نے پرچہ نہ ملنے کی اطلاع دفتر کو نہ دی تو پھر ممکن ہے دوبارہ قیمتاً بھی سالگرہ نمبر نہ مل سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس پرچہ میں اُن خواتین و اصحاب کے خریداری نمبر صفحہ ۴۸ کے بعد شائع کئے جارہے ہیں جن کا سال خریداری یا میعاد خریداری اس جون کے پرچہ کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ ان سے درخواست ہے کہ آئندہ سال کا چندہ منی آرڈر کے ذریعہ روانہ فرمادیں اور اگر آئندہ خریدار رہنا نہ چاہیں تو منیجر کو جلد سے جلد مطلع فرمادیں تاکہ سالگرہ نمبر وی پی حاضر نہ ہو۔ اس وقت جبکہ کاغذ وغیرہ کی گرانی اور دوسری مشکلات نے ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔ وی پی کی واپسی ناقابل برداشت نقصان کا باعث ہوگی۔

راز ق الخیری

شیخ محمد اکرام مرحوم

موت یوں تو ہر شخص کی قابلِ افسوس ہوتی ہے مگر دل میں ہوک اٹھتی اور کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے اُس زندگی کے ختم ہونے پر جس کا ایک بڑا حصہ تکلیفیں اٹھا اٹھا کر قوم کی بے لوث خاموش خدمت میں بسر ہوا ہو اور آنکھ سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں اس شخص کے اُٹھ جانے سے جس میں بہت سی انسانی خوبیاں جمع ہوں اور اخلاص کا بنا ہوا، وقت اس کی عمر سے پہلے اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہو۔

عصمت، مخزن اور تمدن کے سابق ایڈیٹر شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا، ایڈیٹر انیس نسواں کے نام سے آج تیس سال پہلے کی دنیائے نسواں اور دنیائے ادب اچھی طرح واقف ہے۔ شیخ صاحب مرحوم ہی کے زیرِ ادارت میں مخزن مرحوم اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ شیخ صاحب مرحوم ہی کی ہمت سے عصمت عالمِ وجود میں آیا، شیخ صاحب مرحوم ہی کے مشورہ سے تمدن جاری ہوا۔ آہ افسوس ساڑھے تین ماہ کی علالت کے بعد ۲۴ مئی کو شیخ محمد اکرام صاحب کا بعمر ۵۰ سال دہلی میں انتقال ہو گیا۔

عصمت کو جاری ہوئے دو سال ہو چکے تھے کہ شیخ صاحب مرحوم بیرسٹری کے لئے ولایت گئے مگر دورانِ قیام یورپ میں بھی انہوں نے مضمون نگاری جاری رکھی۔ ہندوستان واپس آکر یوپی اور پنجاب میں پندرہ سال تک پریکٹس کرتے رہے یہاں تک کہ سرکاری وکیل ہو گئے لیکن اس زمانہ میں بھی وہ اپنی بہنوں اور اپنی زبان کی خدمت سے غافل نہیں رہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے پرائمری اور مڈل کے نصاب تیار کرنے کے علاوہ کئی قابلِ قدر کتابیں لکھیں۔ پنجاب کے ادیبوں میں سر عبدالقادر، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا سالک تین ادیب ایسے ہیں جن کی زبان اور لب و لہجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پنجابی ہیں ورنہ کیا بڑا اور کیا چھوٹا جو ادیب یا شاعر ہے اس کی تحریر اور گفتگو سے فوراً ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ پنجابی ہیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب خدا مغفرت کرے لاہور کے رہنے والے تھے مگر دلی کی زبان پر اس قدر قدرت حاصل کر لی تھی کہ ان کی تحریر یا ان کی گفتگو اور ان کے لب و لہجہ سے شبہ ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پنجاب کے ہیں۔ دہلی میں رہتے رہتے وہ دلی والے ہو گئے تھے اور اپنے نام کے ساتھ دہلوی لکھنے لگے تھے اور حق یہ ہے کہ وہ آجکل کے بہت سے دلی والوں سے اچھی زبان لکھتے تھے۔ شیخ صاحب بہت خاندار اور بڑی محبت کے انسان تھے۔ وجاہت ان کے بشرہ سے ٹپکتی اور دلالت ان کے چہرہ پر برستی تھی۔ صداقت ان کی خصلت تھی اور مروت ان کی عادت۔ ان کے پاس ریا کا کام تھا نہ دغا کا نام۔ تصنع سے دور، خلوص میں چکنا چور، شرافت کی تصویر، خلقِ اکرم کا مجسمہ۔ آجکل کی دنیا مطلب اور غرض کی دنیا ہے شیخ صاحب کی دنیا ایثار اور محبت کی دنیا تھی۔ ان کا شباب جس قدر شاندار گذرا بڑھاپا اتنا ہی ستادی۔ ۱۹۳۳ء سے تکالیف جسمانی و روحانی جو شروع ہوئیں تو جان ہی لے کر ٹلیں۔ پہلے فالج گرا اس کے بعد کاربنکل کا اپریشن ہوا۔ پھر آئے دن جگر کی خرابی اور معدہ کی شکایت، ان جسمانی تکلیفوں کے ساتھ ساتھ فکرِ معاش تھا جس سے آخر وقت تک چھٹکارا نہ ملا۔ محنت سے گھبراتے یا کام سے اکتاتے نہ تھے اس حالت میں بھی کہ ہاتھ سے لکھا جاتا تھا نہ پاؤں سے چلا جاتا کشاکشِ حیات میں مصروف رہے، خدا جانتا ہے کس قدر حسرتیں ان کے چہرے پر برستی تھیں اور کس قدر آرزوؤں کا ان کے دل میں مدفن تھا۔ کسی سے ملنا جلنا نہ کہیں آنا جانا، خاموشی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔ مگر جب ملاقات ہوتی، ایسی محبت اور شفقت سے پیش آتے کہ دل بھر آتا، ایسی انکساری اور مسکینی سے گفتگو فرماتے کہ کلیجہ کٹ کٹ جاتا۔ اباجان کے بہترین دوست تھے۔ اور ان دونوں میں اس قدر محبت تھی کہ حقیقی بھائیوں میں بھی بہت کم ہوگی۔ مخزن اور شیخ محمد اکرام کے لاہور سے دہلی آنے کی ایک بڑی وجہ اباجان تھے۔ مخزن مدتیں ہوئیں لاہور جا کر ختم ہو گیا۔ مگر شیخ اکرام دہلی میں جسے انہوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اسی قبرستان میں آج میٹھی نیند سو رہے ہیں جو اباجان کی آرام گاہ ہے۔ شیخ محمد اکرام اردو زبان کے محسن ہونے کے علاوہ طبقۂ نسواں کے ایک بے لوث خدمتگذار تھے ان کی خدماتِ نسواں کا آغاز عصمت سے ہوا تھا اور اب دو تین سال سے مسلم خواتین کی مستقل خدمت انیس نسواں کے ذریعہ کر رہے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ مغرب کی اندھا دھند تقلید، جدت پسندی اور فیشن پرستی سے بچا کر مسلمان بہنوں میں مذہبیت اور اسلامیت پیدا کرنے کی کوشش سارے ہندوستان میں صرف یہی اکیلا رسالہ بڑی خوش اسلوبی سے کر رہا تھا۔ مگر بدنصیب قوم نے شیخ اکرام کی قدر کی نہ انیس نسواں کی، کیا خاک قدر کرے گی جس قوم نے بیچاری مسز اکرام کی مخلصانہ کوششوں کی داد نہ دی وہ دکھیاری مصیبت ماری بیوہ مسز اکرام کے ساتھ کیا ہمدردی کرے گی اور اس بارہ تیرہ سال کی معصوم بیکس یتیم انیس کو کیا سمجھے گی باپ کے جنازے پر جس کے نالے زمین کی بسنے والی مخلوق کے بہرے کانوں سے ٹکرا کر عرش پر پہنچ رہے اور جس کے یہ الفاظ فضا میں گونج رہے تھے: "ابھی میرے ابا کو کہاں لے جا رہے ہو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گی"

رازق الخیری

جہیز

مئی کے عصمت میں محترمہ د- اصاحبہ نے جہیز کے متعلق جو کچھ اظہار خیالات فرمایا ہے واقعی قابلِ قدر ہے۔ اور سماج میں اس وقت سب سے زیادہ انہیں امور میں اصلاح کی ضرورت ہے ۔ مثلاً کثرتِ جہیز - نقد رقم جہیز میں دینا۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر بے جا رسوم کی ادائیگی میں فضول اخراجات کے باعث ہمیشہ کے لئے زیر بار ہو جانا - اور شادیوں میں طرفین کی رضامندی کو پس پشت ڈال کر لڑکی کو دولت یا مصلحت کی قربان گاہ پر ذبح کر دینا اس وقت سب سے زیادہ قابلِ غور مسئلے ہیں۔

اگلے وقتوں میں بے شک بھاری جہیز دیکر والدین اپنا تموّل اور شان دکھاتے تھے - خواہ اس کا خمیازہ پیچھے کیسا ہی بھگتنا پڑتا - لیکن سمدھیانے میں ناک رہ جاتی تھی کہ فلاں صاحب یا صاحبہ نے اپنی دخترِ بلند اختر کو کس شان سے پروان چڑھایا - لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جبکہ معاشرت میں بُعد المشرقین کا فرق پیدا ہو چکا ہے یہ فرسودہ رسم اور پامال ذہنیت قائم رہ کر بڑی سخت مصیبت کا باعث بن رہی ہے - لوگ اصلاح اصلاح پکارتے ہیں - شادیوں میں رسوم کی ترمیم پر اظہار مسرت کر کے اپنی روشن خیالی کی داد طلب کرتے ہیں - مگر معاملہ تو وہی رہا کہ ہم جہاں تھے وہیں ہیں - بلکہ اس سے بھی پیچھے ہٹ گئے - اگر پرانے فیشن کے بھاری جہیزوں کو خیرباد کہہ کر عہدِ موجودہ کے نہایت بیش قیمت اور فیشن ایبل ڈرائنگ روم اور بیڈ روم سوٹس سے ہم نے تبادلہ کیا تو کونسی اصلاح کر لی - یا وزنی طلائی زیورات کے بجائے اس سے زیادہ بیش بہا جواہر نگار زیورات سے بیٹیوں کو آراستہ کر دیا اور اس کے بعد عمر بھر کے لئے قرضدار ہو گئے تو کونسی ترقی کی ؟ ترقی تو جب ہوتی کہ اپنی حیثیت کے اندر نہایت آسانی کے ساتھ شرعی نہج پر عمل کرتے ہوئے اپنی بچیوں کو علم کے زیور سے مالامال اور بہترین عمل پر کاربند ہونے کا اہل بنا کر کارآمد اور کم خرچ بالانشین ہلکا پھلکا جہیز دے کر رخصت کر سکتے " - لڑکیوں کی شادیوں کی فکر میں ہوا ہوئی کر والدین کو نہ ڈراتے اور سماج میں کمی اور زیادتی جہیز کی شکایت یا توصیف کی رسم ہی اٹھا دی جاتی -

اوّل تو ہندوستانی مسلمانوں میں قیمتی اور زیادتی جہیز کی رسم غیر قوموں سے آئی - جن کے اسباب یہ تھے کہ نہ پہلے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے زیادہ خرچ کرنا پڑتا تھا - اور نہ اُنہیں ترکے یا ورثے میں باقاعدہ حصّے ملتے تھے پس بوقت شادی کثیر جہیز لے کر یہ بیچاریاں گویا ہمیشہ کے لئے میکے سے رخصت ہو جاتی تھیں - اور کوئی حق حصہ انہیں ملتا نہ تھا - پس نقّالی جیسی ہونی چاہیئے اُسی کے مطابق ہوئی - " کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا " غیروں کی تقلید میں ہندوستانی مسلمان ایسے اندھے ہوئے کہ اپنی صحیح اسلامی روایات بھی فراموش کر گئے - اور دوسروں کی رسموں میں بُری طرح جکڑ بند

ہوکر اپنی معاشرت اور رسم و رواج کو بھی آلودہ کرلیا۔ حالانکہ زمانہ کی ترقی اور تبدیلی رسم و رواج کے خیال سے یہ رسم اب بالکل بیکار ہوچکی ہے۔ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر اخراجات کی ذمہ داری اٹھاکر اعلیٰ تعلیم اب دلائی جانی ضرور ہے۔ کیونکہ پہلے جس طرح شادی کی نسبت قائم کرتے وقت یہ سوال درپیش ہوتا تھا کہ لڑکے نے کہاں تک تعلیم پائی ہے۔ یونیورسٹی سے کیا کیا ڈگریاں حاصل ہوئی ہیں۔ اسی طرح اب لڑکیوں کے تعلیمی مدارج کا سوال ہوتا ہے گو سب گریجویٹ بیوی تلاش نہیں کرتے مگر کم از کم میٹرک یا سینئر کیمبرج تو ہو۔ اس کے علاوہ علم موسیقی، نقاشی یا اور کسی قسم کے فن لطیفہ سے مہارت ہونا بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پھر اس قدر تعلیم پر رقوم صرف کرنے کے بعد قلاش ہندوستان کے افلاس زدہ باشندوں میں جن کی مجموعی آمدنی ۳۰ روپیہ سالانہ ہو اور کہاں تک جہیز اور رسوم کی ادائیگی میں صرف کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ کیا اس کا لازمی نتیجہ ہمیشہ کے لئے سودخوار مہاجنوں کے چنگلوں میں گرفتار رہنے اور بیٹی کو زندگی کی ایک عظیم ترین لعنت قرار دینے کے سوا بھی کچھ اور ہوسکتا ہے۔

بہن صاحبہ نے بنگال میں ایک خاص رقم لڑکے کو نقدی کی صورت میں علیحدہ دینے کا صرف ہندوؤں میں ذکر کیا ہے۔ مگر انہیں یہ سُنکر تعجب اور افسوس ہوگا کہ یہ رسم یہاں کے مسلمانوں میں بھی اسی طرح ہے۔ یعنی شادی کی نسبت قرار پاتے وقت پہلے یہ طے کرلیا جاتا ہے کہ کس قدر رقم جوڑے، جہیز اور دیگر لوازمات اور تحائف کے علاوہ لڑکی کے والدین لڑکے کو دے سکتے ہیں۔ اور اس مقررہ رقم کی منظوری پر نسبت کا دارومدار ہوتا ہے۔ رقم مذکورہ لڑکے کی تعلیم اور حیثیت کے مطابق گرانقدر اور کثیر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک پروفیسر۔ ڈپٹی کلکٹر۔ بیرسٹر۔ ترقی پذیر وکیل یا ڈاکٹر بر کے لئے تمام جہیز اور لوازمات و زیورات وغیرہ کے علاوہ دو ہزار سے لے کر ہزار تک نقدی کا مطالبہ ہوتا ہے۔ جو شادی سے پیشتر یا عین شادی کے روز دولہا کو دی جاتی ہے۔ امراء کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی اور وہ اس کو طیب خاطر دے کر گویا ہمیشہ کے لئے اپنی لڑکی کی آرام راحت اور سسرالوں کو ریزرو کرالیتے ہیں۔ خواہ معاملہ اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ مگر غریب متوسط حیثیت کے لوگ مارے جاتے ہیں۔ ان کے سر پر بیٹیوں کی تعلیم کے علاوہ جہیز اور نقد رقم کا بار ایسا ناگریز ہوجاتا ہے کہ وہ بیٹی پیدا ہوتے ہی اپنے کو کنگال سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے متوسط الحال گھرانوں میں بیٹیوں کی بے قدری اور ان سے نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور جن کے بیٹے ہی بیٹے ہیں ان کی تو چاندی ہوتی ہے نہ صرف یہی کہ وہ پڑھ لکھ کر اپنی کمائی ہی سے صرف مالا مال کردینگے۔ بلکہ دوسروں کی دولت بھی جہیز اور نقدی کی صورت میں گھسیٹ لائیں گے۔ اس کے علاوہ صاحب جائیداد لڑکی اور بھی خصوصیت سے ممتاز درجہ رکھتی ہے کیونکہ زرنقد اور جہیز کے علاوہ زمینداری اور مکانات کی ملکیت بھی ہاتھ آنے کی اُمید ہوتی ہے۔

مجھے یہ سُنکر بہت مسرت ہوئی کہ یوپی میں یہ قبیح رسم اب تک مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوئی ہے غالباً دکن میں رسم بنگال سے پہنچی ہے۔ مگر یہاں کے مسلمان تو مدتوں سے ہمسایہ قوموں کی اس بُری رسم سے اس قدر متاثر ہورہے ہیں

کہ جبتک اس کے خلاف ایک زبردست عملی پروپاگنڈا نہیں کیا جائے گا یہ رسم مٹنے کی نہیں۔ اور اس کو مٹا کر علم اصلاح بلند کرنا امیروں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا کام ہے۔ امیر والدین شرعی دستور کے مطابق فضول اخراجات و نقد رقم لڑکے کو دینے کی رسم اُٹھا کر متوسط الحال لوگوں کے لئے نظیر قائم کرکے انہیں تباہی سے بچائیں۔ اور قابل تعلیم یافتہ نوجوان اپنی قابلیت اور دست بازو کی کمائی پر قناعت کریں۔ زر نقد اور کثیر رقم طلب کرکے لڑکی والوں کو زیر بار اور مجبور نہ کریں۔ کیونکہ یہ زبردستی حاصل کی ہوئی دولت انہیں وہ مسرت اور ناموری نہیں عطا کر سکتی جو خود ان کو اپنی کمائی اور محنت سے حاصل ہوگی۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لڑکے جس قدر تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کی قیمت اسی قدر زیادہ لگائی جاتی ہے۔ گویا ہندوستان میں شادی کی منڈی نے مصر کے بازار کنعان کو بھی مات کر ڈالا ہے۔ اور اس بازار کے یوسف صفت نوجوانوں نے اپنی قابلیت اور جوہر کے مول چکانے کا یہ بہترین ذریعہ قرار دے رکھا ہے۔ انہیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا کہ شارع نے مہر دینا کو بوقت نکاح نصف مہر ادا کرکے لڑکی والوں کے لئے سہولت پیدا کرنے کا طریقہ بتایا تھا۔ نہ کہ اُلٹا انہیں غیر قوموں کی تقلید میں زیر بار اور گرفتارِ مصیبت کرنے کا؟۔

اسلام سے پیشتر لڑکیوں کا عدم سے وجود میں آنا مصیبت اور نحوست خیال کیا جاتا تھا مگر شرعی سہولتوں نے صورت حالات کو تبدیل کرکے انہیں باعثِ رحمت اور برکت بنا دیا۔ پھر رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑ کر اسی جاہلیت کی طرف عود کرنا کیا زندہ قوموں کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔

جوڑے اور چڑھاوے پر اعتراض کرنا۔ یا ان کی قیمت اور حیثیت پر نکتہ چینی کرنا بھی لڑکی والوں کے لئے مناسب نہیں۔ شادی کے موقعہ پر تعلیم یافتہ حضرات کا عمل یہ ہونا چاہیئے کہ طرفین کی سہولتوں کا خیال رکھا جائے۔ اور حیثیت سے بڑھ کر نام و نمود کے لئے ہرگز کوئی اقدام ایسا نہ ہو کہ خاندان کی عُسرت اور تباہی کا باعث ہو۔ شان شوکت اور واہ واہ تو چند روز میں بھولی بسری ہو جاتی ہے۔ زندگی کا آرام و اطمینان رُخصت ہو جاتا ہے۔

جن بہنوں کی بیٹی اور بیٹے دونوں نعمتیں موجود ہوں وہ بیٹیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرکے صرف ہلکے پھلکے اور کار آمد جہیز کے ساتھ رُخصت کریں۔ اور اگر صاحبِ جائداد ہوں تو انہیں شرعی حصہ کے مطابق ترکہ ضرور دیں۔ یہی کافی ہے۔ اور بیٹوں کی شادی پر بہوؤں سے بھی اس طرح کی توقع رکھیں۔ اور اس کے خلاف ہرگز نقد رقم یا جہیز کثیر کا مطالبہ نہ کریں۔ اگر چند گھرانے اس بیجا اور غیر مسعود عمل کو اُڑانے کا فیصلہ کرلیں تو بہت جلد یہ رسم مٹائی جا سکتی ہے۔ اگر معاشرتی اصلاح کے سلسلے میں اس سب سے اہم اور غور طلب مسئلہ کو سب سے پہلے حل نہیں کیا گیا تو آیندہ اصلاح اور ترقیوں کا اللہ ہی مالک ہے۔

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

عہدِ طفلی

از حضرت ثاقب کانپوری

کھو گیا مجھ سے مرا وہ عہدِ طفلی کھو گیا
جس کے دامن میں نہاں تھی کیفِ پرور اک بہار

اب نہ وہ ایامِ ماضی ہیں نہ وہ شبہائے خواب
میرے بچپن کے لئے شائد فضا ہے سوگوار

آہ کیا دن تھے کہ جب آغوشِ مادر تھی نصیب
جس کی ہر جنبش سے تھا رازِ محبت آشکار

میں سمجھتا تھا اسی کو وسعتِ دنیا ہے یہ
جس کا ہر گلشن تھا اک سرمایہ دارِ صد بہار

دیکھتی رہتی تھیں آنکھیں جلوۂ روئے قمر
کھیلتا تھا چاند جب چھپ کر ردائے ابر میں

میں تقاطر کو سمجھتا تھا کہ ہے جھولا مرا
ایک بے پایاں مسرت تھی صدائے ابر میں

بے زبانی ہی مری تھی ترجمانِ حالِ دل
کتنے بامعنی تھے میرے وہ اشاراتِ لطیف

طائرِ تخئیل میرا عرش سے ہمدوش تھا
گرچہ تھا میں ناتواں اعضا بھی تھے میرے ضعیف

میں کھلونے خود بنا کر کھیلتا تھا رات دن
اور سمجھتا تھا کہ ان کی دوستی ہے پائدار

ہاں مگر آکر جوانی نے وہ منظر کھو دیا
ہوگئی بے کیف یکسر عہدِ طفلی کی بہار

دوستوں کے جگمگاتے خواب پریشاں ہوگئے
یاد سے اُن کی بڑھا جاتا ہے دل کا اضطراب

اب کہاں پاؤں تجھے اے عہدِ طفلی سچ بتا
کاش تو مجھ کو بنا دے ایک نقشِ سطحِ آب

ہے مرے دل میں ابھی تک آرزوئے سیرِ گل
ہیں مری نظروں میں اب تک باغ کی شادابیاں

ہاں مگر فطرت کی تبدیلی نے پلٹا وہ ورق
جس کی تحریر صفا میں تھیں کچھ رنگینیاں

ہوگئیں برہم نشاط و عیش کی وہ محفلیں
جن کا ہر نغمہ سرورِ لذتِ جاوید تھا

ہاں مگر اس کا مآلِ غم فزا سمجھا نہ میں
یعنی ہر لمحہ طرب کا غم کی اک تمہید تھا

حیرانیاں!!!

بعض وقت ایک ذراسی بات، ایک معمولی سا واقعہ، ایک چھوٹا سا فقرہ، ایک ادنیٰ سا سانحہ ایک معمولی سی واردات انسانی زندگی کے دھارے کو بدل دیتی ہے۔ جیون کی وادیوں میں چلتے چلتے ایک ایسی پگڈنڈی آتی ہے جس سے انسان کی ساری زندگی کا نظام العمل درہم و برہم ہو جاتا ہے۔ اس کو سوچ بچار کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اور اس کی زندگی بدل جاتی ہے ——!!

بعض وقت تو خواب و خیال میں بھی جو بات نہیں ہوتی وہ واقعہ کی شکل میں رُونما ہو جاتی ہے۔ ہم کو جس چیز کا وہم و گمان تک نہیں ہوتا وہ واردات بن کر ہماری مختصر سی زندگی میں ایک بے چینی پیدا کر دیتی ہے۔ جیسے چلتے چلتے ایک ٹھوکر لگ گئی۔ جس کا کسی کو بھی پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ یہ معمولی سا واقعہ بھی کبھی کبھی ہماری زندگی کو کتنا غیر معمولی اور اہم بنا دیتا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی۔ خدا ہی جانے کہ ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔

دوسروں کے کردار کو دیکھ کر ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مگر سیکھنا نہیں چاہتے صرف دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ مگر یہ تجاہل کب تک؟ ہم کو آخر سیکھنے اور کسی معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی عقل و تمیز کب آئے گی؟ نیک و بد کے امتیاز کے لئے پھر وہ کونسی عمر ہے؟ زندگی کتنی مختصر ہے جس کی میعاد قید بھی ہم کو نہیں معلوم۔ نجانے چلتے چلتے کب یہ ہوش و حواس کا لُٹا ہوا قافلہ ٹھہر جائے!!!

سہارے کی زندگی انسان کو کس قدر کاہل اور بے سہارا بنا دیتی ہے۔ ہم میں آج ایسے کتنے ہیں جو صرف سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ اپنے معاملہ میں خود بولنے کی ہم کو صلاحیت نہیں۔ اس شجاعت سے ہم دن بدن کتنی دُور ہوتے جاتے ہیں۔ کسی اور کے ذریعہ سفارش کیوں؟ کیا ہم میں طلاقت بیان کی کمی ہے؟ کیا ہماری زبان میں لکنت ہے؟ کیا ہم خود بول نہیں سکتے؟

گرے نے ایک مرتبہ ناسمجھ دیہاتیوں کی قبروں پر ماتم کرتے ہوئے کہا تھا:—

"خدا جانے ان میں سے کتنے ہونگے جن کو اگر موقع ملتا تو اپنے خاندان کے ملٹن اور شیکسپیر ہو سکتے تھے"۔

یہ دُنیا —— پیتل اور تانبے کی ایک چمکتی ہوئی چیز ہے جس پر سونے کا ملمع ہوا ہے۔ جہاں یہ قلعی مٹی اور ساری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز ہمیں نہیں آئی، نہیں آتی، نہیں آئے گی —— دوست کی پہچان کے لئے تو عقل کے ایک عظیم الشان سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ہم آج یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتے کہ فلاں شخص ہمارا سچا دوست ہے۔ اس کھرے کو جب ہم کھوٹا ثابت ہوتا دیکھتے ہیں تو ہماری وہ ذراسی عقل —— جس پر ہمیں بہت ہونے کا بڑا ناز ہے —— سنبھلنے جان

بھاگ کر کہاں چلی جاتی ہے۔ اور ہم اس نیرنگی سے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ مگر اس میں ذرا سا ہی نکتہ ہے کچھ بڑی داستان نہیں اگر ہمیں اپنے پہچاننے کی صلاحیت آگئی تو پھر دوسرے کا سمجھنا کوئی اہم بات نہیں۔ بڑی آسانی سے یہ منزل طے ہو سکتی ہے ہمارا دامن عیوب کے نقش و نگار سے رنگین ہے۔ خود ہمارے گریبان میں اتنی دھجیاں ہیں کہ اگر ہم انہیں سینے کی سعی کریں تو ہماری ساری عمر ختم ہو جائے۔ اور پھر دوسروں پر کسی قسم کا الزام لگانے کی ہمیں ہمت نہ ہو۔ لیکن ہم کو اوروں کے عیب ٹٹولنے سے ہی فرصت نہیں۔ غور کرنے، دیکھنے اور سمجھنے سے مولوی حالی کے اس شعر کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور ہم ایک حد تک اپنی ہستی کے منتشر شیرازے کو سلجھا سکتے ہیں ؎

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم

تم مالدار ہو، دولت مند ہو، تعلیم یافتہ، حسن صورت سے قدرت نے تمہیں مالا مال کیا ہے، اعلیٰ خاندان سے تمہارا تعلق ہے تو ان سب باتوں سے ہم کو کیا؟ تمہاری اصل خوبیاں تمہارے اوصاف کی خوبیاں ہیں۔ تمہارا نامی گرامی ہونا تمہاری شہرت میں چار چاند لگا سکتا ہوگا مگر تم صرف اس نکمی شہرت سے دلوں پر حکومت نہیں کر سکتے۔ تم سے تو ایک با اخلاق بھکاری اچھا ہے مگر ؎

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست
تواضع ز گردن فرازاں نکوست

حسن صورت کے ساتھ اگر حسن سیرت بھی مل جائے تو واقعی انسان دیوتا بن سکتا ہے صورت اور دولت پر گھمنڈ کرنے والوں کو بالعموم پچھتاتے دیکھا ہے۔ اونچے سر ہمیشہ نیچے ہوتے ہیں۔ بلندی اور بے نیازی تو صرف اسی کو زیب دیتی ہے جس کا ذکر آتے ہی آنکھیں اوپر کو اٹھ جاتی ہیں۔ بچوں سے پوچھو خدا کہاں ہے؟ ان کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ جائیں گے۔ تمہیں اتنی عقل آگئی ہے کہ تم اس معبود کو اپنی شہ رگ سے بھی قریب سمجھنے لگے ہو لیکن جب کبھی اس کا تذکرہ ہو جاتا ہے تو تم بھی آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہو۔ جب تم پر کوئی ظلم توڑتا ہے تو تمہارا خیال تمہیں بلندی کی جانب لے جاتا ہے۔ اور تم بے اختیار کہہ بیٹھتے ہو کہ وہی بدلہ لے گا۔ وہی انتقام کی قدرت رکھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

تم اور ہم کچھ بھی نہیں۔ مٹی سے بن کر یہ مشیخت مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ تمہارے علمی کارنامے، تمہارے سرٹیفکٹ تمہاری تعریفوں کے کبھی نہ ٹوٹنے والے پل، ان کو تم فریم کر کے اپنے ڈرائنگ روم کی زینت بناتے ہو اور اس ماحول میں ایک فرعون بے ساماں بن کر اتراتے ہوئے نکل جاتے ہو اس سے تمہاری شخصیت بہت متاثر ہوتی ہے۔ ہمیں تو صرف تمہارے "اخلاق" کی ضرورت ہے، ہم بس یہ چاہتے ہیں کہ تمہارا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ تمہاری زبان تمہارے قلب کی ترجمان ہو جائے۔ خود غرضی اور مطلب کی آشنائی کے عنصر تمہارے ضمیر سے ناپید و مفقود ہو جائیں۔ تم بلندیٔ کردار سے مالا مال ہو جاؤ۔ تمہاری زبان سے کسی کو ٹھیس نہ پہنچے۔ تم پیٹھ پلٹتے ہی دوست کا گلہ نہ کرنے لگو۔ تم غیبت کے موذی مرض سے ہمیشہ بچو۔ تم معاملہ کے سچے اور لین دین کے کھرے ہو جاؤ۔ دکھی کی آہ سے تمہارا دامن بچا رہے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

جہاں بانو نقوی ام۔ اے

بچوّں کی صحت سے غفلت

اس روشنی اور ترقی کے زمانہ میں بھی ہمارے بیشتر گھروں میں بچوں کی داشت و پرداخت کی طرف سے انتہائی بے پرواہی برتی جاتی ہے۔ اور ان کے کھانے پینے پر ذرا بھی توجہ صرف نہیں کی جاتی۔ بچے نوکروں کے ساتھ جاکر بازار سے من مانی چیزیں لاکر کھاتے رہتے ہیں۔ اور ہمیں اس کی کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اور خبر بھی کیسے ہو۔؟ تاجر پیشہ کاروبار میں۔ دفتر والے آفس کے کاموں میں۔ اور اہلِ قلم "اصولِ صحت" پر مضامین لکھنے میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انہیں ان "غیر ضروری" باتوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہے؟ ہماری ان بے پرواہیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اکثر بچے پیٹ کے متعدد موذی امراض میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور کتنی معصوم کلیاں ہماری بے پرواہیوں اور غفلتوں کا شکار ہوکر کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتی ہیں۔

اکثر گھروں میں دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بچہ بیمار ہوا تو اس کی طرف اس وقت تک کوئی خاص توجہ نہیں کی جاتی جب تک اس کی حالت تشویش ناک نہ ہوجائے۔ جب بچے کی حالت انتہائی مایوس کن ہونے لگتی ہے تو کسی اچھے معالج کو دکھایا جاتا ہے۔ لیکن سر سے پانی گذر جانے کے بعد سب کچھ تحصیل حاصل اور ساری سعی رائیگاں ثابت ہوتی ہے۔

ایسے موقعوں پر ہم معصوم بچوں پر انتہائی ظلم کرتے ہیں۔ سن رسیدہ مریض تو مرض بڑھنے اور حالت تشویش ناک ہوجانے پر بھی اپنا دکھ تکلیف بیان کرسکتا ہے۔ لیکن بے زبان بچے اپنے بڑھتے ہوئے مرض اور گرتی ہوئی حالت کا صحیح احساس رکھتے ہیں نہ قدرتِ بیان۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ صحت اور علالت دونوں حالتوں میں ہم بچوں پر پوری نگاہ رکھیں۔ اگر خدا نخواستہ بیمار ہوجائے تو فوراً کسی لائق معالج کو دکھانا چاہیئے۔

یوں تو بچوں کی صحت ان کی داشت و پرداخت اور تعلیم و تربیت پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن فی الحال اس وقت ان کی صحت سے متعلق کچھ ضروری باتیں لکھی جارہی ہیں۔

(۱) بچے کو زیادہ سے زیادہ آٹھ دس مہینے تک ماں کا دودھ پلانا چاہیئے۔ اس کے بعد ماں کا دودھ پک جاتا ہے اور بچے کے کام کا نہیں رہتا۔ دس مہینے کے بعد آدھا دودھ آدھا پانی ملا کر پلانا چاہیئے۔ گائے کا دودھ مل سکے تو بہتر ہے۔

(۲) سولہ مہینے تک بچے کو دودھ کے سوا اور کچھ نہ دینا چاہیئے۔ جب بچہ سولہ مہینے کا ہوجائے تو بچے کی صحت اور جسمانی حالت کے مطابق کسی لائق ڈاکٹر سے مشورہ لے کر اسے کھانے کی کوئی چیز دینا چاہیئے۔

(۳) ان سے بڑے بچوں کے کھانے پینے پر بھی خاص توجہ رکھنی چاہیئے۔ انہیں زود ہضم اور مقوی غذائیں دینی

چاہئیں - سخت - دیر ہضم اور میٹھی - بادی چیزیں بچوں کے لئے سخت مضر ہیں - اکثر بچے خوانچے والوں سے تیل کی مٹھائیاں لے کر کھانے کے عادی ہوجاتے ہیں - مونگ پھلی - دالوں کی پٹی - نمکین سیو ان کا من بھاتا کھاجا ہوتے ہیں - یہ عادت انکی صحت کے لئے حد درجہ تباہ کن ثابت ہوتی ہے - ایسے بچے دائم المریض ہوجاتے ہیں - اور ان کی صحت کو ہمیشہ کے لئے گھن لگ جاتا ہے - اور یہ جیتے بھی ہیں تو کمزور - بیٹیلے - اور کاہل رہتے ہیں - اس لئے والدین کو چاہیئے کہ بچوں کی پوری مستعدی اور تندہی سے نگرانی رکھا کریں -

(۴) بچوں کو دودھ اور پھل کافی مقدار میں کھلانا چاہیئے - جو غریب اور تنگ دست والدین پھل خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے - انہیں کم ازکم دودھ ضرور دینا چاہیئے -

(۵) بچے ہمیشہ کھلی اور صاف ہوا میں رکھے جائیں - اکثر مائیں بچوں کو باورچی خانہ میں لٹا کر اطمینان سے کھانا پکاتی ہیں - ایسا کرنا بچوں کی صحت کے لئے بیحد مضر ہے - دھوئیں سے باورچی خانے کی ہوا بالکل گندی اور مسموم ہوجاتی ہے - اس لئے ماؤں کو اس بے پروائی کی بدولت اکثر بچے رُوہے - جالا - پھولا - اور آشوب چشم جیسے تکلیف دہ امراض میں گرفتار ہوجاتے ہیں - اور ان کی آنکھیں بچپن ہی سے کمزور اور خراب ہوجاتی ہیں -

(۶) بچوں کے کپڑے ہمیشہ صاف ستھرے رکھنے چاہئیں - روزانہ تیل کی مالش کرنی - دانتوں کو صاف کرنا - اور صاف پانی سے نہلانا - بچوں کی تندرستی و توانائی کا ضامن ہے - اکثر والدین خود تو دانتوں کے لئے مختلف اقسام کے منجن اور ٹوتھ پوڈر استعمال کرتے ہیں - مگر بچوں کے دانتوں کی صفائی کی مطلق پروا نہیں رکھتے - انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دانتوں کی صفائی جتنی ان کے لئے ضروری ہے اتنی ہی بلکہ ان سے زیادہ ضروری بچوں کے لئے بھی ہے - بچوں کے دانتوں کی صفائی کی طرف سے غفلت برتنے کے لازمی نتائج پیٹ کے متعدد مہلک امراض کی صورت میں رونما ہوتے ہیں -

(۷) بڑوں کی طرح بچوں کے لئے بھی ورزش نہایت ضروری ہے - اگر نامناسب احوال ناسازگار فضا - قلت فرصت اور دوسری معذوریوں اور مجبوریوں کی بنا پر ورزش نہ ہوسکے تو کم ازکم صبح وشام ہوا خوری اور چہل قدمی تو ضرور ہی کرانی چاہیئے - (۸) بچوں سے ہمیشہ شیریں کلامی اور نرم گفتاری سے پیش آنا چاہیئے - ان کی خاطر و دلجوئی اور پیار و محبت کرنا چاہیئے - بچوں کی صحت پر اس کا بیحد اثر پڑتا ہے - بچوں سے ہمیشہ جھنجھلا کر بولنا - بگڑنا - جھڑکنا - انہیں افسردہ خاطر ملول اور مغموم رکھتا ہے - اور یہ چیز صحت کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے -

اگر والدین مندرجہ بالا اصولوں پر کاربند رہیں تو بچوں کی صحت بہت حد تک قابل اطمینان رہ سکتی ہے - اور یہ ننھی کلیاں کھلنے سے پہلے ہی مرجھانے سے بچائی جاسکتی ہیں -

آسی رام نگری

گرلز سکول کی چپراسن

وہ گرلز سکول میں چپراسن ہے لیکن منتظمان سکول کے ہاتھوں سخت نالاں وشاکی اُسے تنخواہ کے دن بھی بڑی مشکل سے چھٹی ملتی ہے اور ساتھ ہی جلد واپس آنے کے لئے تاکیدی حکم بھی نازل ہوجاتا ہے۔ وہ بیوہ ہے اُس کی دو لڑکیاں ہیں بڑی کی شادی ہوچکی ہے۔ چھوٹی لڑکی آٹھ سال کی ہے اور اس کے ساتھ رہتی ہے۔ بس یہ اس کا مختصر کنبہ ہے۔

آج کم وبیش پانچ سال کا عرصہ ہوا شوہر اُسے داغِ مفارقت دے چکا ہے جب سے اُس کا قدم گھر سے باہر نکلا اُس نے اپنی اور لڑکی کی گذران لوگوں کے گھر کی ماماگیری کرکے کی۔ یوں تو وہ بہت باتونی ہے لیکن ہے نیک چلن۔

اُس کا ایک نجی مکان مسلمانوں کے ایک بڑے محلے میں تھا لیکن شوہر مرتے وقت کچھ قرض چھوڑ گیا تھا وہ اُس کی نذر ہوگیا اُس وقت سے اُس نے بڑی لڑکی کی سسرال کے قریب ایک روپیہ مہینے پر ایک کوٹھری لے رکھی ہے اُس میں وہ باعزت اپنے زندگی کے دن گذار رہی ہے۔

تقدیر کو پلٹتے دیر نہیں لگتی اُس کے لئے کسی کی سفارش کی ضرورت ہے اور نہ کوشش کی حاجت۔ وہ لڑکیوں کے سکول میں پندرہ روپیہ ماہوار پر ملازم ہوگئی۔ اُس کے ذمے صرف یہ کام ہے کہ صبح شام سکول میں حاضر رہے۔ کرسی میز جھاڑے پونچھے اور پھر لڑکیوں کو لاری میں بٹھاکر سکول لائے اور سکول سے گھر پہنچا دے لیکن نہ معلوم کیوں جس دن سے وہ ملازم ہوئی لاری ڈرائیور کو اُس سے بغض للہی ہوگیا ہے وہ ہر وقت اُس کی کاٹ چھانٹ کرتا رہتا ہے وہ کہتی کہ لڑکیوں کے والدین ناراض ہوتے ہیں کہ لاری دروازے سے اتنی دور نہ ٹھہرائی جائے تو وہ کوئی سخت جواب دیکر اُسے خاموش کردیتا یا کہہ دیتا کہ لاری اتنی تنگ گلی میں نہیں جاسکتی۔

اُس دن سکول میں تعطیل تھی اور اُس نے سکریٹری صاحبہ سے بہ منت گھر جانے کی اجازت حاصل کرلی تھی اُس کا مکان شہر میں ہے اور سکول صدر بازار میں شہر اور صدر بازار میں کافی فاصلہ ہے۔

یہ سُنکر کہ اس کی بڑی لڑکی کے پیٹ کا اپریشن ہوا ہے۔ سکریٹری صاحبہ نے ازراہِ ہمدردی ڈرائیور سے کہا" لاری اسٹیشن جارہی ہے۔ چپراسن کو ساتھ لے جاؤ اسٹیشن کے پاس اُتار دینا۔ سکریٹری صاحبہ کے روبرو ڈرائیور نے اقرار کرلیا۔ اور بعد میں کہہ دیا "بڑی بی تم چلی جاؤ مجھے بہت دیری ہے"

"پھر بیگم صاحبہ کے سامنے کیوں ہاں کہا تھا"

"دیکھو جی میں کہہ دیتا ہوں جاستی بات جو کی تو پھر اچھا نہیں ہوگا"

"اچھا کیا نہیں ہوگا" اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"جاجا بڑبڑ مت کر۔ آئی وہاں سے بڑی موٹر میں بیٹھ کر جانے والی"۔

"جاؤں بیگم صاحبہ کے پاس اب . . . . . دیکھو بھلا؟ پھر مت کہنا کہ میری چغلی کرتی ہے"

"جاتی کیوں نہیں تیرا ہاتھ کس نے پکڑا ہے"

مالی جو پھولوں کے درختوں میں پانی دے رہا تھا بیچ میں بول اُٹھا "جانے دو اماں تم اپنے پاؤں کی موٹر پر چلی جاؤ کیسا بھانڈہ بات جادا گیرے"۔

"بھیا میں نے تو کوئی جادا بات نہیں کی یہ ناحک کے ناحک میرے سے جھگڑتا ہے"۔

"جاؤ اماں کرو بھی اس جھگڑے کا کالا منہ"۔

اُس نے بھی سوچا کہ مالی سچ کہتا ہے کہاں ذرا ذراسی شکایت کرتی پھرے اور یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے جب سے وہ نوکر ہوئی ہے اُسی دن سے یہ لاگ ڈاٹ برابر چلی جا رہی ہے۔ اُس کو گھمنڈ ہے کہ وہ کتنی چپراسین نکال چکا ہے یہ بیچاری کس قطار میں ہے۔ وہ سکریٹری صاحبہ کا منہ چڑھا ہوا ہے اور یہ بیچاری غریب عورت کتنی لمبی چل سکتی ہے۔ اُسے اپنی پستی کا احساس ہوا اور وہ پیدل ہی چل پڑی لیکن دل میں اُسے کوستی جاتی تھی۔

اُس کی لڑکی اسپتال سے بھلی چنگی ہو کر اپنے گھر آ گئی تھی آج اُس کا غسل صحت ہے اُس کے شوہر نے حضرت تاج الدینؒ کے مزار شریف پر جا کر منت مانی تھی کہ اس کی عورت اچھی ہو جائے گی تو وہ دس فقیروں کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ آج اس کے گھر منت کا کھانا تھا امتا کی ماری بھی بیٹی کے اس تقریب میں شرکت کی غرض سے آئی تھی۔

غریب کے گھر میں جہاں ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ مدد کو ہو کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے پکاتے رینڈھتے نو بج گئے لڑکی جو ابھی ابھی بستر علالت سے اٹھی تھی اُس کو ایکا ایکی اتنا کام کرنا پڑا کہ اُس کی بوٹی بوٹی دکھنے لگی جب وہ کھاپی کر لیٹی تو کوئی دس کا عمل ہوگا وہ بستر پر لیٹتے ہی سو گئی داماد بھی ایک چارپائی پر لڑھک گیا یہ اپنی چھوٹی لڑکی کو لے ایک کونے میں پڑ کر سو رہی لیکن سکریٹری صاحبہ خواب میں یہ کہتی ہوئی نظر آئیں "حیات بی سنتی ہو تم اس شرط پر چھٹی مل سکتی ہے۔ کل صبح کا سکول ہے معلوم۔ جلدی چلی آؤ ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے"۔ سونے سے پہلے اُس نے سوچ لیا تھا کہ وہ چار بجے یہاں سے روانہ ہو کر پانچ بجے تک سکول پہنچ جائے گی۔

برسات کا موسم اور ساون کا مہینہ ایک ہفتہ سے جھڑی لگی تھی۔ آج بھی تمام دن بارش ہوتی رہی سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے لوگ بستروں میں دبکے ہوئے پڑے تھے لیکن فکر وہ بلا ہے کہ میرے معبود تیری پناہ بارہ ہی بجے اُس کی آنکھ کھل گئی آنگن میں نکل کر دیکھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اُس نے سوچا چار بج گئے ہونگے۔ غریب کے گھر میں گھڑی گھنٹہ کہاں؟ چھوٹی لڑکی کو جگایا تو اُس نے ٹھنک کر کہا "پانی آ رہا ہے نا اماں میں گیلی ہو جاؤں گی"۔

اری — واہ بیٹیا کل صُبو کا (صبح کا) اِس۔ کول (سکول) ہے دیر ہو جائے گی تو بیگم صاحبہ جان کھا جائیں گی نا"۔

"اچھا چلو . . . . . لڑکی مجبور ہو کر بولی اور ساتھ ہی اُس نے اپنی بوسیدہ چھتری اُٹھالی اس نے ایک میلی سی چادر اوڑھی اور وہ اُس کمرے میں آئی جہاں اُس کا داماد ایک چارپائی پر سو رہا تھا اُس کا ایک ہاتھ چارپائی سے نیچے لٹک رہا تھا۔ اور پیشانی پر وہ لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے جو زلف دراز ہیر آئیل کے شرمندہ احسان ہیں۔ دوسری طرف اُس کی لڑکی زمین پر شطرنجی بچھائے ایک میلے تکیے پر سر رکھے سو رہی تھی۔ تکیہ تیل اور پسینے کی آمیزش سے میلا ہو کر اس قدر سخت ہو گیا تھا جیسے کسی نے خوب کلف دے رکھا ہو مچھروں کے خون چوسنے کے ڈر سے اُس نے ایک میلی چادر تان رکھی تھی جو کہیں کہیں سے پھٹی ہوئی تھی۔ چھوٹی لڑکی بولی "اماں آپا کو جگا دوں؟"

"نہیں بٹیا! دن بھر کی تھکی ماندی ہے"۔ اور وہ اُن کو سوتا چھوڑ کر آنگن میں آئیں لڑکی پھر بولی "ذرا جلدی دروازہ لگا دو اماں! ورنہ ٹھہر جب سے نہیں لگایا جائے گا" کہ کر اُس نے کنڈی چڑھائی اور وہ دونوں گلی میں آگئیں ماں نے ایک خوف آمیز نظر اپنے گرد و پیش ڈالی اُسے ایک جھرجھری آئی اس نے اپنی بوسیدہ چھتری کھول لی اور وہ دونوں تیز تیز قدموں سے گلی سے نکل کر سڑک پر آگئیں برقی روشنی کے کھمبوں کی ایک قطار دُور تک چلی گئی تھی اب وہ اُس سڑک پر چل رہی تھیں جو سیدھی اسٹیشن ہوتی ہوئی اُس کی منزلِ مقصود کی طرف جاتی ہے لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے غرارے کے پائنچے اُٹھا رکھے تھے۔ اور وہ مضبوطی سے چھتری تھامے ہوئے تھی اور ایک عجیب سا خوف دل پر چھا رہا تھا۔ سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور رات کا خوفناک سکوت ذرہ ذرہ پر چھایا ہوا تھا۔

وہ چلی جا رہی ہے کہ ہوا کا ایک بے رحم جھونکا کہیں سے آکر اُس کی چھتری لوٹ دیتا ہے اور اُس کے مُنہ سے بیساختہ نکل جاتا ہے "اُوہ! نانی چھتری بھی اُلٹ گئی"۔ بارش ہو رہی تھی خوفناک سکوت ہر طرف چھایا ہوا تھا اور ہوا فرّاٹے بھر رہی تھی۔

"اماں میں گیلی ہو رہی ہوں نا"۔ لڑکی خوف آمیز نظروں سے دیکھ کر بولی "کیا کروں بٹیا جرا ٹھہر تو ―― ڈرتی کیوں ہے تو؟" لیکن وہ خود ذرا سی آہٹ پر اِدہر اُدہر دیکھنے لگتی اور دل ہی دل میں کہتی "آج کیا بات ہے ابھی تک اُجیلا نہیں ہوا کیا رات جیادہ ہے؟"

بڑی مشکل سے چھتری سیدھی ہوئی اور وہ پھر چلنے لگیں چلتے چلتے وہ اُس شارعِ عام پر پہنچیں جہاں سے ایک سڑک چاندنی چوک اور دوسری نرسنگ ٹاکیز کو جاتی ہے۔ ناگہاں کسی دکان پر بیٹھے ہوئے کتے اُن کو دیکھ کر بھونکنے لگے۔ اگر پانی برستا نہ ہوتا تو وہ ضرور ان کا تعاقب کرتے اور اُن کو اپنی جان چھڑانی دوبھر ہو جاتی۔

ابھی وہ کچھ قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ پیچھے سے کانسٹبل کی تحکمانہ آواز آئی "کون ہے جانے والا ٹھہر جاؤ"۔ جو بھاری قدم دھرتا آ رہا تھا۔ اس نے خاکی برساتی اوڑھ رکھی تھی "کوئی نہیں بھیّا میں ہوں آپھت کی ماری"۔ لڑکی خوف سے کانپ گئی اور ماں سے لپٹ گئی۔ "اتنی رات کو کہاں چلی ہو اماں؟" کانسٹبل اُس کی طرف دیکھ کر بولا "بھیّا میں اس کول میں چپراسن ہوں۔ صبح کا اسکول ہے اور میرے کو وہاں پانچ بجے حاجری دینا ہے۔ سِکرٹری (سکریٹری) بڑی جلاد عورت ہے اس لئے اندھیرے مُنہ نکل پڑی"۔

"لیکن اماں ابھی تو ساڑھے بارہ بجے ہیں"۔

"ساڑھے بارہ . . . . . . !" اُس کے اوسان خطا ہو گئے "کیوں گھبراتی ہو اماں آؤ میں تم کو تھانے میں بٹھا دیتا ہوں"۔ اُس نے ازراہِ ہمدردی کہا "صبح اُٹھ کر چلی جانا"۔ اُس نے زیرِ لب اپنے کو اللہ کے سپرد کیا وہی غریبوں کا حامی و مددگار ہے اور اُس کے ہمراہ ہو لی۔

تھانہ لبِ سڑک تھا وہاں ایک اندھا لمپ ٹمٹما رہا تھا اور ایک کانسٹبل چارپائی پر بھری شال اوڑھے دراز تھا اُس کے پائنتی زمین پر ایک کتا بیٹھا تھا۔ وہ قدموں کی آہٹ سُن کر بھونکنے لگا "رام دیال . . . . . رام دیال"۔ سوتا ہوا کانسٹبل کھانستا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا "کون کاشی ناتھ! کیوں کیا ہے؟"

"کھوب نیند لے رہے ہو اماں کو یہاں بٹھینے دو سویرے یہ چلی جائیں گی۔ لڑکیوں کی سکول میں چپراسن ہیں یہ گلی سے بارہ ہی بجے گھر سے نکل پڑیں کہتی ہیں صبح کا سکول ہے پانچ بجے پہنچنا ہے"۔

"اچھا اماں بیٹھ جاؤ اُس طرف اور بے بھکری سے سو بھی جاؤ۔"

وہ ایک طرف بیٹھ گئی اور دونوں کانسٹبل کھائی کھائی کرنہ معلوم کیا بات چیت کرتے رہے۔ لڑکی تھک گئی تھی اس کے کپڑے بارش کی وجہ سے گیلے تھے اور بوندیں ٹپک رہی تھیں سردی سے جسم کانپ رہا تھا۔ اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے اور لڑکی کے کپڑوں کو جسم پر ہی نچوڑ نچوڑ کر پانی نکالا اور دل ہی دل میں اپنے کو جلد گھر سے نکلنے پر کوستی رہی اور سوچنے لگی اس آفت سے تو وہ چار روپیہ کی ماماگیری ہزار درجے بہتر ہے کہنے کو تو پندرہ روپے ملتے ہیں لیکن کن آفتوں سے۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے سُنا ایک کانسٹبل دوسرے کانسٹبل سے کہہ رہا ہے "لڑکی سوگئی ہے اور وہ جاگ رہی ہو۔" اور ایک طرف اُس کا دشمن لاری ڈرائیور کھڑا شرارت آمیز مسکراہٹ سے دیکھ کر کہہ رہا ہے "آج چڑیا پھندے میں آئی ہے اب خوب بدنام کرونگا سکول سے نکلوادوں گا۔ جاتی کہاں ہے۔ شہر تو ایسی کمراب عورت لڑکیوں کے سکول میں نہیں چاہیئے"۔

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی اُس کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ صبح ہو رہی تھی بارش ختم ہو چکی تھی اب سڑک پر اکا دُکا راہ گیر نظر آجاتے تھے۔ کانسٹبل بدستور ہری شال اوڑھے خراٹے لے رہا تھا۔ کتا اُس کی پائنتی زمین پر بیٹھا تھا۔ سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور اُس کی لڑکی غافل سو رہی تھی۔ اُس نے اُسے جگایا اور کانسٹبل کو جاگتا سمجھ کر بولی "بھیّا میں جاتی ہوں"۔ لیکن جب کوئی جواب نہیں ملا تو وہ سوچتی ہوئی سکول کی طرف چلی کہ اُسے ایسا خواب کیوں نظر آیا اور پھر لاری ڈرائیور کی شرارت آمیز مسکراہٹ اور دل چھلنی کر ڈالنے والے الفاظ...... کانسٹبل کا اُسے تھانے میں لانا اور پھر اُن کی آہستہ آہستہ سرگوشیاں اور اُن کی بدنیتی کا اظہار یہ سب اُس کی نظروں میں پھرنے لگا تاہم اُس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اُسے ایسا خواب کیوں نظر آیا۔

تقی علی ہاشمی ناگپور

ماں یا ڈائن؟

ساجدہ کے چار بچے تھے سب سے چھوٹی بچی تین ماہ اور اس سے بڑا لڑکا سلیم چار سال کا تھا۔ ایک دن ساجدہ باہر دالان میں کچھ سی پرو رہی تھی۔ بڑے بچے مدرسے گئے ہوئے تھے۔ ننھی بچی اندر کمرے میں پنگوڑے میں پڑی ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ سلیم میاں کھیلتے کھیلتے باہر گنجینہ کے پاس پہنچ گئے۔ کھانے کے برتن دیکھ کر بھوک سی معلوم ہوئی گنجینہ میں ایک طشتری میں بیسنی روٹی اور پیالی میں لہسن کی چٹنی رکھی تھی۔ دونوں برتن نکال لائے اور ننھی بہن کے جھولے کے پاس بیٹھ کر کھانے لگے۔ کبھی کبھی اُچک اُچک کر ننھی کو بھی دیکھتے جاتے تھے۔

بچی نے کھیلتے کھیلتے رونے کی آواز نکالی اور سلیم میاں نے نوالہ توڑ خوب چٹنی میں لتھیڑ ننھی بہن کے منہ میں ٹھونس دیا۔ بچی کی سانس رُک گئی۔ اور مرچوں کا زبردست پھندہ لگ گیا۔ ماں خرخر کی آواز سُنکر بھاگی ہوئی آئی۔ جلدی جلدی منہ صاف کیا لیکن چٹنی حلق سے نیچے اُتر چکی تھی۔ بچی نے ننھا سا منہ کھول کر آنکھیں پھاڑ دیں اور پانچ سات منٹ تڑپنے کے بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

جو ماں بچوں کو کھا جاتی ہے اسے ڈائن کہتے ہیں لیکن جس ماں کی غفلت سے اس کے بچے ضائع ہوجائیں کیا وہ ڈائن سے کچھ کم ہے؟

آمنہ نازلی

پکانے کا ہنر

ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے ہندوستان میں شرفا میں سب سے پہلے لڑکیوں کو کھانا پکانے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہم اپنی بزرگ بیبیوں کو اس فن کا ماہر دیکھتے ہیں۔ جہاں پہلے زمانہ کی عورتیں انواع و اقسام کے کھانے پکانا جانتی تھیں وہیں مرد عُمدہ کھانوں کے قدردان اور شوقین ہوتے تھے۔

لیکن زمانے کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے فرائض و مصروفیتیں بھی بدلتی چلی گئی ہیں۔ پہلے عورتوں کا صرف امور خانہ داری سے واقف اور ماہر ہونا کافی و ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور دیگر شعبوں میں نہ اُن کا کچھ دخل تھا، اور نہ اُس کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ عورتوں کی تعلیم پر بھی یوں ہی سی توجہ کی جاتی، اُن کے لئے صرف تربیت ہی لازم تھی۔

لیکن اب نہ وہ خیالات رہے اور نہ وہ حالات کہ عورتوں کے فرائض صرف خانہ داری ہی تک محدود رکھے جائیں۔ اب زندگی کے دیگر شعبوں میں حصہ لینے کے بعد ہم اپنے اس ضروری فن سے بے بہرہ ہونے لگے ہیں۔ اور بتدریج ہماری دلچسپی اس ہنر سے کم ہوتی جارہی ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس ہنر کو بھی ترقی دیتے اور اپنی غذاؤں میں سائنٹیفکٹ اصول سے اصلاح کرتے۔ یہ کام لڑکیوں کا تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں دیگر مشغولیتوں کے آگے اُنہوں نے اس ضروری فن سے انتہائی تغافل کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔

گو آجکل اکثر زنانہ مدارس میں معاشیات Domestic Science کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ مگر اس سے وہی لڑکیاں مستفید ہو سکتی ہیں جو وہاں تعلیم و تربیت پاتی ہوں۔ پھر انسان صرف پڈنگ، حلوے، کیک، پیسٹری، بسکٹ وغیرہ ہی کھا کر زندگی نہیں گذار سکتا، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے ہمارے ہاں معاشیاتِ خانہ داری کی تعلیم لازمی و عملی نہیں ہے۔ البتہ ابتدائی جماعتوں کی تعلیم تک ہفتہ میں ایک آدھ بار معلمات کئی کئی جماعتوں کی لڑکیوں کو جمع کرکے اُن کے سامنے کوئی پکوان کی چیز تیار کرتی ہیں۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ اس طرح بھی ہر لڑکی عملی طور پر مستفید نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح میری ایک بہن جو ناگپور کے ہائی اسکول کی تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ اُنہوں نے اپنے اسکول میں آلو ابال کر ترکاری (سالن) پکانے کی ترکیب تین سال میں یعنی تین مختلف جماعتوں کی تعلیم کے دوران میں پورے طور سے سیکھی تھی۔ ظاہر ہے یہ رفتار اور طریقے ہمیں پکوان میں ماہر کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ اُن لڑکیوں کو بھی اپنے گھروں میں اس کے لئے مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ ان سے زیادہ تو اُن لڑکیوں کا اس فن میں کورا ہونا قابل افسوس ہے جن کی تمام تعلیم و تربیت گھر پر ہی ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ اُن کو امور خانہ داری سے زیادہ واقفیت و دلچسپی حاصل ہونی چاہیئے۔

سب جانتے ہیں ہمارے لڑکپن اور بےخبری کا زمانہ ہمیشہ باقی نہیں رہتا۔ بہت جلد وہ زمانہ بھی آجاتا ہے جب

عموماً لڑکیوں کو عملی طور پر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ اس عملی زندگی میں کھانے پکانے سے واقفیت اس کیلئے کتنی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس عدم واقفیت سے انہیں سخت مشکلوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

یہ سمجھ لینا سخت غلطی ہے کہ پکوان سیکھنے کی متمول لڑکیوں کو ضرورت نہیں، یا پہلے کی طرح اب بیوی کو گھر کی نگہداشت اور پکوان کی نگرانی میں وقت گذارنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ دُنیا چاہے کتنی ہی ترقی کرلے اور عورت کو چاہے کتنی ہی آزادی حاصل ہو جائے۔ وہ کتنی ہی متمول کیوں نہ ہو فطرتاً وہ خانہ داری کے لئے مجبور ہے۔ ایک سمجھدار اور فرض شناس عورت چاہے وہ کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دولت مند کیوں نہ ہو اپنے گھر میں کھانے پکانے کی دیکھ بھال میں حصہ لینا اپنا فرض سمجھے گی، بلکہ اس کے لئے مجبور ہوگی۔

یورپی ممالک کی ترقیوں سے کون واقف نہیں۔ وہاں کی نسوانی آزادیوں کی بھی انتہا باقی نہیں رہی۔ مگر پھر بھی لڑکیوں کو اس فن کی طرف توجہ کرنی ہی پڑتی ہے۔ کہتے ہیں جاپان میں تو لڑکیاں اس وقت تک شادی کے قابل نہیں سمجھی جاتیں جب تک وہ اپنے ملک کی خانہ داری کی تربیت گاہوں سے سرٹیفکٹ حاصل نہ کرلیں۔

ہمارے ملک میں آئی ہوئی کئی معزز یورپین عورتوں سے میں واقف ہوں۔ جو کھانے پکانے کی ماہر اور سائنٹیفک طور پر غذاؤں کے تیار کرنے سے واقفیت رکھتی ہیں۔ انہیں یہاں بھی کام کرنے سے عار نہیں ہوتا۔ میرے شناساؤں میں ایک امریکن خاتون بھی ہیں جو یہاں کے ایک دیسی عہدہ دار کی بیوی ہیں۔ وہ اپنے ملک کے ایک دولتمند ذی وجاہت شخص کی بیٹی ہیں۔ یہاں بھی اُن کے شوہر کافی مشاہرہ پاتے ہیں۔ وہ اپنے گھر کا کام خود کرتی ہیں۔ آپ ہی پکاتی ہیں اور برتن بھی خود صاف کرلیا کرتی ہیں۔ مجھے اُن کا باورچی خانہ دیکھنے اور اُن کو وہاں کام کرتا ہوا بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ بہت صفائی و نفاست سے سب کام انجام دیتی ہیں۔ اُن کا باورچی خانہ نہایت بااُصول آرام دہ اور ایسا تھا کہ وہاں کام کرتے یا پکاتے ہوئے کسی کو ندامت نہیں محسوس ہوسکتی۔ خاص قسم کی انگیٹھیاں۔ دھواں جانے کا خاص انتظام میز پر برتن صاف کرنے کا سامان غرض ہر چیز ہمارے لئے انوکھی تھی۔ پھر اُن کی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ میں نے اُن کو اکثر جلسوں یا کلب وغیرہ میں یہ کہہ کر اُٹھتے ہوئے سُنا ہے کہ "اب مجھے اجازت دیجئے میرے پکانے کا وقت ہو رہا ہے"۔

اسی طرح میں اکثر پارسی اور ہندو خواتین سے بھی واقف ہوں جو اپنا کھانا آپ پکاتی ہیں۔ انہیں اس میں کوئی عار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس تعلیم یافتہ مسلمان لڑکیاں ہیں جو کھانے پکانے میں حصہ لینے سے تغافل کرتی ہیں شاید اس کا باعث ہمارے کھانے پکانے کے فرسودہ طریقے ہیں۔ جس سے لڑکیاں اُکتاتی ہیں۔

ہم کو مغربی ممالک کے حالات پڑھنے اور سُننے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسری اعلیٰ ترقیوں کے ساتھ اس فن کی طرف بھی توجہ کرتی رہتی ہیں۔ اور کھانے پکانے میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے نئی نئی ایجادوں سے کام لیتی ہیں۔ اور بہت سے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جس سے خانہ داری کی ضرورتوں کی تکمیل میں نہایت آسانی ہوگئی ہے۔

لیکن وہ اس فن سے غافل نہیں ہیں۔ پھر کیا ہمارے غریب مُلک میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہماری لڑکیاں اس فن میں ماہر اور آیندہ زندگی میں اپنے شوہر اور متعلقین کی راحت و خوشی کا ذریعہ ہوں؟

عورت کسی مُلک کی ہو ضروری ہے کہ خانہ داری اور کھانے پکانے سے پوری دلچسپی لے۔ خصوصاً ہندوستان میں جہاں اس ضمن میں اور آسانیاں ہیں اور نہ یہاں کے حالات اس کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم ہوٹلوں کے کھانوں اور "آیا" اور "بٹلروں" کے بھروسے پر زندگی بسر کریں۔ نہ اس کے لئے ہمارے ملک کی مالی و سماجی حالت تیار ہے۔ اور نہ اس طرح ہم اپنی خوش حالی اور تندرستی قائم رکھ سکتے ہیں۔ ہمیں تو متمدن ممالک سے زیادہ کھانے پکانے سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے ہمارے پاس فرصت بھی ہے۔

ہماری لڑکیوں کی کھانے پکانے سے عدم دلچسپی و بے توجہی کا باعث ماؤں کی بے پروائی بھی ہے۔ پہلے ہمارے ہاں بچیوں میں "ہنڈکلیا" کے طور پر کھانے پکانے کا شوق پیدا کیا جاتا تھا اور لڑکیوں کے سمجھدار ہونے پر مائیں باقاعدہ کبھی پکانے کا کام سکھاتی رہتی تھیں۔ لیکن نہ آجکل بچیوں میں کسی طرح سے کھانے پکانے کا شوق پیدا کیا جاتا ہے اور نہ مائیں کبھی اُن سے پکانے کا کام ہی لیتی ہیں۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے وہ خود ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرتی ہیں۔ مگر اپنی آرام طلب لڑکیوں کو اپنا مددگار بننے پر مجبور نہیں کرتیں۔ یہ طریقے آئندہ اُن کے حق میں تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔

آجکل کی لڑکیاں کافی سمجھدار ہیں اس لئے اُن سے میری یہ استدعا بے جا نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کی گھریلو زندگیوں اور مُشکلات کا بغور مطالعہ کریں۔ اور ہندوستان کی مسرت اور یہاں کے حالات کا اندازہ کریں تو انہیں خود کھانے پکانے سے واقفیت حاصل کرنے اور دیگر امور خانہ داری میں ماہر ہونے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ یہ چیزیں اُن کی آیندہ زندگی کی خوشحالی میں نہایت مفید ثابت ہوں گی۔

اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی بیحد ضرورت ہے کہ ہندوستانی کھانوں اور خانہ داری کے اکثر فرسودہ طریقوں کی اصلاح کریں رفتہ رفتہ مفید ایجادوں اور طریقوں کو جگہ دیں اور غذاؤں کی تیاری میں اصول سائنس اور غذائیت کے باقی رکھے جانے کے طریقوں سے واقفیت حاصل کریں۔ ہم عموماً نہیں جانتے کہ ہماری غذاؤں میں وٹامن، پروٹین، کاربوہائیڈریٹ وغیرہ کے اجزا کن کن غذاؤں میں موجود ہوتے ہیں اور اُن خاص اجزا کی ہمیں کس حد تک ضرورت ہے۔ اس سے عدم واقفیت کی بنا پر ہماری صحت برباد ہو جاتی ہے۔ غرضکہ اس ضروری فن پر توجہ کرنے سے ہی ہماری زندگی آرام و آسائش سے بسر ہوسکیگی۔ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے اُردو کے مولفین اس فن کی جانب توجہ کرنے لگے ہیں۔ خاصکر دفتر عصمت دہلی سے اس ضروری فن پر خاص توجہ کیگئی ہے۔ اس موضوع پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ بچوں اور بیماروں کے کھانے وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر بھی کتابیں مرتب کیگئی ہیں جن سے بڑی حد تک ہماری معلومات میں اضافہ اور ہماری ضرورت کو پورا کیا گیا ہے یہ کوشش قابل قدر و لائق تحسین ہے۔

حفیظہ جمال (مسز برہان الدین حسین) پربھنی دکن

رائی کا پہاڑ

اشخاص ڈراما

نسیمہ ...... شاہد کی بیوی
خورشید جہاں ... نسیمہ کی نند
شاہد .... نسیمہ کا فرماں بردار شوہر

بچہ رو رہا ہے۔ رونے کی آواز سنتے ہی اپنی نند خورشید سے نسیمہ بگڑ کر کہتی ہے۔

نسیمہ۔ خورشید ایسی بھی کیا خود غرضی — دیکھنا کتنی دیر سے بچہ رو رہا ہے لیکن کیا مجال جو تمہارے کانوں میں آواز پہونچ جائے۔

خورشید۔ بھابی قسم ہے تم تو ہر بات میں رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہو۔ ابھی مشکل سے ایک منٹ ہوا بچہ رویا اور تم نے شور مچا دیا — ابھی لئے لیتی ہوں۔ تھوڑا سا لکھنا باقی ہے ختم کر کے ابھی آئی۔

نسیمہ۔ بس بس رہنے دو یہ صفائیاں اپنی — لکھتی رہو — خدا تمہیں لکھنے ہی کا روزگار نصیب کرے نہ جانے کیسی نصیبہ والی بھاوجیں ہوتی ہیں جن کی نندیں آنکھیں بچھاتی ہیں اور ہر وقت بھتیجی بھتیجوں کو لئے لئے واری قربان ہوتی ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ اتنا بھی آرام نہیں کہ کوئی روتے ہوئے بچہ کو ذرا چپکا تو کرلے۔

خورشید۔ تو یہ بھابی جان آپ تو ذرا سی بات میں جان کو آجاتی ہیں یہ تو سوچئے کہ ذرا دیر رونے دینا کوئی بُری بات نہیں۔ ڈاکٹری اصول سے صحت کیلئے رونا لازمی ہے۔

نسیمہ۔ اے ہے رہنے بھی دو اپنی ڈاکٹری — یہ سب باتیں اپنے میاں کے ہاں جا کے کرنا۔ جہاں پتہ لگے گا کہ کیسے مفت کی روٹیاں وقت پر پکی پکائی کھانے کو ملتی ہیں۔

خورشید۔ آپ تو خواہ مخواہ ہی بگڑے جاتی ہیں — کوئی بات بھی ہو غصہ کئے جاتی ہیں۔ صبح شام جو کچھ کام ہوتا ہے اُسے میں کر دیتی ہوں آخر اور کیا چاہتی ہیں آپ؟ ساری گرمیوں کی چھٹیوں میں تمام تمام دوپہر آپ کے کپڑے بچے کے سارے کپڑے سئے۔ ہاتھ کے کام کے پلنگ پوش بنا کر دئے۔ میری آنکھوں میں درد ہو گیا اور آپ کی سمجھ میں میرا کام ہی نہیں آتا۔

نسیمہ۔ اونہہ! بڑا کام کر دیتی ہو — پہاڑ کے پتھر ڈھو دیتی ہو۔ اُٹھیں ذرا سی چار بنالی۔ اُلٹی سیدھی چار پوریاں پکالیں۔ حلوا گھونٹ لیا۔ لیجئے یہ کارگذاریاں ہیں جن پر ٹھنے دئے جا رہے ہیں۔ اور کپڑے سی دئے

تو مجھ پر احسان کا تذکرہ کیوں لا رہی ہو۔ رہ گئے میرے کپڑے سونا سیتیں۔ بھتیجے کے کام کا میرے اوپر کچھ احسان نہیں۔ لوگ تو غیروں کا بہترا کام کر دیتے ہیں۔

خورشید۔ میں نے تو بات کہی تھی احسان کا تو نام بھی نہیں لیا۔ گھر کا ہی کام سمجھا اور کیا۔ آپ سے کیا شکوہ۔

نسیمہ۔ ایک ایک ٹانکہ گنوا دیا اور ابھی بیچاری نے کچھ کہا ہی نہیں۔ چادر پر ذرا سی جالی تاگہ نکال کر بنا دی گویا کہ بڑا کام کر دیا۔ ایسی جالی تو میں خود بھی اٹھتے بیٹھتے بنا لیتی۔ کون سا مشکل کام ہے۔

خورشید۔ بھابی کوئی دن ایسا کمبخت ہی گذرتا ہوگا جس دن آپ ہزاروں نضیحتوں کا طومار نہ باندھتی ہوں۔ میرا تو سچ کہتی ہوں ناک میں دم ہو گیا۔ جتنا خاموش رہتی ہوں اتنا ہی تم چلاتی رہتی ہو۔

نسیمہ۔ اللہ اللہ! یہ الزام الٹا میرے ہی سر پر۔ اچھا ذرا آنے دو اپنے بھائی کو۔

خورشید۔ یہ تو مجھے پہلے ہی سے امید ہے۔ اس روز تھوڑا آپ نے بھائی سے کہہ کر فضیحتہ کرایا تھا کہ بچہ کو دودھ کچا پلایا تھا۔ اتفاق ہے بچے کی طبیعت خراب ہو گئی۔

نسیمہ۔ (چیخ کر) بس چپ رہو۔ میں باز آئی تم سے خدا کی پھٹکار میرے اماں باوا پر جنہوں نے میری قسمت اس گھر میں پھوڑ دی۔

خورشید۔ ہاں صاحب ہم تو ایسے ہی کمینے ہیں ہمارے ہاں آپ کی شادی غلط ہوئی۔

نسیمہ۔ (روتے ہوئے) ہائے رے۔۔۔ کہاں جاؤں کیسی آفت میں پھنس گئی۔ ایسی زندگی سے تو زندہ در گور بھلی۔ مجھے تو تمہارے ساتھ رہنے سے دق ہو جائے گی۔ ہر وقت کی سوختی ہو گئی۔ کوفت سے میری تو بھوک بھی بھاگ گئی۔ راتوں کی نیند غارت ہو گئی۔ میرا تو دم ہولا گیا اب کے اماں کے گھر جا کر واپس ہی نہیں آؤں گی۔

شاہد۔ (گھر میں آتے ہوئے) ارے۔۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ کیا ہوا۔۔۔۔ کیا؟ آخر معاملہ کیا۔۔ دلہن بیگم! دلہن بیگم!! تم رو کیوں رہی ہو؟ بتاؤ نا آخر کچھ بات۔۔

نسیمہ۔ کچھ نہیں ۔۔۔ سب میری قسمت کی باتیں ہیں۔

شاہد۔ کچھ کیسے نہیں ۔۔۔ آخر کیا بات ہے؟ ارے خورشید تم نے کچھ کہہ دیا ہوگا؟

خورشید۔ بھائی جان اتنی سی بات ہوئی کہ میں ذرا کالج کا کام ختم کر رہی تھی۔ بچہ رو دیا۔ میں نے اتنا کہہ دیا کہ ابھی لئے لیتی ہوں۔۔ بس اتنی دیر میں بھابی جان کو غصہ آگیا۔

شاہد۔ خورشید تم کو تو بس خود غرضی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ یہ بھی کوئی بات ہے روز ایک نہ ایک قصہ دفتر سے آکر سنتا ہوں۔

نسیمہ۔ اب تم کیوں ناحق کہہ رہے ہو۔ پلٹ کر تمہیں بھی جواب دے دے گی تو کیا تمہاری بات رہ جائے گی۔ اب تم مجھے رات ہی کی گاڑی سے اماں کے ہاں پہونچا دو اس رات دن کی ہائے ہائے سے تو فرصت ہوگی۔ میں نے کہہ دیا اب میں کسی طرح بھی نہ مانوں گی۔ جو تمہارا خدا دولے مجھے خرچ بھیج دیا کرنا۔

شاہد۔ خورشید لو بس اب تو خوش ہو جاؤ۔ میرا گھر

برباد ہوا جا رہا ہے - اور وہ جا رہی ہیں - اب جواب سوال اکیلے گھر میں کرتی رہنا -

خورشید - بھائی جان خدا کی قسم میں نے تو کچھ کہا بھی نہیں - بات ہی کیا تھی بیکار بھابی نے اتنی بات بڑھائی آیندہ توبہ کرتی ہوں اور اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں -

نسیمہ - اچھی توبہ ہوئی - جوتے لگا لئے اور الفاظ واپس لے لئے - اے نوج کوئی لڑکیوں کو کالج میں پڑھائے -

خورشید - آپ میری بڑی اور بزرگ ہیں جو چاہیں فرمائیں لیکن میں تو ہر وقت آپ کے خیالات اور جذبات کا احترام کرتی ہوں -

نسیمہ - باتیں نہ بناؤ اچھی طرح جانتی ہوں جیسی نیکی بھلائی میرے ساتھ کرتی ہو بس میرا ہی دل جانتا ہے - خدا ہی انصاف کرے - میں تو کچھ کہتی نہیں -

شاہد - خورشید تم سخت بدتمیز لڑکی ہو - آخر جواب کیوں دئے جا رہی ہو - چپ رہو تو کیا قاضی جی گلہ کریں گے ؟

نسیمہ - اے توبہ کرو - یہ سبق تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں - وہ تو میں ہی ایسی تھی جو نباہ کر لیا - اب تھوڑے دن جب کسی کے گھر کا لکھا پورا ہوگا جب حقیقت معلوم ہو گی -

شاہد - ہم نے پرورش کیا لکھایا پڑھایا - اس نالائق کو بڑے بھائی کا ذرا بھی لحاظ نہیں -

نسیمہ - خدا جانتا ہے تمہارے منہ سے میں ٹال جاتی ہوں ورنہ کھڑی پانی نہ پیوں - اس ہائے ہائے میں ننھا بھوکا سو گیا - اٹھا کر مجھے دو دو -

شفیق بانو - نجیب آباد

"کیفِ بہار"

صحنِ چمن میں آمدِ فصلِ بہار ہے
سوسن کی بُو سے تازہ ہوا مشکبار ہے
ہر برگِ تازہ شاد ہے رنگیں ہیں کوپلیں
بے تاب ہو کے کوک اٹھیں مست کوئلیں

رہ رہ کے آ رہی ہے صدا آبشار کی
نیرنگیاں ہیں وجد کے قابل بہار کی
ہلکا سا یہ تبسمِ رنگیں گلاب کا
دوڑا ہوا ہے خاک میں بھی خوں شباب کا

رہ رہ کے بادلوں کا گلستاں پہ جھومنا
کلیوں کے روئے ناز کا بھونروں کا چومنا
یہ سُرخ سُرخ پھول یہ سرسبز ڈالیاں
شاداب و عطر بیز یہ گلپوش جھاڑیاں

یہ کیاریاں یہ صبحِ مسرت یہ سبزہ زار
صحنِ چمن کی مست ہوا موسمِ بہار
فرطِ خوشی سے رقص میں ہیں نرم ڈالیاں
جھومی ہوئی ہیں شوق میں کھیتوں کی بالیاں

لہرا رہی ہے بوئے سمن کوہسار میں
اک زندگی سی دوڑ گئی سبزہ زار میں
جوشِ بہار باغ میں ہے سرد ہے نسیم
یاد آ رہی ہیں صحبتیں بھولی ہوئی شمیم

صفیہ شمیم - ملیح آبادی

پھولوں کی بولی

پُرانے زمانہ کا ذکر ہے چند انسان ایسے بھی تھے جو پھولوں کی بولی جانتے تھے۔ یہ علم انہیں ایک دیوتا کی خوشنودی سے حاصل ہوا تھا۔ مگر اس کی ایک عجیب شرط بھی تھی۔ یعنی بغیر اجازت وہ کسی اور کو یہ علم نہیں سکھا سکتے تھے۔ لیکن انسان کی فطرت میں خود نمائی بہت ہے۔ ایک حضرت اپنی ڈینگ میں آکر دوسروں پر رعب جمانے کے لئے بھرے مجمع میں اس بولی کی تشریح کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیوتا اس حکم عدولی سے ناراض ہوئے اور یہ علم ان کے پاس سے جاتا رہا۔

پھول، قدرت الہٰی کا سب سے حسین تحفہ ہیں۔ خشک سے خشک مزاج انسان بھی ان کی رعنائی و رنگینی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کون ایسا مردہ دل ہوگا جو ندی کے کنارے اُگے ہوئے دلفریب بنفشہ کے پھول کو دیکھ کر وجد کی حالت میں نہ آجائے گا یا کنول کے پھول کو نیلگوں چادر پر لہراتا دیکھ کر جوشِ مسرت سے دیوانہ نہ ہوجائے گا؟ پھل اور درختوں کی ٹہنیاں، پھولوں کے بوجھ سے لدی دیکھ کر ہر ایک کا دل وفورِ خوشی سے کانپنے لگ جاتا ہے۔

اُس زمانہ میں جب لوگ وائرلیس ٹیلی گرام اور ٹیلی فون کے نام سے ناآشنا تھے تو اس وقت پھول ہی مطلب رسانی کے لئے ایک دوسرے کو بھیجے جاتے تھے۔ ہر ایک پھول ایک مطلب رکھتا ہے۔ ایک بات اور بھی ہو۔ اگر پھول خالی بھیجا جائے تو اور معنے نکلتے ہیں۔ اگر اس کے گرد پتیاں بھی مزین ہوں تو اور معنے لئے جائیں گے۔ مثلاً گلاب کی ایک ایسی کلی جو پتّوں اور کانٹوں سے مبّرا ہو بھیجی جائے تو اور مطلب ہوتا ہے۔ "مجھے ہر بات کا اندیشہ ہے۔" اگر پتیاں نوچی نہ گئی ہوں۔ بلکہ پھول کی زینت ہوں تو "مجھے ہر طرح اُمید ہے" اور اگر ان پتّوں کے علاوہ ٹہنی پر ننھے ننھے کانٹے بھی بدستور آویزاں ہوں تو "مجھے اندیشہ بھی ہے اور اُمید بھی۔"

اسی طرح پھول مختلف جگہ پہننے سے مختلف معنے نکلتے ہیں۔ مثلاً گل ہزارہ کا پھول بالوں کی زینت بنایا جائے۔ تو افسردگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر یہی پھول سینے پر آویزاں کیا جائے تو حسد ظاہر کرتا ہے۔ اور اگر دل کے اوپر پہنا جائے تو محبت میں ناکامی کی علامت نمایاں کرتا ہے۔

رنگوں کو بھی معنوں سے گہرا تعلق ہے۔ نیلے رنگ کے پھول سچی محبت کے حامل ہوتے ہیں۔ زرد محبت میں ناکامی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہلکے موتیا کے رنگ کے پھول افسردگی کو۔ سرخ رنگ کے پھول محبت میں روز افزوں ترقی اور خوبصورتی کا پیام ہیں اور سفید خیالات کی پاکیزگی کا افسانہ دہراتے ہیں۔

ہر ملک، ہر زبان کے شاعر پھولوں کا ذکر اپنی شاعری میں کرتے رہے ہیں۔ اس تذکرہ کے بغیر ان کی شاعری بے لطف ہے۔ بلکہ دُنیا کی چند ایک بہترین نظمیں پھولوں کی تعریف و تحسین میں لکھی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے گلاب کا پھول اور سب

پھولوں پر سبقت رکھتا ہے۔ گل و بلبل کے تذکرے سے ہماری شاعری تو بھری ہی پڑی ہے۔ مغرب کے شاعر اور مصنف بھی اس مضمون سے کنارہ کش نہ رہ سکے۔ چنانچہ آسکر وائلڈ کا ایک نہایت دل آویز افسانہ گل و بلبل کے قصے کو نہایت دلنشیں طریقے سے دوہراتا ہے۔ اسی طرح بے شمار عمدہ عمدہ نظمیں گلاب کی خوبصورتی اور دل آویزی کی تعریف میں لکھی گئی ہیں۔ اور اسے "پھولوں کی حسین ملکہ" کہا جاتا ہے۔

سُرخ گلاب خوبصورتی اور محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسی محبت — جو سمندر کی انتہائی گہرائیوں سے زیادہ عمیق اور فلک بوس پہاڑیوں کی چوٹیوں سے بلند تر ہو ایسی خوبصورتی — جو دیویوں کے حُسن، پریوں کی نزاکت اور پھولوں کی ترو تازگی کا مجموعہ ہو۔ چنانچہ رابرٹ برنز نے بھی اپنی ایک نظم میں یہ تشبیہہ دی ہے:—

"میری محبوبہ جون کے تازہ کھلے ہوئے گہرے سُرخ گلاب سے مشابہ ہے۔"

سہیلیاں عموماً اپنی محبت جتانے کے لئے سُرخ گلاب کے تازہ تازہ پھول ایک دوسری کو بھیجتی۔ اور یہ ہے بھی سب سے بہترین تحفہ! ایک شاعر اپنی محبوبہ کو گلاب کا پھول بھیجتے ہوئے کہتا ہے" اے حسین گلاب! جا اور اُسے بتا کہ جب میں اُسے تجھ سے تشبیہہ دیتا ہوں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ میرے نزدیک وہ کسقدر خوبصورت اور دلفریب ہے۔"

اکہرا گلاب سادگی کا نشان ہے۔ زرد گلاب حسد اور ناکامیٔ محبت کی پریشانی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور بصرہ کا گلاب (دسک روز) ترو تازگی کو۔ سُرخ اور سفید گلاب اکٹھے ہوں تو اتحاد کا اعلان کرتے ہیں۔ گلاب خصوصاً بہاری گلاب جو مارچ میں کھلتا ہے۔ مشرق میں متبرک سمجھا جاتا ہے۔

جوہی، چنبیلی اور موتیا کے پھول پاکیزگی اور نفاست کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ہندوستانیوں سے ان پھولوں کی قدر پوچھو، گجرے تیار ہو رہے ہیں۔ بدھیاں بن رہی ہیں۔ دولہا دُلہن کے سہروں میں پروئے جارہے ہیں گلاب کی طرح چنبیلی اور موتیا کے پھول بھی متبرک سمجھے جاتے ہیں۔ پاؤں کے نیچے روندے جائیں تو بڑی بوڑھیاں کانپ اٹھتی ہیں۔ مغرب میں للی کو پاکیزگی اور معصومیت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ اور جس طرح ہمارے ملک میں چنبیلی موتیا اور بہاری گلاب کو مقدس درجہ حاصل ہے۔ اُسی طرح وہاں للی کو۔ پُرانے زمانے میں جب کسی راہب یا ولی کی تصویر بنائی جاتی تھی تو عموماً اس کے ہاتھ میں للی کے پاکیزہ پھول بھی ہوتے تھے۔ یہ پھول اس فانی دُنیا سے دُور ایک بہتر دُنیا کی طرف اشارہ کرتے معلوم دیتے ہیں۔

فارگیٹ می ناٹ کے پھولوں کو تو سب جانتے ہی ہیں۔ جنگلوں میں چلے جاؤ۔ ننھے ننھے نیلے نیلے پھول ہر ایک کو بے ساختہ اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ ایسے خط لکھنے کے کاغذ جن پر فارگیٹ می ناٹ کے دلفریب پھول بنے ہوں لڑکیاں شوق سے خریدتی ہیں۔ تاکہ ان کی پیاری سہیلی کو ان کے لکھے بغیر محبت کا احساس رہے!

فارگیٹ می ناٹ انتہائی محبت کی نشانی ہے۔ اس کی کہانی عوام میں مشہور ہے۔ ایک نوجوان اپنی محبوبہ کے

سامنے ایک خوش نما جھیل کے کنارے محوِخرام تھا۔ دونوں قدرت کی نیرنگیوں سے حظ اُٹھا رہے تھے۔ دفعتاً لڑکی کی نگاہ ان ننھے ننھے پھولوں پر پڑی۔ جو جھیل کے عین بیچوں بیچ ایک ننھے سے ٹاپو پر اُگ رہے تھے۔ لڑکی پھولوں کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر بے ساختہ بول اُٹھی "کیسے حسین پھول ہیں۔ کاش میں انہیں توڑ سکتی۔ نوجوان محبت سے اندھا تو ہو ہی رہا تھا۔ اپنی محبوبہ کی خواہش کیسے رد کرتا۔ جھٹ پانی میں کود پڑا۔ اور ٹاپو پر پہنچ کر پودے کا پودا اکھیڑ لیا۔ واپسی پر اس کی ہمت نے جواب دے دیا۔ کنارہ نزدیک تھا لیکن بازوؤں میں ذرا بھی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ یہ حال دیکھ کر پھول کنارے پر پھینک کر بآوازِ بلند کہا "فارگیٹ می ناٹ" یعنی مجھے بھول نہ جانا۔ اور ایک آخری نگاہ اپنی محبوبہ کے ملائک فریب چہرہ پر ڈالتا ہوا پانی کی گہرائی میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔

انگلینڈ میں نارنگی کی کلیوں کو ایامِ عروسی سے گہرا تعلق ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں دولہا دلہن کے لئے چنبیلی اور موتیا کے پھول منتخب کئے جاتے ہیں۔ انگریز نارنگی کی کلیاں اس مطلب کے لئے بے حد پسند کرتے ہیں۔ مارچ اپریل میں، جس قدر شادیاں ہوتی ہیں تقریباً ہر دلہن کے ہاتھ میں ان ہی کا گلدستہ ہوتا ہے۔

گل بنفشہ کے ننھے ننھے پھول عجز و انکساری اور عصمت کے معنے دیتے ہیں۔ بالکل یہی مطلب ڈیزی کے پھول کے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مارگریٹ نامی ایک برگزیدہ ہر دلعزیز راہبہ گذری ہے۔ وہ ہمیشہ ڈیزی کا پھول پہنے رہتی تھی۔ اسی سے یہ معنی لئے جانے لگے۔

اِن دونوں پھولوں کے برعکس ٹیولپ کا پھول ہے۔ جو عظمت و جلال کا اعلان کرتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں لوگوں کو ان پھولوں کا خبط رہا ہے۔ جن بہنوں نے "بلیک ٹیولپ" (ناول) پڑھا ہے۔ اُن پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کس طرح اس پھول کی بدولت لوگ تباہ ہو جاتے تھے اور مصیبتیں جھیلتے تھے۔

بلیو بل سچائی کا ترجمان ہے۔ اور سوائے اُن لوگوں کے جو صادق ہیں اور کوئی انہیں پہننے کی ہمت نہیں کرتا۔

پینیزی کے پھول سے بھی ایک کہانی وابستہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ اُسے اپنی ملکہ سے بے حد محبت تھی۔ اس ملکہ کی دو بیٹیاں تھیں۔ جنہیں ماں باپ پیار سے آرام جاں کہتے تھے۔ اتفاق دیکھئے کہ ملکہ بیمار پڑ گئی اور بیچاری چند دن میں مر گئی۔ بادشاہ کو رنج ہوا رات دن اپنی بیٹیوں کو سینے سے لگائے روتا رہتا۔ لیکن بادشاہوں کے مزاج میں استقلال تو ہوتا ہی نہیں۔ چند دن میں نئی ملکہ براجمان ہو گئی۔ رفتہ رفتہ اس نے بادشاہ کے دل پر قبضہ کر لیا۔ وہ اپنی لاڈلی بیٹیوں (جنہیں آرام جاں کہتا تھا) سے ناراض ہو گیا۔ نئی ملکہ کے بھی تین بیٹیاں ہو گئیں۔ اپنی بیٹیوں کو تو وہ عمدہ ریشمی کپڑے پہننے کے لئے دیتی، اور اُونچی کرسیوں پر بٹھاتی لیکن سوتیلی بیٹیوں کو معمولی کپڑے پہناتی اور نیچی سی کرسیاں بیٹھنے کو ملتیں۔ بیچاریاں اب کسی کی آرام جاں نہ تھیں۔ پینیزی کا پھول اٹھا کر دیکھئے ساری کہانی فلم کی تصویروں کی طرح نظروں میں گھوم جائے گی۔ پھول کی پانچ پنکھڑیاں ہیں۔ تین ساٹن کی طرح ملائم اور چمکدار اور کسی قدر اُونچی

باقی دو میں نہ وہ رنگ ہے نہ روپ اور نیچی سی ہیں۔ سوتیلی ماں کے ظلم وستم کا کیا خوب افسانہ ہے۔ اسی کہانی کو بنا پر پینیزی کو آرام جاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

"لارل" فتح ونصرت کی نشانی ہے۔ پرانے زمانے میں ہر دلعزیز اور کامیاب شاعروں، ادیبوں اور مصوروں کو اس ہی کے تاج بناکر پہنائے جاتے تھے۔ جب فتح کی خبر کہیں پہنچانی ہوتی تھی۔ تو لارل کی ایک شاخ بھیجی جاتی تھی۔ فاتح جنرل بھی لارل کی پتیاں اپنے سر کے گرد آویزاں کرتے تھے۔ کامیابی کی شراب میں سرشار سپاہی اسی کی شاخیں مبارکباد کے ساتھ ایک دوسرے کو پیش کرتے تھے۔

عشق پیچاں کے پھول دوستی وفاداری اور شادی کے ترجمان ہیں۔ یونان میں نئے بیاہے جوڑے کو ان ہی پھولوں کے ہار تحفۃً پیش کئے جاتے تھے۔ سچے دوست بھی ان ہی پھولوں کا ہدیہ ایک دوسرے کو بھیجتے تھے۔ فلاکس پنک اور درپینا کے پھول خاندانی اتفاق کا نشان ہیں اور ناگرموتھا۔ جو دلدل کا پودا ہے محکومیت کا۔ کنول کا پھول خودداری کے ساتھ ساتھ وفاداری کا اعلان کرتا ہے۔

سیب کے نازک پھول بھی اپنی بولی رکھتے ہیں۔ جب ان کے پھول کسی کو بھیجے جائیں تو صاف ظاہر ہے کہ بھیجنے والا اپنے دوست کو اور سب پر ترجیح دیتا ہے۔ ہنی سکل کے پھول دلی لگاؤ ظاہر کرتے ہیں اور سیلیوٹروپ زبانِ حال سے کہتا سُنائی دیتا ہے کہ "میں ہمیشہ استقلال سے وفاداری اور محبت کا دم بھروں گا"۔ لیونڈر کے پھولوں سے خاموشی کے معنے نکلتے ہیں گلِ شبّو کے خوشبودار پھول باطن کی صفائی اور خوش مزاجی کے بدلے ہیں۔

گلِ داؤدی۔ چین والوں کا محبوب پھول ہے۔ اور وہاں اس کا درجہ تمام پھولوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اسی طرح سفید کارنیشن کیونکہ جارج پنجم کا محبوب پھول تھا۔ اس لئے آجکل انگلینڈ میں ہر دلعزیز ہے۔

سورج مکھی کے پھول سے شان وشوکت کے معنے نکلتے ہیں۔ اس کا بڑا سا پھول ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پودے نے تاج پہن لیا ہے۔ لاجونتی سے "لجاجت" کا مطلب لیا جاتا ہے۔ ہندوستانی شرم وحیا کی دیویوں کو اس سے مشابہت دی جاتی ہو۔ کامنی کے پھول "نزاکت" ظاہر کرتے ہیں۔

میگونٹ کا پھول اس بات کا اعلان ہے کہ ظاہری خوبیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر باطنی خوبیاں ہیں۔ شاید اسی بات سے متاثر ہو کر نپولین اعظم نے اس کی نشوونما میں خاص دلچسپی لی تھی۔ آکیشیا کا پھول دوستی کے معنی دیتا ہے۔ کرسمس کے دنوں میں ہولی اور میسلٹو کی شاخیں آرائش کے بیحد کام آتی ہیں۔ ہولی اچھے خیالات اور امن کی ترجمانی کرتا ہے۔ اسی لئے بڑے دنوں کے تہوار پر یہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ عمدہ کرسمس کارڈوں پر بھی اکثر ان کی تصویریں بنی ہوتی ہیں۔

نرگس کے پھول حُسن وعشق کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ شاعروں نے محبوب کی آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دی ہے۔

نرگس کے پھول کی کہانی تو سب جانتے ہی ہیں۔ بہت پُرانے زمانے کا ذکر ہے۔ ایک نہایت حسین جمیل شہزادہ تھا جس کا نام نرگس تھا۔ ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کو نکلا۔ اور ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے اُن سے جُدا ہوگیا۔ تن تنہا میلوں دُور ایک خوش نما جھیل کے کنارے جا نکلا۔ اس جھیل کا پانی آئینہ کی طرح صاف و شفاف جھلک رہا تھا۔ شہزادہ اتنی دیر کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے سخت پیاس محسوس کر رہا تھا۔ جھیل کے کنارے گھٹنے ٹیک کے پانی پینے کو جھکا۔ لیکن شہزادہ کی حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی جب اُسے پانی میں ایک دلکش ملائک فریب چہرہ نظر آیا۔ شہزادہ اپنی پیاس بھول گیا۔ اور ٹکٹکی باندھ کر اُس موہنی صورت کو دیکھنے لگا۔ اُسے گرد وپیش کی کوئی خبر نہ تھی حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ آفتاب عالم تاب نے اپنے چہرے پر تاریکی کی نقاب اوڑھ لی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ پُر سحر صورت شہزادے کی نظر سے اُوجھل ہوگئی۔ لیکن نرگس کے دل پر کیوپڈ اپنا تیر چلا چکا تھا۔ اور وہ معصوم شہزادہ اپنے ہی عکس پر دیوانہ وار فریفتہ ہوچکا تھا۔ وہ تمام رات اسی طرح گھٹنے ٹیکے جھیل کے کنارے بیٹھا رہا۔ اس اُمید پر کہ شاید ایک دفعہ پھر وہ دلفریب چہرہ نظر آجائے۔ طلوع آفتاب کے ساتھ جل پری نے اپنا جلوہ دکھایا۔ شہزادہ کی مسرت کی انتہا نہ رہی اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ مستقل مزاج شہزادہ کھانے پینے سے بے نیاز اسی طرح دوزانو جھیل کے کنارے بیٹھا رہا۔ اور اپنی محبوبہ کا دیدار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہوگیا اور اس کی رُوح اس کے جسم کے زنداں سے رہا ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد اس مقام پر جہاں شہزادے کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ ایک پودا اُگ آیا۔ اور اس میں جو پھول آئے وہ شہزادے کی آنکھ کے مانند گول اور خوبصورت تھے۔ ان پھولوں کی خوبصورتی اور خوشبو سے متاثر ہوکر لوگوں نے ان کا نام بھی نرگس رکھ دیا۔ اسی مشابہت سے نرگسی آنکھیں مشہور ہیں۔

گُل ہزارہ ہندوؤں کا متبرک پھول ہے۔ اور جس طرح ہم گلاب اور موتیا کی قدر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ گُل ہزارہ کو پاکیزہ پھول سمجھتے ہیں۔ دُولہا دُلہن کے گلے کی زینت بنتے ہیں۔ پُجاری پوجا کے وقت دیوتاؤں اور دیویوں کے قدموں پر چڑھاتے ہیں۔ اور جب مُردے گنگا میں بہائے جاتے ہیں تو ان پر سیروں کے حساب سے گُل ہزارہ کے پھول ڈال دئے جاتے ہیں۔

سرور رعنا

کیا شادی ایک روزگار ہے؟

ریڈیو میں کچھ عرصہ ہوا مندرجہ بالا مضمون پر ایک مباحثہ ہوا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ اگر شادی محض ایک روزگار ہے تو ساس نندوں کے طعنوں اور خاوند کی پابندی سے اس طرح بھی چھٹکارا مل سکتا ہے کہ شادی کی بجائے کوئی اور روزگار کر کے پیٹ پالا جائے۔ یہ خیال آزادی کا پرچار کرنے والوں کی طرف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا بغیر شادی کے دنیا کی آبادی قائم رہ سکتی ہے۔ اس کا جواب اثبات میں بھی مل سکتا ہے۔ مگر یہاں مذہب کا سوال آجاتا ہے۔ شادی کوئی اقتصادی ضرورت پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر مذہب شادی کے جواز و عدم جواز کے قواعد پیش کرتا ہے اور جو اولاد غیر شادی شدہ حالت میں ہو وہ وراثت کے حقوق کی مستحق نہیں سمجھی جاتی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر مذہب دنیا کی آبادی اسی طرح سے قائم رکھنا چاہتا ہے کہ شادی کی رسم قائم رہے۔ اور مذہب فطرت کے منشا کو اس طرح پورا کرنا چاہتا ہے کہ سماج کا نظام قائم رہے اور ذمہ داری کی حدود مقرر ہو جاوے۔ اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ شادی ایک مذہبی فرض ہے تو یہ سوال اُٹھتا ہی نہیں کہ یہ ایک اقتصادی ضرورت ہے لیکن لامذہب طبقے کے نقطۂ نظر پر بھی بحث ہو سکتی ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ شادی محض پیٹ بھرنے کے لئے کی جاتی ہے تو بھی اس میں شبہ نہیں کہ عورت کے لئے شادی دیگر سب روزگاروں سے بہتر روزگار ہے۔ آجکل نوجوان لڑکیوں میں جو کالجوں میں تعلیم پا رہی ہیں یہ ہوا بہت چل رہی ہے کہ شادی نہ کرنی چاہیئے بلکہ اپنے گذارے کا انتظام کر کے آزاد زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ یہ وبا اور بہت سی آفتوں میں سے ایک آفت ہے جو مغرب نے مشرق پر ڈھائی ہیں۔ مشرق اور مغرب میں سب سے بڑا اصولی فرق یہ ہے کہ مشرق خدا اور رسول کے احکام کو مانتا رہا ہے اور دنیاوی آرام و آسائش اور عیش و طرب کو عقبیٰ اور جنت پر قربان کرتا رہا ہے۔ مغرب میں جب سے اقتصادیات کا زور ہوا تو اس نے بابر کے اس مصرع پر پورا پورا عمل کرنا شروع کر دیا ہے کہ ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

مغرب عقبیٰ اور جنت اور یک در دنیا و ستر در عقبیٰ کا قائل نہیں۔ غرضیکہ اقتصادیات کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ انسان عیش کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور جس قدر اسباب عیش زیادہ ہوں گے اسی قدر ملک اور قوم کی دولت میں اضافہ ہوگا۔ عیش کے معنی خود غرضی اور نفس پروری کے ہیں۔ یعنی ایک کنبے میں پچاس آدمی ہیں جن میں دس پیسے کمانے والے ہیں۔ اور باقی چالیس کوئی اقتصادی قیمت نہیں رکھتے خواہ عمر رسیدگی کی وجہ سے خواہ بیماری و لاغری کی وجہ سے خواہ عورت ذات یا بیوہ و بے بس ہونے کی وجہ سے۔ مغربی اقتصادی اصول کے مطابق اگر ان چالیس افراد کا خاتمہ ہو جائے

تو باقی کے دس افراد اپنی آمدنی صرف اپنے اُوپر صرف کرنے سے عیش کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ خاتمہ دو طرح ہوتا ہے۔ ایک موت سے اور دوسرے امداد نہ کرنے سے۔ مغرب میں تو عام طور پر کنبے داری کا سلسلہ ہے ہی نہیں۔ اور اولاد کے خرچ کے بار پڑنے کے ڈر سے وہاں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ بڑی بڑی عمر تک مرد اور عورت شادی ہی نہیں کرتے اور بعض مرد اور عورت ساری عمر اسی وجہ سے بے بیاہے رہتے ہیں کہ کافی آمدنی کا ذریعہ تو موجود نہیں شادی سے خرچ بڑھا کے کیوں اپنے عیش و آرام میں خلل ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ کالجوں میں جو اقتصادیات کی تعلیم ہوتی ہے اور یورپ کی تہذیب کے حالات معلوم ہوتے ہیں تو پہلے تو لڑکوں نے اُس کی تقلید کرنی چاہی اور اب جو لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں تو وہ بھی شادی کرنا معیوب سمجھتی ہیں۔ یہ سب خرابیاں زندگی کے معیار بڑھ جانے کی وجہ سے ہیں ورنہ قدیم زمانے میں تھوڑی تھوڑی آمدنی میں لوگ عیش سے رہتے تھے اور کنبے بھی پالتے تھے۔ معیار زندگی شاید پہلے بھی کافی بڑھا ہوا تھا اور عیش و نشاط کے سامان میں بھی کمی نہ تھی۔ چنانچہ جو اخراجات اور دہوم دھام پہلے زمانے کی شادیوں اور رسوم میں ہوتی تھیں۔ اس کا نواب امیروں کے ہاں بھی عشر عشیر نہیں رہا۔ مگر فرق یہ ہو گیا ہے پہلے جو خرچ ہوتا تھا وہ سب ہندوستان کی پیداوار پر ہوتا تھا۔ اور ہر چیز مقابلتاً سستی تھی اور اب جو خرچ ہوتا ہے وہ انگریزی چیزوں پر ہوتا ہے۔ جو بہت مہنگی ہیں اور جن کا روپیہ بھی باہر جاتا ہے اور فی زمانہ تمام ٹیپ ٹاپ اور فیشن کی چیزیں مغرب سے آتی ہیں۔ غازہ عورتیں پہلے بھی ملتی تھیں حتیٰ کہ افشاں بھی چُنی جاتی تھی۔ رنگ نکھارنے کے لئے اُبٹنا اور کھلی وغیرہ بھی استعمال ہوتی تھی۔ مگر یہ چیزیں کوڑیوں میں تیار ہو جاتی تھیں۔ عطر و تیل بھی اعلیٰ قسم کے ہوتے تھے اور خاصے قیمتی بھی ہوتے تھے مگر آجکل کے پوڈر کی قیمت کے سامنے ہیچ تھے۔ یہی حال لباس و جوتوں وغیرہ کا ہے۔ آجکل کے فیشن کی ساڑیوں اور سینڈل کی قیمت کو دیکھا جائے تو آدمی دنگ رہ جاتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ فیشن کا ایک یہ بھی انداز ہے کہ چیز کو نہیں دیکھتے بلکہ بڑی دُکان اور زیادہ قیمت کی قدر ہے۔ مثلاً چاندنی چوک میں ایک ساڑھی پچاس روپے میں ملتی ہے اور کناٹ پلیس میں وہی ساڑھی اسی روپے میں ملتی ہے تو کناٹ پلیس کی ساڑھی فیشن ایبل اور چاندنی چوک والی پُرانے فیشن کی۔ مطلب یہ ہے کہ موجودہ غیر ملکی تہذیب نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ تہذیب کے معنی روپیہ برباد کرنے کے ہیں۔ اور کالجوں سے جو لڑکیاں تعلیم پا کر نکل رہی ہیں ان کو بھی اس جام سے سرشار کر دیا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں وہ یہی پسند کرتی ہیں کہ تعلیم پا کر کہیں اُستانی یا ڈاکٹرنی بن جائیں اور جو کمائیں اپنے فیشن پر لگائیں۔ شادی کر کے کیوں دوسرے کی محتاج ہوں اور بال بچوں کی پرورش کے جھگڑے میں کیوں پڑیں۔

افسوس ہندوستان کی بادشاہت گئی، تجارت گئی، جہاں کا عیش گیا، عزت گئی اور پھر ہماری آنکھیں نہیں کھلیں۔ دلّی والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ پہلے لوگ کیسے کیسے عالیشان مکانوں اور محلات میں رہتے تھے۔ اُن عمارتوں کی وسعت اتنی تھی کہ ان میں اب محلّے آباد ہیں۔ اور ابھی تک وہ محلّے قدیم حویلیوں کے نام سے مشہور ہیں مثلاً

حویلی اعظم خاں، حویلی عزیزآبادی، حویلی بیدل بیگ خاں، رنگ محل، حویلی سعادت خاں، حویلی کالے صاحب اور سینکڑوں ایسی حویلیاں قائم ہیں جن میں لوگ اب بھی آباد ہیں۔ باغات کی طرف خیال کیجئے کیسے کیسے گنجان باغ تھے۔ ایک تیس ہزاری کے باغ کا ہی خیال کیجئے حکومت ایسی تھی کہ غیر ممالک کے ایلچی یعنی سفیر برسوں پڑے رہتے تھے۔ جب کہیں بادشاہ کو سلام ہوتا تھا۔ تجارت کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے ہیرے جواہرات تمام دنیا میں جاتے تھے۔ اور فرانس انگلستان پرتگال اور ہالینڈ کے تاجر ہندوستان سے تجارت کرنے پر ایک دوسرے کا سر پھوڑتے تھے۔ عزت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کلکتہ کے چند غیر ملکی تاجروں نے ٹیکس پر کچھ جھگڑا کیا تو بادشاہ نے حکم دیا ان کی سب کوٹھیاں مسمار کر دو۔ اور نکال باہر کرو۔ آخر تاجروں نے ہاتھ جوڑے تب ان کو پھر تجارت کرنے کی اجازت ملی۔

ہم توس اور مکھن کھانا فخر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ پہلے جب انگریزوں کے قبرستان کے پاس سے گذرنا ہوتا تھا اور رات کا وقت ہوتا تھا تو لوگ ڈرانے کے لئے کہتے تھے کہ وہاں کے مردے مکھن توس مانگیں گے۔ اور مکھن توس کا لفظ نہایت حقارت سے لیا جاتا تھا اب ناشتہ کو جھوٹا حاضری کہا جاتا ہے۔ کیا پہلے ناشتہ نہ ہوتا تھا حلوا پوری اور طرح طرح کے لذیذ کھانے۔ کیا کچھ نہ تھا اور اب کیا ہی چیزیں رواج نہیں پا سکتیں جو مزیدار بھی ہوں اور لذیذ بھی۔ اور سستی بھی مگر فیشن یہ کہتا ہے کہ کیونسٹر کا مکھن ہو اور انگریزی دکان کی ڈبل روٹی۔ رہنے کو کوٹھی ہو۔ سیر کرنے کو موٹر اور دل بہلانے کو سینما۔ اور یہ سب چیزیں مہنگی۔ آمدنی کم پھر شادی کیوں کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل راحت اور چیز ہے اور روپے کی عیاشی اور۔ اصل راحت محبت امن شانتی سے نصیب ہوتی ہے۔ اپنی ضروریات کو اپنی آمدنی کے مطابق کرکے باہمی محبت اور ہمدردی کی بے فکر زندگی بدرجہا آرام کی ہے بہ نسبت اس زندگی کے جس میں روز پیسے کی مانگ قائم رہے اور معیار زندگی دن بدن بڑھتا رہے۔ غیر شادی شدہ تنہائی کی زندگی ہو۔ مصیبت کے وقت کوئی ساتھی نہیں کوئی مونس و غمگسار نہیں۔ تنہائی میں دل خوش کرنے کو بچے نہیں۔ زندہ رہنے کے لئے کوئی مطمع نظر نہیں۔ جھوٹی زندگی۔ غیر فطری زندگی۔ خود غرضی کی زندگی۔

بچوں کی بیماری دکھ تکلیف میں رات رات بھر جاگنا دل کو نرم کرتا ہے۔ اس سے عام ہمدردی میں اضافہ ہوتا ہے خاوند کی خدمت کرنے میں خدمت خلق کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ ساس نندوں کے طعنے سنکر خاموش رہنے سے ضبط نفس کی قوت بڑھتی ہے۔ غرضیکہ شادی عورت کے لئے بہت سی اخلاقی خوبیاں پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ غیر شادی شدہ عورت ایک ایسے جنگلی درخت کی طرح ہے جس میں نہ پتے ہیں نہ پھول ہیں۔ اور جو ایک ایسا ٹھنڈ ہے جس پر چیلیں اور کوّے اور گدھ تھوڑی دیر کو آرام لینے کے لئے آ بیٹھتے ہیں اور پھر اڑ جاتے ہیں۔ اور بیٹوں کے نشان کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑ جاتے۔

شادی کرنے میں صرف خاوند کا حکم ماننا پڑتا ہے مگر خاوند کتنا ہی سخت اور بد مزاج کیوں نہ ہو وہ پھر اپنی

بیوی کے ساتھ ایک رشتۂ محبت رکھتا ہے۔ بیوی اس کے بچوں کی ماں ہے۔ وہ اس کی جائیداد کی حصہ دار ہے اور اپنے مہر کی حقدار۔ اس لئے خاوند بیوی کو ملازم یا لونڈی نہیں سمجھ سکتا۔ اُسے پھر بھی کچھ محبت ہوگی۔ کچھ لحاظ ہوگا۔ کچھ خوف ہوگا۔ لیکن روزگار حاصل کرنے میں خواہ ملازمت ہو خواہ تجارت عورت کو غیر مردوں سے واسطہ پڑیگا جو اول اپنے کام کو دیکھیں گے اور اگر کام میں ذرا خرابی ہوئی تو وہ نہ صرف سخت کلامی کریں گے بلکہ فوراً نکال دیں گے تجارت میں طرح طرح کے مزاج کے آدمیوں سے واسطہ پڑے گا۔ اور بعض نہایت درشت کلامی سے پیش آئیں گے۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ روزگار حاصل کرنے میں آرام ہی آرام ہے اور شادی کرنے میں تکلیف ہی تکلیف بالکل غلط ہے۔

ایک بڑی مشہور سینما اسٹار سے جو تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ پا چکی ہے سوال کیا گیا کہ آپ اس زندگی کو خانہ داری کی زندگی سے بہتر سمجھتی ہیں؟ تو اُس نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ پیسہ کمانا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ عورت کی عافیت خانہ داری ہی میں ہے۔

مشتاق احمد زاہدی

فیشن ایبل عورتیں

ایک دن ہوگی یہی وجہ تنزل دیکھنا — کر رہی ہیں جو ترقی فیشن ایبل عورتیں
اہل یورپ کی نہ ہو تقلید میں کوئی کمی — ہیں اسی کوشش میں ساری فیشن ایبل عورتیں
نوکروں پر چھوڑ کر سب اپنے گھر کا کام کاج — پھرتی ہیں آزاد کیا ہی فیشن ایبل عورتیں
ننگے منہ مردوں میں اُٹھنے بیٹھنے کا ذکر کیا — رکھتی ہیں باہیں بھی ننگی فیشن ایبل عورتیں
کھانا پینا اور پھر گانا بجانا ناچنا — ہیں انہی باتوں میں راضی فیشن ایبل عورتیں
دخل کیا دیں مرد بے چاروں کی سنتا کون ہے — جی میں جو آئے ہیں کرتی فیشن ایبل عورتیں
اپنی آرائش سے تو فرصت انہیں ملتی نہیں — یہ نہ سمجھو ہیں نکمی فیشن ایبل عورتیں
رات دن مل مل کے پوڈر منہ پہ کھو دیتی ہیں سب — آب و تابِ حسنِ اصلی فیشن ایبل عورتیں
چکّی اور چرخے سے اب انکو نہیں کچھ واسطہ — اس لئے اکثر ہیں دُبلی فیشن ایبل عورتیں
دیر تک رہتا نہیں اُنکا شباب اُن کا جمال — جلد ہو جاتی ہیں بوڑھی فیشن ایبل عورتیں
فکرِ عقبیٰ سے نہ پوجا پاٹ سے ان کو غرض — ہوتی ہیں مذہب سے کوری فیشن ایبل عورتیں
جو بُری باتیں تھیں غیروں کی دیا ان کو رواج — سیکھتی کچھ خوبیاں بھی فیشن ایبل عورتیں

پردہ کیوں حائل ترقی میں سمجھتی ہیں ازل
دیکھ لیں برقع میں باجی[1] فیشن ایبل عورتیں

ابوالاعجاز ازل

[1] باجی رشیدہ لطیف ایم۔ اے۔ ایل۔ اے پنجاب جو برقع اوڑھ کر سب کام کرتی ہیں۔

نیم کا تیل

اپریل کے پرچہ عصمت میں ایک حاجتمند بہن صاحبہ نے نیم کا تیل گھر پر نکالنے کی ترکیب دریافت کی ہے جو درج ذیل کرتی ہوں نیز اس کے فوائد بھی لکھتی ہوں تاکہ دیگر عصمتی بہنیں بھی اس سے آگاہ ہوکر مستفید ہوسکیں۔

نیم کے درخت سے تازہ سبز کونپلیں توڑوالیں جن کا وزن تقریباً سیر بھر ہونا چاہئیے۔ انہیں صاف سِل بٹے پر پیس پسوالیں اور ڈیڑھ سیر پختہ روغن سرسوں میں ڈالکر آگ پر رکھ دیں یاد رہے کہ برتن قلعی شدہ اور شفاف ہونا چاہیے۔ اسے آگ پر اس قدر پکائیں کہ نیم جل کر کوئلہ کی شکل اختیار کرے مگر تیل میں آگ نہ لگنے پائے اس بات کو ضرور ملحوظ رکھیں۔ بعد ازاں اسے آگ پر سے اُتار کر ذرا ٹھنڈا ہونے دیں جلے ہوئے نیم میں سے تیل اُوپر نتھر آئے گا۔ اسے کپڑے میں چھان کر شیشے کی بوتل میں بھر لیں نیم کا تیل تیار ہے۔ اور اکثر بہت سے امراض میں کارآمد ہوسکتا ہے۔ مثلاً موسم بہار میں اکثر مچھر کاٹنے سے بالخصوص بچوں کے بدن پر کھجلی ہونے لگتی ہے اور اسی وجہ سے خون خراب ہوکر پھنسیاں نکلنا شروع ہوجاتی ہیں جو کہ بعض اوقات خطرناک پھوڑوں کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ نیم کے تیل کی مالش رات کو اگر بدن پر کردی جائے تو مچھر کاٹنے نہیں پاتے۔ اور پھنسیوں پر لگانے سے سوزش دُور ہوکر بہت جلد پھنسیوں کو آرام ہوجاتا ہے۔ برساتی پھوڑے نیم کے تیل سے بہت جلد آرام پاتے ہیں۔ اگر کان میں درد ہو تو چند قطرے نیم کے تیل کے خفیف گرم کرکے کان میں ڈالنے سے آرام ہوجاتا ہے۔ چند روز متواتر ڈالتے رہنے سے کان درد سے محفوظ ہوجاتے ہیں اگر کان کے اندر پھنسی وغیرہ ہو تو وہ بھی نیم کے تیل سے زائل ہوجاتی ہے۔ بڑے بڑے پھوڑوں کے داغ جو کہ سیاہ رنگ اختیار کرکے بدنما دکھائی دیتے ہیں۔ نیم کا تیل متواتر لگاتے رہنے سے رفع ہوجاتے ہیں۔

بدن کی خارش دُور کرنے کے لئے نیم کا تیل اکسیر ہے۔ خشکی کے باعث جن کے بدن کی جلد تڑخنے لگ جاتی ہو اور اکثر کھجاتے وقت سفید بُھوسی بدن سے جھڑتی ہے نیم کے تیل کی مالش اس مرض کو بہت جلد رفع کردیتی ہے۔

بعض برساتی پھوڑے جلد نہ پھوٹنے کے باعث سخت اذیّت کا باعث ہوا کرتے ہیں۔ ایسے پھوڑوں پر نیم کا تیل دن میں کئی مرتبہ لگانے سے بہت جلد پھوٹ کر آرام حاصل کرلیتے ہیں۔ متواتر نیم کا تیل لگاتے رہنا چاہیئے حتیٰ کہ پورے طور پر خشک نہ ہوجائیں۔ داد پر بھی نیم کا تیل لگانا نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ موسم سرما میں جن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کی جلد پھٹ جاتی ہے اُن کے لئے نیم کے تیل کی مالش بہت مفید ثابت ہوتی ہے خدانخواستہ چیچک خسرہ وغیرہ نکل آئے تو آرام آنے کے بعد داغوں پر نیم کے تیل کی مالش داغ مدھم کرنے میں نفع بخش ثابت ہوگی۔ عصمتی بہنیں نیم کا تیل گھر پر تیار کرکے ضرور فائدہ اُٹھائیں۔

گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل

رسم الخط

ناگری پرچارنی سبھا نے ناگری رسم الخط کی نشر و اشاعت میں جس قدر منظم اور مستقل مزاجی سے پروپگنڈا کیا ہے اس سے متاثر ہو کر ہمارے بعض قوم پرست بھائی بھی غلطی سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ فارسی رسم الخط کی جگہ اب اُردو زبان کیلئے ناگری رسم الخط اختیار کر لینا چاہئیے ہمیں ناگری طرز تحریر سے ناحق کا بیر نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان فارسی رسم الخط کے ساتھ ساتھ ناگری بھی سیکھ لیں لیکن جب سارے ہندوستان کی قومی زبان کے رسم الخط اور اس کی عمومیت کا سوال آتا ہے تو ہمیں یہ حق بات جتانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ فارسی ہمارا رسم الخط اس امر کا حق رکھتا ہے کہ اُسے ملک کا عام خط اور قومی خط تصور کیا جائے۔ یہ بات بار بار جتانے کی ضرورت نہیں کہ فارسی رسم الخط ہندوستان کے باہر جبالٹر سے لے کر جاوا سماٹرا تک جاری و ساری ہے اور ہمارے پڑوسی ممالک افغانستان۔ ایران عرب و مصر جن میں ہمیں تجارت اور سیاحت کرنی ہے اسی طرز تحریر میں کاروبار کرتے ہیں۔ اچھا تھوڑی دیر کے لئے بیرونی تعلقات کے دُور دراز مستقبل کو جانے بھی دیجئے اِس وقت آج بھارت کا جائزہ ہی لے لیجئے لنڈی کوتل سے لیکر میرٹھ تک اور زاہدان سے دہلی جے پور تک شمال میں اور دکن کے ممالک محروسہ نظام میں۔ بلوچستان سندھ میں مالابار اور ساحلی علاقوں میں بھی عربی و فارسی رسم الخط کا سکّہ رواں ہے۔ اتنی بڑی اکثریت اور وسعت کو آپ یکلخت نظر انداز نہیں کر سکتے اور اسے نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ بقول سر عبدالقادر اس رسم الخط میں بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مختصر نویسی کا کام دیتی ہے اور مختصر نویسی بھی ایسی کہ جسے ایک دفعہ لکھنے کے بعد دوبارہ طویل نویسی کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ وقت کی اس خط کے طفیل کیسی کچھ بچت ہو سکتی ہے۔ جس قدر اس کے اول اول حاصل کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس سے نسبت میں کہیں زیادہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سہولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ اس کی صرف یہی خوبی کسی دن اسے ایشیا تو ایشیا یورپ اور امریکہ میں بھی عام کرا دے اور جب برِ اعظم ہندوستان کی آزاد جمہوریت کے لسانی تعلقات ساری دنیا کے ممالک سے ہوں گے تو ہماری بنیادی ہندوستانی (بلکہ بنیادی اُردو) کا ساری دُنیا میں پھیل جانا ناممکنات سے نہیں ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارا رسم الخط بھی دنیا پر چھا جانے کی توسکت رکھتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہم اسے ابھی اور زیادہ سائنٹفک بنا سکتے ہیں اور اس کی کمزوریاں دُور کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ خط ناگری سے کسی حیثیت سے گھٹیا ہے جس کے بارے میں "جو بولو وہ لکھو" کا غلط دعویٰ کیا جاتا ہے۔ جب آپ But کو بٹ یا cut کو کٹ مگر Put کو پٹ کہتے ہیں تو اُسی طرح بالکل کو بلکل پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن ظہور الحسن کو جہور الحسن کہنا غلط ہے۔ شاید یہ کہانی ہندی رسم الخط

کے بارے میں آپ کے کانوں تک پہنچی ہوگی کہ اُس میں کسی نے ایک سندیس ان الفاظ میں بھیجا "لالہ جی اجمیر گئے بڑی بہو کو بھیجدو" ماترا کے حذف ہوجانے سے پڑھا یہ گیا "لالہ جی آج مرگئے بڑی بہو کو بھیجدو"۔ اس کے علاوہ ہندی رسم الخط صرف سی پی۔ یو پی اور بہار کے کچھ اضلاع کے ماسوئی کہیں بھی عام نہیں ہے۔ گجراتی۔ مرہٹی۔ بنگالی کے علاوہ دراوڑی رسم خط بنیادی طور پر ناگری ہندی طرز تحریر سے جُدا شے ہے۔ وہ نئے جوا پنے دیش ہی میں عمومیت کا درجہ نہیں رکھتی دنیا کے ترقی یافتہ طرز تحریر کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکتی ہے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ اُردو رسم خط میں حروف ہم صوت الفاظ کی کثرت ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ص۔ س اور ث سے ہم کسی لفظ کی اصل کا کھوج نکالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ دراصل لسانی دیانت داری ہے کہ مصادر کو بجنسہٖ معلوم کر لینے کے ذرائع محفوظ ہیں اب کہ فارسی خط کا ٹائپ ایجاد کیا جاچکا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسے بڑھایا جائے۔ یہ کہہ کر رد نہ کیا جاوے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے وہ مسلمان جو فارسی رسم خط کو مٹانے کی خواہش رکھتے ہیں یہ بات اپنے دل میں اچھی طرح بٹھالیں کہ کسی قوم کے رسم خط کا مٹنا گویا اس کی تاریخی مذہبی اور قومی روایات کا مٹنا ہے۔ پروفیسر براؤن نے ایران کی تاریخ میں کیا خوب کہا ہے "مشرق میں آج تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ مذہب کے ساتھ زبان کو اتنا وابستہ نہیں جتنا کہ حروف کو سمجھتے ہیں شام کے عیسائیوں کی زبان تو عربی لیکن وہ اسے اپنی قومی زبان سُریانی میں لکھتے ہیں۔ یہی حال ترکی بولنے والے یونانیوں اور آرمینیوں کا ہے کہ اُن کی مادری زبان تو ترکی ہے لیکن جب وہ یہ ترکی لکھتے ہیں تو وہ یونانی اور آرمینی حروف میں لکھتے" ہیں اسی طرح ایران کے یہودی فارسی کو عبرانی میں لکھتے ہیں اور ہسپانیہ عربی النسل دیہاتی ہسپانوی زبان عربی رسم الخط میں لکھتے ہیں " عربی حروف ہجا کو دین اسلام سے جو گہرا تعلق ہے اس نے اہلِ ایران سے ژند و پاژند کی زبان چھڑا کر عربی سکھوادی تھی یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کی ایک نیم شائستہ زبان کا کرخت رسم الخط فارسی تحریر کو ہماری آنکھوں سے اوجھل کردے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ترکوں نے جو عجلت میں لسانی قدم آگے بڑھایا ہے وہ عنقریب ان کی آنکھیں کھول دے گا اور وہ رسم تحریر کی رُومی غلامی سے نجات حاصل کرکے سامی حروف سے رشتہ جوڑیں گے۔

سید ابن حسن شارق دہلوی

باقی صفحہ ۲۱۴ کا

وہ ذرا ازخود رو ہوکر بولیں " ہاں جی ہاں، میری چیز تمہیں کیوں پسند آنے لگی "۔ میں " پسند آنے والے کی بات نہیں۔ کوئی چوزہ بھی تو درست ہو۔ دُم تک تو خوبصورت نہیں یہ مرغ ہے یا دیو "۔ وہ " دیو کیوں ہونے لگا اندھا بھی بتادیگا کہ مرغ ہے "۔ میں نے دیکھا کہ وہ لال پیلی ہورہی ہیں اگر زیادہ بگڑ گئیں تو نہ معلوم کیا ہو۔ کہیں میکے چلی گئیں تو غضب ہی ہوجائیگا اس لئے ہنس کر اور مرغ پر ہاتھ پھیر کر کہا " واللہ لطف آگیا واقعی یہ مرغ بہت خوبصورت ہے۔ پروں میں وہ چمک ہے کہ ستارے شرمائیں کلغی ہے یا تاج کیانی۔ میں سب کچھ سمجھ گیا تھا بیگم لیکن صرف تمہیں چھیڑنا منظور تھا چھیڑنا "۔ وہ " تو تم مجھے بار بار چھیڑتے کیوں ہو "۔ میں " جب تک تار کو نہ چھیڑو نغمہ خاموش ہی رہتا ہے بیگم "۔ اور دل میں خیال کیا کہ یہ فلسفہ ہے تم کیا جانو۔ یہ نکتہ ہے بال سے باریک اور تلوار سے تیز لیکن تم کیا سمجھو بیگم خوش ہوگئیں اور مرغ کو لیکر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ولی احمد عظیم آبادی

آفتاب

بیگم کو اگر مرغی پالنے کا شوق ہے تو مجھے کھانے کا۔ اس پالنے اور کھا جانے میں سمجھوتہ کا سوال ہندو مسلم اتحاد ہو کر رہ گیا ہے۔ مرغی کے ساتھ میری محبت کا اندازہ آپ کو ہو یا نہ ہو لیکن یقین فرمائیے اُن کی محبت کا رنگ بہت گہرا ہے۔ محبت کی فراوانی میں یوں تو مرغیوں کا ایک محلہ آباد کر رکھا ہے لیکن چند کے ساتھ اُن کی محبت اور شفقت زیادہ ہے۔ مرغیوں کا نام رکھنے میں بھی جگر سوزی اور دماغ کاوی سے کام لیتی ہیں۔ کوئی "نگار شفق" ہے تو کوئی "جمالِ سحر" ایک سفید ہے اور اُسے وہ "سیمین" کہتی ہیں۔ لیکن محلہ کی عورتیں کچھ ایسی موٹی اور بھدی زبان لے کر آئی ہیں کہ سیمین کو چھیمی بنا ڈالا۔ جب کسی عورت نے چھیمی پکارا تو وہ اس طرح ہنس پڑتی ہیں جیسے پھلجھڑی چھوٹ رہی ہو۔ لیکن یہی لفظ اگر میرے منہ سے نکل جائے تو جو منہ میں آتا ہے فرماتی رہتی ہیں۔ اُن کی بے لوث محبت، بے پناہ اُلفت اور شفقت مادرانہ کا احساس تو شاید مرغیوں کو نہ ہو لیکن اس کا احساس تو ضرور ہے کہ شفقت پدری یعنی مدوسنیہ جو کالی چھتری کی طرح میتھی کے آتشیں کرنوں کو روکے رہتا ہے سر پر نہیں ہے۔

ایک دن علی الصبح مجھے جھنجھوڑ کر اُٹھاتے ہوئے اُنھوں نے کہا "کیا سوتے ہی رہو گے یا اُٹھو گے بھی۔ کتنی دیر سے آفتاب پکار رہے ہیں اور تم ہو کہ کانوں میں روئی ٹھونس کر پڑے ہوئے ہو"۔ مجھے اُن پر سخت غصہ آیا کہ ایسی بے پناہ سردی میں اور اس قدر سویرے جب آسمان پر بکھرے ہوئے تارے بیتاب شرارے نظر آتے ہوں "لذتِ خوابِ سحر" سے محروم کر دینا کتنی بُری بات ہے۔ اور جی میں آیا کہ کہہ دوں "اے خدا کی نیک بندی، اے میرے گھر کی روشنی، کیوں مجھ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہی ہے۔ ارے میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ آفتاب ماہتاب کون ہیں کیا ہیں"۔ لیکن فوراً خیال آیا کہ ان کے بھائی آفتاب آئے ہوں گے۔ اس لئے کروٹ بدل اور لحاف کے اندر منہ ڈالے ہوئے کہہ دیا "تو اندر بلا لو نا"۔

وہ "بلا لو اندر! اجی تم کیسے . . . . آدمی ہو۔ منہ تو کھولو"۔

میرے غصہ کا پارہ تیزی سے اُوپر کی طرف دوڑنے لگا۔ جی میں تو آیا کہ منہ پھاڑ کر زور سے "ہاؤ" کروں اور گڑبڑا کر اُٹھ بیٹھوں۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ وہ ڈر جائیں گی لحاف کے اندر ہی پڑے پڑے کہہ دیا "منہ کیا کھولوں۔ منہ کیا کوئی دروازہ ہے کہ بغیر کھولے میاں آفتاب اندر گھس ہی نہیں سکتے"۔

"ککڑوں کوں"۔

"دیکھو پھر پکار رہا ہے" اُنھوں نے کہا اور ان کی آواز میں ستار کا لطف تھا۔ میں حیران تھا کہ میاں آفتاب نے ککڑوں کوں کیوں کیا۔ شاید بہن کی محبت نے انہیں بھی مرغا بنا دیا۔ اِدھر میں اس گتھی کو سلجھا رہا تھا اور اُدھر اُنھوں نے سمجھا کہ میں اُٹھنے کا نہیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ بس غضب ہو گیا۔ اپنی لانبی لانبی حنائی انگلیاں میری گردن پر کچھ اس انداز سے آگے پیچھے، اُوپر نیچے دوڑانے لگیں کہ میں چلا اُٹھا "ارے تو گلا کیوں گھونٹے دیتی ہو"۔ جواب میں اُنھوں نے لحاف کو زور سے کھینچ اور زمین پر پھینکتے ہوئے کہا "لو اب جی بھر کے سوؤ"۔

میرا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ سردی سے چاہے ہارٹ ہی کیوں نہ فیل ہو جائے لیکن اُٹھوں گا تو نہیں لیکن برا ہو اس کڑاکڑاتی سردی کا کہ تھوڑی ہی دیر میں اس نے سارا غصہ برف کی طرح جما دیا۔ جسم کپکپانے لگا تو میں نے آہستہ سے

آنکھیں کھول کر اُن کی طرف دیکھا۔ ڈر رہا تھا کہ کہیں دیکھ نہ لیں۔ لیکن وہ نیک بخت بگلے کی طرح ٹکٹکی باندھے مجھے اس طرح دیکھ رہی تھیں گویا میں صرف دیکھنے کی چیز تھا۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ مجھے بھی ہنسی آگئی۔ میں اُٹھ بیٹھا اور نہایت سنجیدگی سے کہنے لگا "یہ کیا مذاق ہے۔ آفتاب کو اندر کیوں نہیں لے آتی ہو۔ آفتاب کیا کوئی لاٹ صاحب ہیں یا صوبائی وزیر اعظم کہ میں ہی جا کر انہیں اندر لاؤں"۔

"ککڑوں کوں"!

اُن کا چہرہ مسرت اور خوشی سے پھول کی طرح کھل گیا۔ آواز کی طرف کان لگا کر بولیں۔ "سنا تم نے، کس قدر صاف بولتا ہے۔ آواز بھی کتنی میٹھی پائی ہے"۔ اُن کی طرف متجسسانہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے میں نے کہا "آخر آج تمہیں ہو کیا گیا ہے جو یہ ناٹک کیا جا رہا ہے۔ میں نے یہ مانا اُن کی آواز نہایت سُریلی ہے۔ اُن کے لحنِ داؤدی پر نثار، اُن کی نغمہ آفرینی پر تصدق، اُن کے بے ہنگام شور پر قربان۔ لیکن کیا ان تمام چیزوں کے اقرار سے میاں آفتاب اندر آ جائیں گے۔ واہ ری بہن کی محبت، باہر تو کھڑا "ککڑوں کوں ککڑوں کوں" کر رہا ہے اور بہن ہیں کہ آواز کی دلکشی و دل آویزی پر فدا ہو رہی ہیں۔ یاد رہے بیگم کہے دیتا ہوں میں تو جا کر انہیں لانے کا نہیں چاہے میاں آفتاب سردی سے ٹھٹھر ٹھٹھر کر آفتاب سے تارہ ہی کیوں نہ ہو جائیں"۔

بیگم کے لبوں پر شرارت کی ہلکی سی مسکراہٹ اس طرح دوڑ گئی جیسے چاندنی میں کہکشاں اور یہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں کہ "اچھا میں ہی جا کر بلائے لاتی ہوں"۔

میں فتح مندانہ انداز سے ذرا اکڑ کر بیٹھ گیا۔ دل میں بیحد خوش تھا کہ آج اُن کو خوب ٹھیک کیا ہے۔ بڑی اکڑی ہوئی تھیں۔ وہ ڈانٹ بتائی کہ بلبلا ہی تو گئیں۔ آخر ہم ہیں کون؟ انہوں نے سمجھا کیا تھا؟ اور پھر دروازہ کی طرف سے مُنہ پھیر کر دیوار کی طرف کر دیا تاکہ جب وہ بھائی کے ساتھ اندر آئیں تو یہ نہ سمجھیں کہ ہمہ تن انتظار بن کر ہم دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے ہیں۔

میں نے ایک سبز اُونی چادر جسم پر ڈال لی اور میاں آفتاب کا انتظار کرنے لگا۔ فوراً پروں کی پھڑپھڑاہٹ اور مرغیوں کا کوں کوں سُنائی دیا۔ میاں آفتاب نے بھی بھیروی کے سُر میں ککڑوں کوں کی ایک بھرپور دانہ الاپ لگائی اور میں سوچنے لگا کہ "واہ ری بیگم تیری عقل بھی کیا چیز ہے بھائی کا استقبال کس خوبصورتی سے کر رہی ہے۔ بھائی کو مرغیوں کے گانوں کے ساتھ اندر لائے گی۔ ہندوستان کے کسی لیڈر کو بھی یہ عزت نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ لیکن اس زور و پُر زور مظاہرہ کے ساتھ آفتاب زندہ باد بھی تو ہو اگر تو نہ کہے گی تو میں کہہ دوں گا۔ تو نے کمرے میں قدم رکھا اور میں چلایا"۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اُنہوں نے دروازے کے پاس آ کر کہا "آفتاب آتے ہیں" بغیر مُنہ موڑے میں نے نعرہ لگایا "آفتاب زندہ باد"۔ وہ میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں اور یہ کہتے ہوئے "لو آفتاب آ گئے" میری گود میں بڑا سا مرغ ڈال دیا۔ میں گھبرا گیا اور اسی گھبراہٹ میں مرغ کو گود میں لئے اُن کا مُنہ تکنے لگا۔ وہ بولیں "مجھے کیا دیکھتے ہو اسے دیکھو۔ کل خریدا ہے۔ رات تم دیر سے آئے اس لئے دکھا نہ سکی۔ کتنا حسین پرندہ ہے بدن کس قدر سڈول ہے۔ پروں کی آب و تاب دیکھو اس کی کلغی دیکھو۔ کس درجہ سُرخ اور خوبصورت ہے۔ ایسا سجیلا مرغ تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا نام بھی کتنا پیارا ہے "آفتاب"۔

میں نے پوچھا "تو یہی میاں آفتاب ہیں"۔

انہوں نے ہنس کر کہا "اور تم نے سمجھا کہ میرا بھائی آفتاب"۔

"میں سمجھا تو یہی تھا لیکن فقط ایک مُرغ کے لئے اتنا سویرے اٹھا دیا لاحول ولا۔ نہ معلوم اس میں کون سا سرخاب کا پر لگا [illegible] کروں۔ ما ہیات"۔

(باقی صفحہ ۴۱۰ پر)

ساس بہوؤں کے جھگڑے

ساس اور بہو کی مخالفت یا جھگڑے لازمی اور ضروری نہیں ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ مہربان اور شفیق ساس بری کہلاتی ہے۔ اور انتہائی سلیقہ مند و فرمانبردار بہوئیں بھی کوئی نہ کوئی عیب نکل آتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساس بہو کی ہر صورت سے دشمنی ہے۔ اگر دونوں تھوڑی سمجھ سے کام لیں تو جھگڑے یا نفاق کی صورت پیدا نہ ہو۔ ایک وہ وقت ہوتا ہے کہ ننھا ہر وقت ماں کے کلیجے سے چپٹا رہتا ہے اور بچہ کی دنیا ماں کی صرف گود ہوتی ہے۔ ماں کی نگاہ سے اوجھل ہونے پر وہ بے چین ہوجاتا ہے۔ ایک منٹ بھی بغیر ماں کے نہیں رہ سکتا۔ جب سمجھدار ہوجاتا ہے اس وقت بھی اس کی تمام دلچسپیاں ماں کی ذات سے وابستہ ہوتی ہیں کوئی تکلیف ہو یا راحت خوشی ہو یا کھیل جب تک بچہ ماں سے نہ کہہ لے اس کو چین نہیں آتا۔ اس کا بیشتر حصہ ماں کے پاس گذرتا ہے۔ جب ملازمت کے قابل ہوتا ہے تو جو کچھ کما کر لاتا ہے ماں کے آگے رکھ دیتا ہے اپنے کو اور ہر اس چیز کو جو اس کی ہے ماں کی ملکیت سمجھتا ہے

اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب وہ دولہا بنتا ہے اور دلہن بیاہ کر لاتا ہے یہ کچھ ایسا قدرتی رشتہ ہے کہ وہ دلہن کی طرف رجوع ہوجاتا ہے۔ یہ لڑکے کی زندگی کا دوسرا دور ہے۔ اس کی تمام دلچسپیاں اس کی تمام ضرورتیں اس کے شوق وجذبات دلہن سے وابستہ ہوجاتے ہیں۔ جس طرح بچپن میں وہ ماں کو ہر طرف ڈھونڈتا تھا اب دولہن کا متلاشی نظر آتا ہے۔ جو بری بھلی بات ہوتی ہے دلہن سے کہتا ہے۔ جو کچھ کماتا ہے چاہتا ہے کہ اس کا بیشتر حصہ دلہن کی فرمائش اور نازبرداری میں صرف ہو اور یہ بھی چاہتا ہے کہ فرصت کا زیادہ سے زیادہ وقت دلہن کے پاس گذارے۔ اب اپنی چیز کو وہ دلہن کی سمجھتا ہے۔ اس کی ہر چیز کی مالک اس کی دلہن ہوتی ہے۔ ہر صورت سے وہ دلہن کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ باہر گذارتا ہے۔ اس لئے اس کو وہی گھر اکیلا نظر آتا ہے جس میں وہ پل کر جوان ہوا غرض اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

ماں کی نظروں میں وہ اب بھی ایسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ لہٰذا وہ قدرتی طور پر اُن ہی باتوں کی متمنی ہوتی ہے وہ سوچتی ہے آخر اب وہ ماں کے پاس کیوں نہیں بیٹھتا۔ اب وہ کیوں اپنی اچھی بری بات سے اس کو آگاہ نہیں کرتا۔ جو کچھ کماتا ہے ماں کو لاکر کیوں نہیں دیتا آخر اب ایسا کیوں نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے ہوتا تھا۔ کون سی رکاوٹ ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ ایک اور صرف ایک بیٹے کی دلہن یعنی اپنی بہو ہوتی ہے۔ اب یہ روزمرہ کی باتیں دل میں یکجا ہوکر ایک غبار کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ اور بڑھتے بڑھتے رائی کا پہاڑ بن جاتی ہیں۔ بہو سب سے ناآشنا اور ایک اجنبی کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ ساس کی زبانی یا دوسروں کے حوالہ سے عجیب عجیب باتیں سنتی ہے۔ سسرال میں سوائے شوہر کے اور کسی سے وہ بے تکلف نہیں ہوتی لہٰذا جو کچھ وہ صفائی پیش کرنا چاہتی ہے شوہر سے کرتی ہے۔ وہ دلہن کی وکالت ماں سے کرتا ہے یہ اور بھی سونے پر سہاگہ ہوتا ہے یہ قدرتی بات کہ جس شخص کی طرف سے خیالات خراب ہوچکے ہوں اس کی بھلائی کی جائے تو ایک قسم کا اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ماں قصوروار سمجھتی ہے اور شوہر بھلائی کرتا ہے لہٰذا دلہن کی برائی ذہن نشین کرنے کے لئے اس کی خوبی کو بھی برائی کا جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ ثابت ہو کہ جس کو تم اچھا سمجھتے ہو وہ ایسی نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر نا سمجھ ہے تو اس کے دل میں

بُرائی بڑھ جاتی ہے۔ وہ دلہن سے کشیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ اس طرح دلہن کی زندگی بے معنی بات پر برباد ہو جاتی ہے۔ اگر شوہر بیوی میں نفاق ہو گیا تو وہ گھٹ گھٹ کر اپنے کو سسرال کی بھینٹ چڑھا دیتی ہے اور اس طرح خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت میں بیٹے کے دل میں خود ماں کی طرف سے بُرے خیالات ہو جاتے ہیں اور آپس میں کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔

ان باتوں سے بہو کے دل میں سسرال کی وقعت کم ہو جاتی ہے۔ ہر وقت کا غبار بڑھتے بڑھتے انتقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے آخر صبر کا پیالہ لبریز ہو کر چھلک ہی جاتا ہے۔ پھر وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہے۔ اس ہر وقت کی تو تو میں میں سے لڑکا پریشان ہو جاتا ہے اگر زن و شو کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو وہ غریب دلہن مصیبتیں جھیل جھیل کر ختم ہو جاتی ہے شوہر پرواہ بھی نہیں کرتا۔ اگر تعلقات بہتر ہیں تو روز روز کی ہائے ہائے سے ہمیشہ کے لئے دل بُرے ہو جاتے ہیں اور بیٹا بیوی کو لے کر الگ ہو جاتا ہے اور ماں مورد الزام بہو کو ٹھہراتی ہے۔

اگر ساس شروع میں تھوڑی سمجھ سے کام لے تو کبھی اس کی نوبت نہ آئے جب بہو بیاہ کر آتی ہے اس وقت وہ ایک مہمان کی حیثیت سے ہوتی ہے لہٰذا جب ہی سے وہ دلہن کے دل میں اپنی محبت و خلوص کے ایسے گہرے نقش ڈالے کہ وہ اس کو کبھی نہ بھول سکے۔ دوسرے یہ کہ پیدائش سے لیکر جب تک شادی نہ ہو لڑکے کو اپنا سمجھے بعد شادی اس کو اور اس کی ہر چیز کو دوسرے کا حق۔ اگر بہو سے کچھ غلطی سرزد ہو تو درگذر کرے یا پھر شفقت سے اس کو سمجھا دے طعن و تشنیع سے نہیں جو کہ عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ اور اگر اپنے میں ضبط کا مادہ نہ ہو تو شادی کے بعد فوراً بہو بیٹے کو علیحدہ کر دے بموجب اس مثل کے آنکھ اوٹ پہاڑ اوٹ۔ اس طرح دل صاف رہیں گے اگر وہ کبھی بہو کو بلائے گی یا بہو کے یہاں جائے گی تو ایک دوسرے سے محبت و عزت سے پیش آئیں گے۔

اب رہا ان لوگوں کا سوال جن ماؤں کے بیٹے ہی کفیل ہیں ان کو بھی چاہیئے کہ الگ ہو کر بطور گذارہ بیٹے سے خرچ لے لیں۔ اگر یہ بھی ناممکن ہو تو گھر میں رہنے کے باوجود سوچ لیں کہ جس کی ڈفلی اسی کا راگ تھی۔ خانہ داری اور بیٹے بہو کے معاملات سے دست بردار ہو جائیں اس طرح ہمیشہ کا جھگڑا چک جائے گا۔

بہو کو بھی یہ چاہیئے وہ یہ نہ سمجھ لے کہ شوہر کی کمائی یا شوہر کی حقدار صرف وہی ہے۔ نہیں بلکہ وہ بھی ہے جس نے اس پر محنت کی۔ جس نے اس کو پرورش کر کے اس قابل بنایا جس نے اپنا خون پانی ایک کر دیا اور دن کو دن رات کو رات نہ سمجھا جب کبھی ساس کو غصہ کی حالت میں دیکھے ادب کے ساتھ دریافت کر کے اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ چھوٹے بڑے سسرال والوں کے ساتھ محبت و اخلاق سے پیش آئے۔

ہر ممکن کوشش کرے کہ سسرال والوں کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ جب تک ہر بات کو واضح طور پر نہ سمجھ لے ہرگز ہرگز شوہر کے گوش گذار نہ کرے۔ اگر اظہار کرے تو اس خوبی سے کہ شوہر کوئی غلط خیال نہ قائم کر سکے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شکایت کسی نیت سے نہیں کیجاتی ہے مگر وہ ایسی صورت اختیار کر لیتی ہے جس کے نتائج بہت بُرے نکلتے ہیں یعنی شوہر کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو جاتا ہے کہ بیوی کسی پرخاش کے ماتحت جھوٹ و سچ شکایت کرتی ہے اس طرح اس کے دل میں تنفر پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ذرا ذرا سے واقعات بہت طول پکڑتے ہیں اور بالآخر دو زندگیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

مسز حمید لکھنوی

دانت کا درد

درد یوں تو سبھی جگہ کا تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن دانت کا درد خاص کر ایسی بُری بلا ہے کہ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ اس سے انسان کے ہوش و حواس پر بن جاتی ہے اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ جو کوئی جو کچھ بتا دے اس پر عمل کرے اور آخری درجہ اس تکلیف کا آدمی کو دانت نکلوانے ہی پر مجبور کر دیتا ہے۔ ڈاکٹری علاج تو ہلتے اور دُکھتے ہوئے دانتوں کا یہی ہے کہ انہیں نکلوا دیا جائے کہتے ہیں شیخ الرئیس بوعلی سینا کا بھی یہی قول تھا کہ دانت کے درد کا سب سے بہتر علاج زنبور ہے اور اس کی سند میں کہیں ایک قصہ بھی بڑا دلچسپ نظر سے گذرا ہے کہ کسی بادشاہ کے یہاں بہت سے طبیب جمع تھے اور انہوں نے ہر مرض کی عمدہ سے عمدہ دوائیں تیار کی تھیں جو نہایت زود اثر تھیں۔ بیماریوں کے اوپر قابو پا کر اب انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ موت کی دوا تلاش کرنی چاہیئے۔ اس مطلب کے لئے انہوں نے دیس پردیس پھرنا شروع کیا جنگل پہاڑ چھان ڈالے اور ساری دُنیا سے جڑی بوٹیاں لا کر اکٹھی کیں اور انہیں ایک بڑی ساری دیگ میں بھگو دیا۔ ایک عرصہ تک وہ بھیگتی رہیں پھر ان کے پکنے کی باری آئی۔ دیگ کا منہ بڑی حکمتوں سے بند کیا گیا کہ کہیں سے بھاپ نہ نکل سکے اور ایک سنسان میدان میں لے جا کر چولھے پر چڑھا دیا۔ اب اس کے نیچے دن رات آگ جلائی جاتی تھی اور دن گنے جاتے تھے کیونکہ ان حکما کا قول تھا کہ چالیس دن بعد اس کے ڈھکنے میں ایک سوراخ ہوگا اور اس میں سے ایک سنہری پروں والی چڑیا نکل کر موت کی دوا بتلائے گی۔ وہ لوگ خود اس کی نگرانی کرتے تھے کہ دیگ کے نیچے آنچ اندازے سے زیادہ نہ ہو جائے یا اور کوئی ایسی گڑبڑ نہ ہونے پائے کہ اتنی مدت کی کی کرائی محنت اکارت ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے۔ جب مہینہ بھر گذر گیا اور دس دن باقی رہے تو ان سب نے دن رات وہیں رہنا اور باری باری اس کا پہرہ دینا شروع کیا۔ لیکن شوق کی بیتابی چین نہیں لینے دیتی تھی۔ نیند بھوک سب غائب تھی۔ بس یہی فکر تھی کہ دیکھئے وہ سونے کی چڑیا کب نکلتی ہے اور کیا کہتی ہے۔ یہاں تک کہ انتالیس دن ختم ہو کر چالیسواں شروع ہوا مگر اب حالت یہ تھی کہ سب تھک کر چور ہو گئے تھے اور نہ جاگنے کی ہمت باقی تھی نہ بیٹھنے کا دم۔ سب کی طاقت نے جواب دیدیا اور چالیسویں رات جاگنا ان کے امکان سے باہر ہو گیا۔ ہاں ان میں سے ایک کے دانت میں درد ہو رہا تھا اور کسی پہلو چین نہیں تھا۔ بس ان سب نے یہی تصفیہ کیا کہ ان سے بہتر آج کی رات جاگنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ نیند ان سے خود بیزار ہے ان کی آنکھ نہیں جھپک سکتی بس اب فتح کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ اُنہوں نے بھی اس تجویز کو منظور کر لیا۔ اور وہ سب بے فکر ہو کر ایسے سوئے کہ گویا مُردوں سے شرط باندھ لی۔ ان مصیبت زدہ نے اپنی نظریں دیگ پر جما دیں۔ اور دل میں سوچنے لگے کہ قسمت اچھی ہے اتنے آدمیوں کی محنت و مشقت کا آج نتیجہ نکلے گا اور اس کا سننے والا اس عجیب و غریب چڑیا کا دیکھنے والا میں ہی ہونگا۔ موت کی دوا سب سے پہلے مجھے معلوم ہوگی اور قیامت تک میرا نام باقی رہے گا۔ درد کے مارے جان پر بنی ہوئی تھی مگر دھیان اسی طرف لگا تھا یہاں تک کہ آدھی رات کے قریب دیگ کے ڈھکنے میں چھوٹا سا سوراخ ہوا اور اس میں سے دھواں نکلنا شروع ہوا۔ اس دھوئیں کی عجیب و غریب رُوح پرور خوشبو تمام میں پھیل گئی اور اب یہ حکیم صاحب ہمہ تن انتظار ہو گئے وہ سوراخ لحہ بہ لحہ بڑھتا جاتا تھا۔ دھواں غٹ کے غٹ نکلتا چلا آتا تھا اور ان کا درد انہیں تڑپائے دیتا تھا کبھی اُٹھتے تھے کبھی بیٹھتے تھے کبھی ٹہلتے تھے مگر نگاہ اس بیقراری میں بھی اسی طرف تھی۔ اسی طرح ایک پہر اور گذرا اور پچھلی رات کو وہ طوطی زریں پر دیگ میں سے برآمد ہوئی۔ نکلنے کے ساتھ ہی پہلے تو اس نے دیگ کے

گر تین چار لگائے اور پھر جھک کر بولی کہ "پوچھ کیا پوچھتا ہے" حکیم صاحب کے منہ سے بے اختیاری کے عالم میں نکلا "دانت کے درد کی دوا"۔ اس نے جواب دیا "زنبور" اور وہیں گر کر راکھ ہو گئی۔ غرض یہ کہ آخری دوا اس تکلیف کی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ دانتوں کا قصہ ہی پاک کر دیا جائے۔ مگر بعض دوائیں کبھی کبھی ایسی بھی تجربہ میں آتی ہیں کہ جادو کا سا اثر دکھا کر سب کو اپنا معتقد کر لیتی ہیں اور ایسا ماننا پڑتا ہے کہ بغیر زنبور بھی دانتوں کا علاج ممکن ہے۔ چار پانچ برس ہوئے میرے چچا کے دانتوں میں سخت درد تھا۔ بہت کچھ علاج معالجہ کرنے کے بعد جب انہوں نے دانت اکھڑوا دینے کا تہیہ کر لیا تھا اس وقت کسی نے ان کو یہ ترکیب بتائی کہ تولہ بھر رومی مصطگی پسوا کر سیر بھر پانی میں جوش دلوائیے اور جب آدھ سیر پانی رہ جائے تو اس سے کلیاں کیجئے۔ انہیں اتنی مایوسی ہو چکی تھی کہ اس پر کوئی اعتقاد نہ ہوا مگر سوچا کہ خیر لاؤ یہ بھی کر دیکھیں۔ چنانچہ انہوں نے دو تین دن کلیاں کیں اور سارا درد غائب ہو گیا۔ دانت کا ہلنا بند نہیں ہوا لیکن تکلیف بالکل جاتی رہی۔ اسی طرح اب ضرورت پڑنے پر میں نے دو مرتبہ اس کا امتحان کیا اور نہایت مفید پایا۔ پہلی دفعہ تو جاڑے کے دن تھے نیم گرم پانی سے کلیاں کی تھیں مگر اب کی بالکل ٹھنڈے پانی کا استعمال کیا اور صرف دو دن میں فائدہ ہو گیا۔ رات کو سوتے وقت تین چار کلیاں کر لیتی تھی کہ شاید اس کے اوپر سے سادہ پانی لگنا مضر ہو۔ بس اتنے ہی استعمال میں وہ دانت جس کی وجہ سے میں ٹھنڈا پانی پینے کو ترستی تھی اور کلی تک اچھی طرح نہیں کر سکتی تھی ایسا ہو گیا کہ آہستہ آہستہ اس پر منجن ملا جا سکتا تھا۔ وہ کچھ باہر کو زیادہ نکل آیا اور بے جان سا پڑ گیا۔ اسی تکلیف کے زمانے میں ایک بہن نے یہ منجن بتایا کہ رومی مصطگی اور ببول کی چھال (اوپر کے کھپرے الگ کر کے) ہم وزن ملا کر پسوا لیجئے اور رات کو سوتے وقت ملا کیجئے۔ مگر اس پر سے پانی نہ لگے۔ پان کھا کر منہ صاف کر لیجئے گا۔ لیکن مجھے اول تو یہ عادت نہیں کہ پان کھانے کے بعد بغیر کلی کے سو رہوں اس سے سخت الجھن ہوتی ہے اور نیند نہیں آتی دوسرے اس وقت میری حالت ایسی نہیں تھی کہ پان کھا سکتی بولنے تک میں تکلیف ہوتی تھی۔ انہوں نے اس منجن کی بہت تعریف کی تھی کہ "میرے والد ہمیشہ اسے استعمال کرتے ہیں اور انہیں کبھی دانتوں کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جس وقت کوئی دانت گرتا ہے اسی وقت دوسروں کو معلوم ہوتا ہے کہ آجکل یہ ہل رہا تھا۔

وقتی علاج کے لئے ہلدی کی سینک بہت مفید بتائی جاتی ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ ہلدی کو سروتے سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لئے جائیں پھر ایک ٹکڑا آگ پر رکھ دیں تھوڑی دیر میں وہ سک کر پھول جائے گا اور کچھ نرم بھی ہو جائے گا۔ اس وقت اٹھا کر جب برداشت کے قابل ہو جائے تو اسے دانت کے نیچے دبا لیں یا ایسا موقع ہو تو انگلی کے سہارے سے جب تک گرم رہے دانت اور مسوڑھے سے لگائے رکھیں جب وہ ٹھنڈا ہو جائے تو اسی طرح تیار کیا ہوا دوسرا ٹکڑا لگا لیں۔ تھوڑی دیر اسی طرح سینکنے سے درد کم ہو جاتا ہے۔ مگر اسے بھی میں نے خود نہیں آزمایا۔ شدید درد کی بیقراری میں ایسے چپ چاپ بیٹھنا بہت مشکل ہے۔ ہاں ایسے وقت میں اوپر کی سینک اور سر کان گردن کندھا وغیرہ جہاں جہاں تک درد ہو زور زور سے دبانے اور تیل لگا کر ملنے سونتنے سے ضرور فائدہ ہوتا ہے اور گھنٹے آدھ گھنٹے تک برابر ملنے دبانے سے بعض دفعہ تو درد ایسا جاتا رہتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ لیکن چار پانچ گھنٹے کے بعد یا کچھ کھانے پینے سے پھر ویسی ہی ٹیسیں شروع ہو جاتی ہیں جن کا سب سے اچھا علاج یہی رومی مصطگی کی کلیاں ہیں۔ فوری فائدہ تو نہیں ہوتا لیکن مستقل ہوتا ہے۔ مگر یہ انہیں لوگوں کو کرنی چاہئیں جن کے دانتوں میں گھلنے کا درد ہوتا ہو۔ بعض دفعہ دانتوں میں اور وجہ سے بھی درد ہوتا ہے جن میں سے ایک کیڑا لگنا بھی ہے۔

تاثرات

عرفان علی خاں عرف مقبول میرا حقیقی بھائی تھا۔ ہم دونوں کا بچپن تھا کہ ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ہم دونوں کی دُنیا تاریک ہوگئی۔ ابھی چند ماہ ہوئے کہ مقبول میاں موٹر کے حادثہ سے انتقال کرگئے۔ یہ اشعار ان کی جوان موت پر بدنصیب بہن کے دلی جذبات ہیں۔

جگر کا خون درد و غم کا ٹکڑا بن کے نکلیں گے
مرے آنسو جہانِ دل کا نقشا بن کے نکلیں گے

مبارک ہو مشیت کو مرا رونا مبارک ہو
مرے عرفاں کو دُنیا سے اُٹھا لینا مبارک ہو
شرارے میری آہوں کے تماشا بن کے نکلیں گے

میاں مقبول اور میں خشک ٹہنی کے دو پتے تھے
مظالم کی ہوائے تند آفت اور بے رہی جن کے
وہ مظلوموں میں عبرت کا فسانا بن کے نکلیں گے

فرشتو اور سچ کرلو۔ یوں تو مرتا اک زمانہ ہے
مگر اس بے کسی مرگ کا خونیں فسانہ ہے
قیامت میں جگر کے داغ دعویٰ بن کے نکلیں گے

نہ ہم پیدا ہی ہوتے ہیں نہ ہم دنیا میں مرتے ہیں
مشیت نے بنائے کھیلنے کو دو کھلونے ہیں
میاں مقبول جنت میں کھلونا بن کے نکلیں گے

مآل کار جب منصف نہ پایا اس زمانے کو
گئے وہ پیش داور ماجرائے غم سنانے کو
وہ کم بختی خواہر کا سہارا بن کے نکلیں گے

کلیجے سے لگا رکھوں گی تخیلی صنم اُن کا
نہ چھوڑے گا کبھی دل ہاتھ سے دامانِ کرم اُن کا
وہ میرے بحرِ ہستی کا کنارا بن کے نکلیں گے

میں ہر صدمہ کو خاموشی سے دیتی ہوں جگہ دل میں
سکوتِ حشر پردر ہے چھپا آغوشِ بسمل میں
یہ قطرے ایک دن طوفانِ دریا بن کے نکلیں گے

بنائے دل کو طغیانی غم سے توڑتی رہتی
مشیت کے مخالف ساجدہ میں کچھ نہیں کہتی
سُنا ہے وہ شکستہ دل میں جلوا بن کے نکلیں گے

ساجدہ بنت دانش

گذشتہ اشاعت سے آگے

صدیقی صاحب کلکٹر مجسٹریٹ کی کوٹھی میں ایک کار داخل ہوئی اور برآمدے کے سامنے رک کر ملازم سے ڈرائیور نے دریافت کیا کہ صدیقی صاحب ہیں؟ اُس نے اندر اطلاع کی پانچ منٹ بعد بیگم صدیقی باہر آئیں۔ آنے والوں سے اُترنے کو کہا "ہمیں اسوقت بہت جلدی ہے اُتر نہیں سکتے چند جگہ اور بھی جانا ہے۔ آپ سے یہ کہنے کو آئے ہیں کہ آج شب کو آپ دونوں کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔" دعوت کا پیغام سُن کر بیگم صدیقی نے جواب دیا "بہت اچھا بسر و چشم دونوں حاضر ہو جائیں گے۔" کار واپس گئی اور کلکٹر صاحب تشریف لے آئے اور بیگم سے کہا جلدی تیار ہو جاؤ ابھی مسٹر شنکر کے ہاں "بریک فسٹ" پر چلنا ہے۔ میں آ رہا تھا کہ وہ کوٹھی کے قریب ملے جو ہم سے یہ کہنے کو آ رہے تھے کہ ہم بریک فسٹ میں اُن کے ہاں شریک ہوں۔ اُن کے ایک دوست انجینئر صاحب یہاں تبدیل ہو کر آئے ہیں اُن کو شنکر نے بلایا ہے۔ ہمیں بھی ملانا چاہتا ہے۔ نو بجے ہیں۔ دس بجے پہنچ جانا چاہیئے۔" ایسی ہی خبر میں آپ کو دینے والی تھی ابھی مسٹر و مسز فاروقی ہمیں ڈنر کے لئے آج ہی رات کو کہنے آئے تھے۔" بیگم صدیقی نے کہا تو صدیقی صاحب بولے "میرا خیال ہے کہ اُن ہی انجینئر صاحب کو فاروقی بھی ڈنر دے رہے ہیں۔ اور چونکہ کل ہی انجینئر کو دو چار دن کے لئے واپس جانا ہے اس لئے جلدی جلدی ان دونوں نے کھانا کھلا دیا۔ بات یہ ہے شنکر کہتے تھے کہ وہ انجینئران کا کلاس فیلو ہے اور غالباً فاروقی کا بھی پُرانا دوست ہوگا۔ اچھا ہے ہمارے حلقۂ احباب میں ایک دوست کا اضافہ ہو گیا خدا کرے ہمارے مطلب کا نکلے۔" اس گفتگو کے بعد دونوں جانے کے لئے تیار ہوئے۔ بیگم صاحبہ نے اس وقت ہلکی فروزی جارجٹ کی ساڑی پہنی اور فروزے کا روپہلی زیور جو بجائے سونے کے چاندی کا تھا۔ جب وہ اپنے ڈرائنگ روم سے تیار ہو کر نکلیں تو دروازے پر میاں منتظر ہی کھڑے تھے۔ ان کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے "جمیلہ یوں تو ہر وقت ہی اچھی لگتی ہو لیکن بعض بعض وقت لاثانی حُسن کی ملکہ نظر آتی ہو۔" بیوی نے مسکرا کر شوہر کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ہمیں اس قدر بنایا نہ کیجئے آپ خود اتنے خوبصورت ہیں کہ اس شہر میں کیا تمام دُنیا میں آپ کا ثانی کوئی نہیں آپ کی آنکھیں ایسی خوبصورت ہیں کہ ان میں میری شکل اچھی نظر آتی ہے۔" دونوں باہر آئے شوفر کو پیچھے بٹھایا خود دونوں آگے بیٹھے اور بیگم صاحبہ نے کار چلائی ٹھیک دس بجے شنکر صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ یہاں انتظار تھا صاحب خانہ کھڑے تھے اُتروا کر ڈرائنگ روم میں لے گئے اور اپنے نئے مہمان دوست سے تعارف کرایا۔

اس وقت کچھ زیادہ مہمان نہ تھے دو صاحب خانہ دو میاں بیوی صدیقی اور ایک وہ انجینئر کل پانچ تھے۔ انجینئر صاحب نے مسز صدیقی کو ذرا غور سے دیکھا تو انہیں خیال آیا کہ وہ ان سے کبھی پہلے بھی مل چکے ہیں اور معلوم ہوتا تھا کہ مسز صدیقی نے بھی ان کو پہچان لیا ہے۔ مگر اس وقت پہلی جان پہچان کا کچھ ذکر نہ آیا ایک گھنٹہ میں کھانا ختم ہوا۔ تھوڑی دیر لوگ ٹھہرے پھر رخصت ہو گئے۔ اور رات کو ساڑھے سات بجے سب لوگ سول سرجن فاروقی صاحب کے ہاں جمع ہو گئے اس ڈنر پر جنٹلمین اور لیڈیز سب چیدہ تھے۔ انجینئر صاحب سب کے بعد آئے کلکٹر صاحب کو پہلی ہی ملاقات میں صبح انجینئر صاحب بہت پسند آئے اس وقت وہ ان کے بیتابی سے منتظر تھے۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے کلکٹر صاحب اُٹھ کر ملے اور کہا "آپ نے تو بہت ہی دیر لگا دی ہم لوگ

بےصبری سے منتظر تھے اگر ذرا اور نہ آتے تو لینے کو پہنچتے" کیپٹن شنکر بولے آپ تو اس قدر جلد ان کے گرویدہ ہوگئے ایک ہی ملاقات کے بعد بے چین رہنے لگے۔ اگر یہ حالت ہے تو چند ہی روز میں ہمیں کون پوچھے گا؟" انجینیر صاحب نے کہا "کیپٹن صاحب آپکو کیوں رشک ہونے لگا؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیئے تھا کہ آپ کے ایک نووارد دوست کو آپ کے احباب نے پسند کیا" مسز صدیقی بولیں "مسٹر شنکر کو رشک ہونے کی تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی انجینیر صاحب ہمارے پرانے عزیز دوست ہیں ہمارے لئے وہ نئے یوں خیال کئے جانے لگے کہ انھوں نے اپنے یہاں آنے کی ہم کو اطلاع نہیں دی تھی یہاں کے "انسپکشن ہوس" میں ٹھہر گئے اور آپ کے ذریعہ ملاقات ہوئی"۔

کیپٹن شنکر نے کہا "اچھا یہ آپ کے پرانے دوست ہیں؟ آج ہی صبح ملاقات ہوئی ہے کلکٹر صاحب سب کو چھوڑ کر اُن ہی کے ہوگئے۔ بیگم صاحب ان سے بھی زیادہ نکلیں پرانی دوستی بناتی ہیں"۔ مسز شنکر نے کہا "آخر اس میں برائی کیا ہے؟ آپکو کلکٹر صاحب اور انجینیر صاحب میں محبت ہو جانے سے کیوں جلن پیدا ہو گئی۔ مسز صدیقی کی بات کو کیوں غلط مانتے ہیں ممکن ہے اُن کی پہلی سے ملاقات ہو"۔ یہ سنکر بیگم صدیقی بولیں "مسٹر شنکر آپ کا خیال درست ہے میں انجینیر صاحب کو بچپن سے جانتی ہوں میرے بھائی ان کے بہت پرانے دوست ہیں بلکہ ہمارے دونوں خاندانوں میں عزیزوں کے سے تعلقات ہیں"۔ کیپٹن شنکر کہنے لگے "ہاں ہاں معلوم ہوگیا انجینیر صاحب آپ کے بھائی ہیں تب ہی تو بیچارے نے بہن کے پاس ٹھہرنا تو درکنار اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی"۔

مسز صدیقی نے جواب دیا "بہن کو اطلاع نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو یہ علم نہ تھا کہ میں آجکل یہاں ہوں اور صدیقی صاحب سے ان کی ملاقات نہ تھی"۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈرائنگ روم سے گھنٹی کی آواز آتے ہی سب کھڑے ہوگئے یہ لوگ مع صاحب خانہ کے نو جوڑے تھے اور بیچارا انجینیر اکیلا اور ایک پارسی لڑکی مس نوشابہ غیر شادی شدہ تھی۔ ڈنر پر اس نئے زمانہ میں بہت ہی فوق البھڑک لباس پہنا جاتا ہے۔ شادی وغیرہ کی تقریبوں میں آجکل کی خواتین اتنے اچھے کپڑے نہیں پہنتیں جیسے ڈنر کے موقعہ پر۔ چنانچہ اس وقت بھی سب لیڈیز خوبصورت اور چمکدار لباس پہنے تھیں لیکن نینن کی ساڑیاں بیحد جگمگا رہی تھیں مسز شنکر کی سبز بنارسی ساڑھی تھی اور مس نوشابہ زرد جارجٹ کی سفید کامدار ساڑھی پہنے تھیں۔ اور سب سے اچھی جھمجھماتی سیاہ بنارسی ساڑھی جس پر سنہرا جال بنا تھا اور موتیوں کی بارڈر لگی تھی حسین وجمیل بیگم صدیقی کی نہایت دلکش اور مناسب وقت پوشاک تھی اور بجائے جڑاؤ زیورات کے انھوں نے صرف سنہری زیور پہن رکھا تھا اور وہ زیور بھی ایک خاص قسم کا بنوایا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں سونے کی زنجیردار چوڑیاں جن میں سنہری پتیاں لٹک رہی تھیں کانوں میں لمبے لمبے جھالے گلے میں نولڑا ہار جس کی ہر زنجیروں میں نازک نازک سنہری پتیاں لرز رہی تھیں۔ اس ہار کی ایک لڑی ان کے گلے سے لپٹی تھی اور نیچے لڑی اتنی لانبی تھی کہ جب وہ کھڑی ہوئیں تو گھٹنوں تک لٹک گئی۔ اس مجمع میں یوں تو سب کا لباس اچھا تھا لیکن جو حسن خداداد اور جاذب نظر دل فریب لباس بیگم صدیقی کا تھا وہ کسی کو نصیب نہ تھا یہی وجہ تھی کہ سب کی نظریں ان پر بار بار پڑ رہی تھیں۔ سادہ دل بھولی لڑکی نوشابہ مسز صدیقی پر نثار ہو رہی تھی۔ اپنی جگہ چھوڑ کر مسز صدیقی کے پاس صوفہ پر آ بیٹھی تھی۔ وہ خود بھی حسین تھی مگر ان کو دیکھ کر اب یہ تمنا تھی کہ مجھ کو بھی خدا نے بیگم صدیقی کا سا دلکش حسن دیا ہوتا آج اس کو اپنی خوبصورت ساڑھی بُری معلوم ہو رہی تھی وہ پچھتا رہی تھی کہ میں بھی سیاہ ساڑھی پہن کر کیوں نہ آئی۔ سب ڈائننگ روم میں آئے اتفاق سے بیگم صدیقی کی ایک طرف انجینیر صاحب کی کرسی تھی اور دوسری طرف اس نوشابہ کی۔ قاعدے کے موافق بیگم صدیقی کو باری باری دونوں سے باتیں کرنا پڑیں مگر انجینیر صاحب بہت خاموش تھے۔ کیپٹن صاحب اپنی عادت کے مطابق ہر ایک سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ پورے دو گھنٹے میز پر صرف کئے گئے۔ اور جب خدا خدا کرکے کہیں کھانا ختم ہوا سب ڈرائنگ روم میں آئے تو کافی کا

دور چلا آپس میں ایک دوسرے سے گانے کی فرمائشیں کی گئیں ان سب لیڈیز میں سب سے اچھی گانے والی مسز شنکر ہی تھیں ان کے بعد صاحب خانہ بیگم فاروقی اور بیگم صدیقی بھی گانا جانتی تھیں۔ چھوٹی نوشابہ علاوہ وائلن اور پیانو کے ڈانس بھی کر سکتی تھیں اور ان مہمانوں میں ایک لیڈی مسز موہن لال بھی انگریزی ناچ کی بہت ماہر تھیں سب کے کہنے سے اور اپنے مہمانوں کی خاطر بیگم فاروقی نے پیانو پر گانا شروع کیا۔ انہیں دلچسپیوں میں رات کے بارہ بج گئے اور کمرے کے گھنٹے سے ٹن ٹن کی آواز آئی تو یکبارگی سب کھڑے ہوگئے صدیقی نے انجنیئر صاحب سے کہا "کل تو آپ جا ہی رہے ہیں واپس آکر انسپکشن ہاؤس میں نہ ٹھہرئیے جب تک کوٹھی تلاش ہو آپ ہمارے ساتھ رہیں بہت افسوس ہے کہ آپ نے اپنے یہاں آنے کی اپنی بہن کو اطلاع نہ دی مجھ کو تو ابھی علم ہوا کہ آپ بھائی جمیل کے بہت عزیز دوست ہیں" شوہر سے یہ سنکر بیگم صدیقی نے بھی اُن سے کہا "ہاں بھائی جان آپ نے بڑا غضب کیا ہمارے یہاں ہوتے ہوئے آپ ڈاک بنگلے میں ٹھہرے لوگوں کے ہاں دعوتیں ہو رہی ہیں اور ہم شرمندہ ہوکر غیروں کی طرح شریک ہو رہے ہیں اب آپ کو غریب خانہ پر قیام کرنا ضروری ہوگا۔ کس وقت کی ٹرین سے یہاں پہنچیں گے ابھی بتانے جائیے میں اسٹیشن پر استقبال کو حاضر ہونگی"۔ ان دونوں طرف سے اس قدر محبت اور قدردانی کے اظہار نے انجنیئر صاحب پر بہت اثر کیا۔ اُن کو الفاظ نہیں ملتے تھے جن میں شکریہ ادا کریں چند سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے "میں آپ دونوں کی ازحد مہربانی و محبت کا شکریہ لفظوں میں ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ دوبارہ جلد پہنچنے سے پیشتر آپ کو اطلاع دے سکوں۔

نذر سجاد حیدر

(باقی آئندہ)

باقی صفحہ ۴۲۲ کا

ہوگی۔ چنانچہ امریکہ کو اس خطرے کا بخوبی احساس ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ نازی جرمنی نے آج نپولین کی جگہ لے رکھی ہے نازی حکومت ناروے سے یونان تک پھیلی ہوئی ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ نپولین سپانیہ سے روس تک حکمراں تھا۔

اس وقت تک موجودہ جنگ پر امریکہ کے طرز عمل کا بہت کچھ اثر پڑ چکا ہے۔ امریکہ کی مدد سے برطانیہ نے افریقہ میں دشمن کو نیچا دکھایا۔ امریکہ کی مدد سے بحر اوقیانوس کا تجارتی راستہ ابھی تک کھلا ہوا ہے۔ امریکہ ہی کی وجہ سے جاپان برطانیہ کے خلاف کوئی فوجی اقدام کرتا ہوا ڈر رہا ہے۔ امریکہ جانتا ہے کہ اس کی قسمت کا فیصلہ یورپ کے میدانوں سمندروں اور ہواؤں میں ہونے والا ہے۔ اور اس لئے اگر بفرض محال انصاف تہذیب امن اور جمہوریت کی خاطر نہیں۔ وہ ہر وقت اس جنگ میں برسرپیکار ہونے کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ امریکہ کا ایک نہایت مشہور اخبار لکھتا ہے "ہم نہیں سمجھتا کہ ابھی تک بہت سے لوگ اس خیال کے حامل ہیں کہ ہم اس جنگ میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ اب صرف کسی حادثے کا انتظار ہے مثلاً ہمارا کوئی جہاز ڈبو دیا جائیگا یا کوئی اور ایسا واقعہ پیش آئیگا اور پھر جنگ میں ہم عملی حصہ لے رہے ہوں گے"۔

امریکہ کی خوش قسمتی ہے کہ اُس کو اس نازک وقت پریزیڈنٹ روزولٹ جیسا لائق رہنما ملا۔ روزولٹ کا تیسری بار صدر چنا جانا ہی امریکہ والوں کے انتہائی اعتماد کی دلیل ہے۔ چنانچہ اُس کی تازہ تقریر کا جس میں اُس نے برطانیہ کو ہر قسم کی مدد دینے کی اپیل کی ہے ایک ایک لفظ تاریخی ہے۔ یقیناً موجودہ جنگ میں امریکہ بڑا زبردست حصہ لے رہا ہے اور اس جنگ کے نتیجے پر اس حصے کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔

(انگریزی سے آزاد ترجمہ)

سلیم احمد خان لودھی

موجودہ جنگ میں امریکہ کا اہم حصّہ

اگر ہم امریکہ کے اندرونی حالات سے متعلق کوئی ٹھیک اندازہ کرنا چاہتے ہوں تو لازم ہے کہ ہم وہاں کے باشندوں کے
مختصر حالات سے ضرور واقف ہوں - اگرچہ کہ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ امریکہ کے رسم و رواج و زبان انگریزی ہے لیکن حقیقت
یہ ہے کہ وہاں کے باشندے مختلف قوموں اور نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں - چنانچہ مندرجہ ذیل اعداد اس حقیقت کو واضح
کردیں گے - اس سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ امریکی باشندوں کی اکثریت ان ممالک سے تعلق رکھتی ہے جہاں آج کل
آمریت کا طوطی بول رہا ہے - امریکہ میں رہنے والے باشندے مندرجہ ذیل اقوام یا اُن کی اولاد پر مشتمل ہیں :-

نیگرو = ۱۲،۰۰۰،۰۰۰، جرمن = ۶،۸۰۰،۰۰۰، اطالوی = ۴،۵۰۰،۰۰۰، برطانوی = ۳۴،۰۰۰،۰۰۰
پولستانی = ۳،۲۰۰،۰۰۰، اہل کینیڈا = ۳،۲۰۰،۰۰۰، اہلِ سوویٹ و ناروے = ۳،۱۰۰،۰۰۰، اہلِ آئرستان =
۲،۹۰۰،۰۰۰، اہلِ آسٹریا = ۱،۳۰۰،۰۰۰، زیک = ۱،۴۰۰،۰۰۰، اہل میکسیکو = ۲،۶۰۰،۰۰۰، روسی = ۳،۱۰۰،۰۰۰
اہلِ ہنگری = ۶۸۰،۰۰۰، یگوسلاویہ = ۶۰۰،۰۰۰، فرانسیسی = ۵۰۰،۰۰۰ دیگر منتشر اقوام = ۳،۹۰۰،۰۰۰

لیکن اتنی مختلف قومیتوں کے پہلو بہ پہلو بسنے کے باوجود امریکہ کے لوگ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیوں تقریباً ہر بیس
سال یورپی اقوام ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہوجاتی ہیں -

موجودہ جنگ کے متعلق تقریباً نوے فیصدی اہلِ امریکہ متفق الرائے ہیں کہ جرمنی کی نازی حکومت کا وجود مستقل امن
کے لئے ہمیشہ سے خطرہ رہا ہے اور رہے گا اُن کی رائے میں یورپ میں ہمیشہ کے لئے صلح و آشتی قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ
ہے اور وہ ہے نازی حکومت کا خاتمہ - یہ لوگ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ دنیا میں صرف انگریز ہی ایسی قوم ہے جو اس طوفان
کو روک سکتی ہے - اور اگر اس بہادر قوم کو اس اہم کام کے انجام میں پوری پوری مدد نہ دی گئی تو یہ اہم فرض کل امریکہ کے
کاندھوں پر پڑے گا جس کو غالباً وہ اکیلا انجام دینے سے قاصر ہوگا -

ماضی میں امریکہ کے باشندوں کے متعلق یہ عام رائے تھی کہ وہ برطانیہ کو مدد دینے کے بالکل خلاف ہیں - لیکن اب ایسا
نہیں ہے - چنانچہ مسٹر وینڈل ولکی کا وہ بیان اس کا ضامن ہے جس کے دوران میں وہ ان کے متعلق کہتے ہیں "اُن کا برطانیہ
کے متعلق عہدِ قدیم میں کیا خیال تھا - اس کو جانے دیجئے - لیکن اب ہم سب کی طرح ان کو کامل طور پر احساس ہے کہ اس مرتبہ
خود آزادی اور جمہوریت خطرے میں ہیں اور مجھے یقین کامل ہے کہ کم از کم اس جنگ کے اختتام تک وہ برطانیہ کے خیرخواہ ہیں"۔
یہاں غالباً اس کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ میں برطانیہ کے سب سے زبردست حامی ۱۲ کروڑ نیگرو ہیں جو کہ اطالیہ اور مسولینی کے
زوال کا کمال شوق سے انتظار کر رہے ہیں -

ہم ایک تاریخی غلطی کریں گے اگر یہ سمجھیں کہ امریکہ ہمیشہ سے تنہائی پسند رہا ہے - صرف سنہ ۱۹۱۴ء سے نوے سال پہلے سے
امریکہ تنہائی پسند ہوگیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت صرف برطانیہ کی سمندر پر حکمرانی تھی اور اس وجہ سے امریکہ کو خود اپنی
حفاظت کی فکر دامن گیر نہ تھی - اس سے قبل امریکہ تقریباً سات یورپی جنگیں لڑ چکا ہے - نپولینی جنگوں کے دوران میں نہ صرف

ایک پوری فوج امریکہ پر حملہ آور ہوئی بلکہ واشنگٹن تک پہنچ کر پایہ تخت کو آگ بھی لگا دی۔ امریکہ کی جنگِ آزادی بھی فرانس اور برطانیہ کے درمیان ہوئی۔ انقلاب فرانس کی لڑائیوں میں امریکہ ہمیشہ فرانس سے زور آزمائی کے لئے تیار رہتا تھا۔ پریزیڈنٹ جیفرسن نے لوبیانا جو کہ اس وقت سپانی قبضہ میں تھا، کے نپولین کو دئے جانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ کیونکہ اُس کے خیال میں اسپین اپنی اس وقت کی کمزور حالت کی وجہ سے امریکہ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکتا تھا۔ لیکن فرانس کے اس جگہ پر قبضہ کر لینے سے امریکہ کو ہمیشہ جنگ کا خدشہ رہتا۔ جب نپولین نے اسپین کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا اور جنوبی امریکہ کی ہسپانوی نوآبادیات نے آزادی کا اعلان کر دیا تو امریکہ نے اُن کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ اُس وقت سے امریکہ کی یہی پالیسی رہی کہ جہاں ہو سکے ہر قسم کی شہنشاہیت کے اثر کو امریکی ساحلوں سے دُور رکھا جائے۔ تاکہ بڑی بڑی بحری و بری افواج کی تیاری کی ضرورت ہی باقی نہ رہ سکے۔ موجودہ جنگ کے آغاز پر نازی پروگینڈے نے بہت کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح امریکہ میں تنہائی پسند جذبے کو اُونچی سے اُونچی جگہ حاصل ہو۔ لیکن اس مقصد میں جرمنی کو جو زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس کا پتہ پریزیڈنٹ روزولٹ کے قرض اور اجارہ دینے کے بل کے قانون بن جانے سے چلتا ہے۔

گذشتہ بارہ ماہ میں امریکہ کے خیالات میں زبردست انقلاب ہوا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرض اور اجارہ دینے کے بل کو پاس ہونے میں کئی ہفتے لگے ہیں لیکن اس کے پاس ہوتے ہی سینٹ نے بڑی بڑی رقموں کے خرچ کی منظوری دے کر اپنی پچھلی غلطی کی تلافی کر دی۔

امریکہ کی دشمنی مول لینے کے خوف نے جرمنی کو جنوبی امریکہ جزائر غرب الہند اور کینیڈا میں اپنے پروگرام کو بالکل تبدیل کر دینے پر مجبور کر دیا ہے لیکن یکے بعد دیگرے چھوٹی چھوٹی بے بست و پا قوموں کی آزادی پر جو ہٹلر نے چھاپے مارے اس سے اس آمد کے خلاف امریکہ بھر میں غصے و نفرت کی لہر دوڑ اٹھی ہے۔ جب ہٹلر نے دیکھا کہ وہ کسی طرح امریکہ سے اس نفرت کو دُور نہیں کر سکتا تو اس نے جاپان کے ساتھ طاقتی عہدنامہ کر کے امریکہ کو ڈرانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا امریکہ پر اُلٹا اثر ہوا کیونکہ وہاں اس بات کا احساس ہونے لگا کہ جاپان اور جرمنی دونوں امریکہ کے خلاف نہیں اُٹھ سکتے" مگر برطانیہ کو پوری پوری مدد دی جائے۔

امریکہ کی رائے شماری کے اعداد سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہے سولہ[۱۶] ماہ قبل ۴۸ فیصدی لوگوں نے اس سوال کا جواب نفی میں دیا کہ "آیا تم سمجھتے ہو کہ گذشتہ جنگ عظیم میں امریکہ کی شرکت ایک غلطی تھی"۔ لیکن ماہ اپریل کی رائے شماری میں اس ہی سوال کا جواب ۳۴ فیصدی لوگوں نے نفی میں دیا۔ ظاہر ہے کہ اتنے لوگوں کی رائے اس قلیل عرصہ میں محض جنگ موجودہ کے حالات ہی کی وجہ سے تبدیل ہو گئی۔ چنانچہ اہلِ امریکہ کے موجودہ جنگ کے متعلق خیال کا کرنل ڈونوان (جو کہ پریزیڈنٹ روزولٹ کے خاص مشیروں میں سے ہیں اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے موجودہ جنگ کے ہر پہلو کا شروع ہی سے بنظر غور مشاہدہ کیا ہے) کے ایک بیان سے چلتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں "انگلستان کو شکست دینے کے بعد جرمنی کو یورپ یا وسطی مشرق میں کسی طاقت کا ڈر نہیں رہے گا۔ روس کو وہ جب چاہے ختم کر سکتا ہے۔ برطانیہ کی شکست کے ساتھ ہی یورپ کی تمام بندرگاہیں اور ہوائی اڈے ہٹلر کے ہاتھ چڑھ جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے پاس فرانس برطانیہ اور اٹلی کے بحری بیڑے بھی ہوں گے"۔

... کیا ہوگا؟ یقیناً جرمنی اور جاپان امریکہ پر ایک متحدہ دھاوا بول دیں گے جس کا لازمی نتیجہ امریکہ کی تباہی و بربادی

ماشاءاللہ

اصغری خانم ایک وسیع دالان میں گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہیں۔ ایک صاف ستھری ٹوکری میں پالک کا ساگ رکھا ہے جس کی ڈنڈیاں توڑ توڑ کر چنگیری میں ڈالتی جا رہی ہیں دروازے پر کہاروں کی آواز آتی ہے "سواری اُتروا لو"۔

اصغری خانم خادمہ سے کہتی ہیں نصیبا دیکھ کون آیا ہے؟ جا اُتروا لا: مدت کی بچھڑی ہوئی سہیلی کو دیکھ کر اصغری خانم کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ پائنچے سنبھالتی آگے بڑھتی ہیں اور دونوں سہیلیاں گلے ملتی ہیں۔

اصغری - میری اچھی باجی میں تو سمجھی تھی کہ تم بالکل ہی بھول گئیں کہئے کس طرح آنا ہوا اور یہ سانس کیوں پھول رہا ہے؟

باجی - کچھ نہ پوچھو آپا اللہ ہی جانتا ہے کہ ماشاءاللہ کس طرح تمہارے گھر تک پہونچی ہوں۔

اصغری - کیوں خیر تو ہے؟

باجی - ہاں بوا کیا خیر ہے راستہ میں ماشاءاللہ اتنا بڑا بازار موٹر تانگوں کی ریل پیل پیچھے سے آئی موٹر۔ سامنے ماشاءاللہ اڑا ہوا تھا ٹھیلا کہار تو ایسے گھبرائے کہ ماشاءاللہ ڈولی سمیت اوندھے منہ گرے۔ اُس وقت کی حالت نہ پوچھو۔ سڑک کی پٹڑی سے لگا گرا تو ساری کہنی خونم خون ہو گئی اُوپر سے ماشاءاللہ دو کہاروں کا بوجھ آپا اللہ کی قسم میرا تو کچھ دم نکل گیا وہ تو ماشاءاللہ پانچ سات موٹے تازے دو کاندار دوڑ پڑے اُن بیچاروں نے مل کر ڈولی کو سیدھا کیا گلاس میں پانی لائے تو میں نے کہنی دھوئی۔

اصغری - باجی بہت ہی افسوس ہوا کہ ان کمبخت کہاروں کی بے وقوفی سے آپکو اس قدر تکلیف پہنچ گئی۔ سڑک تو چوڑی تھی یہ مردے دوسری طرف کیوں نہیں ہو گئے۔

باجی - آپا اس میں ماشاءاللہ کہاروں کا قصور نہیں وہ بیچارے مڑتے کس طرف آدھی سڑک پہ تو ماشاءاللہ سبکریوں کا ریوڑ چلا آ رہا تھا۔

اصغری - باجی اللہ نے بڑا فضل کیا لیجئے تھوڑا سا شربت پی لیجئے۔

باجی - شربت کا ایک گھونٹ لیکر آپا شربت تو ماشاءاللہ کچھ پھیکا ہے ایک چمچہ قند اور ڈال دو۔

اصغری خانم شکردانی منگا کر ایک چمچہ قند گلاس میں گھول دیتی ہیں اور باجی غٹاغٹ پورا گلاس چڑھا جاتی ہیں۔

اصغری - آپکو مرادآباد سے آئے ہوئے کتنے دن ہو گئے؟

باجی - مجھے یہاں آئے ہوئے ایک سال ہو جائیگا۔ روزانہ ارادہ کرتی تھی کہ آپا اصغری کے پاس جاؤنگی لیکن ماشاءاللہ گھر کے دھندوں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی آج تو میں ماشاءاللہ پکا ارادہ کرکے کھڑی سی ہو گئی۔

اصغری - بھائی صاحب اور بچے کس طرح ہیں؟

باجی - کچھ نہ پوچھو آپا تمہارے بھائی صاحب تو ماشاءاللہ اب آئے دن کے بیمار رہنے لگے ہیں۔ کوئی دو دو سال ہوئے تو ماشاءاللہ ساری ساری رات بیٹھے گذر جاتی ہے - ہاں تمہارے دونوں بھانجے تو ماشاءاللہ اچھی طرح ہیں لیکن ماشاءاللہ بعض اوقات ایسی ناگہانی کی تکلیف آجاتی ہے کہ کچھ نہ پوچھو۔

اصغری - کیوں خیر تو ہے کیا ہوا؟

باجی - پرسوں ماشاءاللہ میرا چھٹکا کھونٹی پر سے اچکن اُتار رہا تھا اچکن کی تہ میں بیٹھا تھا بچھو اُس نے ماشاءاللہ اس زور سے ڈنک مارا کہ ماشاءاللہ بچے کے لینے کے دینے پڑ گئے - تمہارے بھائی ماشاءاللہ بڑے آدمی لیکن اس ماشا کے کارن دھوپ میں بھاگے ہوئے گئے اور ڈاکٹر کو لیکر آئے ڈاکٹر نے ماشاءاللہ سوئی لگائی جب کہیں جا کر سکون ہوا۔

اصغری - توبہ توبہ۔ ہاں آپا اللہ ہولی شدنی سے بچا رکھے۔

باجی - اچھی آپا ڈولی منگا دو ماشاءاللہ بچے بھی اسکول سے آتے ہونگے اور دیر ہو گئی تو تمہارے بھائی ماشاءاللہ کھری کھری نصیحتیاں کروالیں گے۔

دیہات کی لڑکی

صبحِ صادق کی سپیدی گو ابھی مستور ہے — منہ اندھیرے جاگنا اس کا مگر دستور ہے
دیکھو وہ انگڑائی لی، وہ اپنے بستر سے اُٹھی — اس کے چہرے سے عیاں ہے کس قدر تابندگی
تہہ کیا بستر کو اپنے الگنی پر رکھ دیا — کس قدر پھرتی سے اٹھی - وہ اٹھایا اب گھڑا
دھیرے دھیرے اب وہ پنگھٹ کیطرف جانے لگی — صحن میں پہنچی تو اپنے آپ ہی گانے لگی
سادگی ہے اس کا زیور، سادہ دل ہے ہمنشیں — مادّی چیزوں سے اس کو کچھ تعلق ہی نہیں
اس کی نظریں نور افزا، اس کی صورت کیف بار — ہے اداؤں سے نسائیت مکمل آشکار
پانی بھر لائی وہ فارغ ہوگئی اس کام سے — دودھ رکھا گرم اُس نے بھائی بہنوں کے لئے
چھوٹے بچوں کو جگایا اور نہلانے لگی — رو پڑے دیکھو وہ گاکر اُن کو بہلانے لگی
باپ کی کھانسی کی اُس کے آئی کانوں میں صدا — دیکھو وہ حقّہ اُٹھایا اُس نے اور تازہ کیا
گو ابھی بستر سے بوڑھا باپ اٹھا بھی نہ تھا — با ادب آواز دے کر حقّہ اُس نے دے دیا
ایک طرف سے بھائی نے آواز دی آنا یہاں — ڈھونڈتا، ملتا نہیں گوپھن مرا کھویا کہاں
دوڑی دوڑی گھر میں پہونچی ڈھونڈھی لائی اُسے — چل دیا کھیتوں کی جانب لے کے پھر بھائی اسے

مختلف کاموں میں سارا دن بسر کرتی ہے یہ
گھر کی دولت گھر کی رونق گھر کی اک لچھمی ہے یہ

وقار واثقی

حیدر آباد کی عورتیں

(۲)

گذشتہ مضمون میں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے، اب ہم ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کو چند گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ملازم عورتیں تجارت کرنے والی عورتیں، محنت کرنے والی عورتیں، پھر ان کی بھی اقسام ہیں جن کی مختصر وضاحت کی جائے گی۔

ملازم عورتیں اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی ملازم عورتوں کا تذکرہ ہم نے گذشتہ مضمون میں کر دیا ہے۔ اب ادنیٰ طبقہ کی ملازم عورتوں کو متعارف کرایا جاتا ہے۔ ان کی تقسیم ماما۔ انّا۔ آیا۔ کاماٹن اور مالن پر کی جا سکتی ہے۔

ماما حیدر آباد کی ماماؤں کے متعلق ہمارا ایک تفصیلی مضمون ہماری کتاب "خیابانِ نسواں" میں شامل ہے، اس لئے یہاں تفصیلی صراحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی؎۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماما کا کام عموماً پکوان ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمان ہوتی ہے، غیر مسلم کوئی ماما کے لقب سے یاد نہیں کی جاتی۔ ادنیٰ طبقہ کے مسلمان اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ ماماؤں پر بھی جدید فیشن کا اثر ہوتا جا رہا ہے مگر زمانہ سابق کی طرح اب ان کا دستیاب ہونا دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ جس کی مختلف وجوہ ہیں ان کی صراحت اس موقع پر بے محل ہے، بہر حال ملازم طبقہ میں ماماؤں کا درجہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ان کا تذکرہ ہی مقدم کیا گیا۔

انّا انّا سے وہ عورت موسوم ہوتی ہے جس کا دودھ کسی گھر کے بچے نے پیا ہو، انّا کے لئے مذہب کی کوئی قید نہیں ہوتی، وہ مسلمان بھی ہوتی ہے اور ہریجن بھی۔ بعض گھرانوں میں انّا کو بچہ کے دودھ چھوڑ دینے کے بعد بھی ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ باوجود دودھ نہ پلانے کے اسی نام سے موسوم ہوتی ہے۔ بعض انّائیں آیا کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ انّا کو عموماً تنخواہ زیادہ دی جاتی ہے۔ پہلے زمانہ میں انّاؤں کا دستور تھا ہر گھر میں ہر بچہ کے لئے انّا ملازم ہوتی تھی۔ مگر اب جدید فیشن کے مدنظر بچے کی پرورش بجائے انّا کے دودھ کے گائے وغیرہ سے ہونے لگی ہے۔ اس لئے اب انّا کا دستور بھی کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔

آیا زمانۂ قدیم میں آیا کا وجود نہیں تھا۔ یورپین اصحاب کے زمانہ سے آیا کا وجود ہوا ہے۔ جن ہریجنوں وغیرہ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ان کو یورپین خواتین ملازم رکھنے لگیں اور انہیں کچھ تعلیم اور تربیت بھی دی جانے لگی اور وہ انگریزی زبان بھی بولنے لگیں اس طرح یورپین خواتین کی ملازمہ آیا کے لقب سے موسوم ہوئیں جن کے لئے لازم تھا وہ عیسائی مذہب ہوں، انگریزی گفتگو کریں، انگریزی پکوان اور انگریزی تہذیب سے واقف ہوں۔ بچوں کی پرورش اور ان کی صحت کے ضروری امور سے آگاہ ہوں، یورپین خواتین کے سنگھار وغیرہ میں مدد دیں۔ بہر حال ان کے مختلف فرائض تھے جن سے آگاہ رہنا آیا کے لئے لازمی تھا، چونکہ یورپین صفائی کو مقدم قرار دیتے ہیں اس لئے انہوں نے آیا کے لباس کو سفید قرار دیا تاکہ ہر وقت صفائی ہو سکے آیا کے فرائض سخت اور کام بھی اہم ہوتا تھا اس لئے ان کی دستیابی بھی مشکل تھی ان کی تنخواہیں زیادہ ہوتی تھیں یہی وجہ ہے کہ آیا کو عام طور پر نہیں رکھا جاتا تھا۔

؎ یہ مضمون عصمت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مگر گذشتہ پچیس تیس سال سے یہاں آیا کا زیادہ رواج ہو گیا ہے۔ فیشن کی تقلید نے مجبور کر دیا ہے کہ ہر گھر میں آیا ضرور رہے اور اگر کوئی کسی قدر صاحب ثروت ہوں تو پھر ان کے یہاں بیگم صاحبہ کی خدمت کے علاوہ ہر بچے پر ایک ایک آیا ضرور ملازم ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی مانگ زیادہ ہو گئی۔ مانگ زیادہ ہونے سے تنخواہ بھی کم ہو گئی اور نہ صرف خاص عیسائی مذہب بلکہ ہریجن دھیر ابھی سفید ساڑھی پہن کر آیا بن گئیں۔ اس قسم کی آیا زیادہ تر صرف لباس کی حد تک آیا ہوتی ہے۔ اس کو نہ تو انگریزی زبان آتی ہے اور نہ وہ انگریزی تہذیب سے واقف ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کو بچوں کی پرورش دیکھ بھال کے ابتدائی اصول آتے ہیں اور نہ وہ ان کی صحت اور تندرستی کے امور سے واقف ہوتی ہیں، غرض یہ صرف نام کی ہوتی ہے، کام کی نہیں ہوتی۔ بہرحال آجکل آیا کی بڑی مانگ ہے اور بچوں کے لئے اور بیگم صاحبہ کے لئے آیا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ہر گھر میں سفید پوش عورت آیا کے نام سے موسوم ہوا کرتی ہے۔ جو اصلی امور آیا کے لئے ضروری تھے ان کا وجود مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

کاماٹن بھی ایک ملازمہ عورت ہوتی ہے، یہ بھی مسلمان نہیں ہوتی بلکہ ہندو ہریجن ہوتی ہے، گھر کے کاروبار اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان سے متعلق نہیں ہوتا۔ بازار سے سودا لانا، گھر کی صفائی، برتن مانجھنا وغیرہ امور ان سے متعلق ہیں۔ آجکل "بھونیا" (جو ایک خاص فرقہ ہوتا ہے اور زیادہ محنت کا عادی ہے) کاماٹن کی حیثیت سے ملازم ہونے لگی ہیں۔

مالن باغوں میں جو عورتیں باغبانی کے لئے مامور ہوتی ہیں وہ مالن کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ بھی عموماً ہریجن ہوتی ہیں باغوں میں ان کی بڑی مانگ ہوتی ہے۔ مالی کے ساتھ مالن کا مامور ہونا لازمی ہے۔ یہ مالن مالی کی رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا بھی نہیں۔ باغوں کی صفائی اور درختوں کو پانی دینا اور دیگر چھوٹے چھوٹے کام ان سے متعلق ہوتے ہیں۔

تجارت کرنے والی عورتیں اب ہم ان عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو تجارت کرتی ہیں، مثلاً میوہ فروش، ترکاری فروش، گھاس فروش۔ سن پٹ والی کا ذکر یہاں کیا جا سکتا ہے۔

میوہ فروش یا پاروں آج سے تیس چالیس سال پہلے گھر گھر پھر کر میوہ فروخت کرنا خاص کر ہریجن طبقہ کا پیشہ تھا۔ اکثر "مرلیان" (جو شادی نہ کر کے دیو کے نام پر چھوڑ جاتی تھیں) اس کام کو کرتی تھیں، اب بھی کچھ ہریجنین میوہ فروخت کرتی ہیں لیکن میوہ فروشی پر اب ایک خاص لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ 'پاردی' ہیں، اس لئے ان کا کسی قدر تفصیلی تعارف ضروری ہے۔

"پاردی" دکن کا ایک وحشی یا جنگلی طبقہ ہے، زمانہ سابق میں صرف جنگلی پرند وغیرہ فروخت کرنا ان کا کام ہوتا تھا ہرن طوطے، بٹیر، تیتر وغیرہ فروخت کرتے تھے۔ جرائم پیشہ اقوام میں ان کا شمار تھا۔

حیدرآباد میں جانب جنوب ایک گاؤں میں ان کی آبادی ہے۔ جو "جل پلی" سے موسوم ہے۔ یہ شراب پینے کے عادی ہیں۔ رات کو مست رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی آواز بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے۔ آواز گلے سے باریک نکلتی ہے اور فوراً گفتگو سے پتہ چل جاتا تھا کہ وہ پاردی ہے۔

اس فرقے نے گذشتہ پچیس تیس سال سے گھر گھر گھوم کر میوہ فروخت کرنے کے پیشے پر قبضہ کر لیا ہے اور اب ہر طرف

یہی اس کام کو کرتے نظر آتے ہیں، پہلے ان کی قوم غیر مخلوط مگر شہری زندگی اور گھر گھر گھومنے سے ان کی نسل مخلوط ہو گئی ہے۔ مخلوط ہو جانے کے باعث انکی سابقہ آبادی بھی باقی نہیں رہی اور چہرہ مہرہ ناک نقشہ میں فرق ہوتا جا رہا ہے۔

یہ میوہ کے تھوک فروش دوکان داروں سے روزانہ میوہ خریدتے ہیں اور گھر گھر گھوم کر ان کو فروخت کرتی ہیں۔ اس تجارت سے ان کو کم و بیش ایک روپیہ روزانہ مل جاتا ہے۔

ان کا لباس بھی وہی عام ساڑھی اور چولی ہے، جو مالدار ہو جاتی ہیں وہ چاندی کے زیور بھی استعمال کرتی ہیں، یاد رہی اکثر باغوں کا ثمرہ، میوہ اور دیگر پھل وغیرہ فروخت کرتے ہیں۔

رات کو شراب میں مست ہو کر آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا ان کا ایک معمول ہے۔

ترکاری فروش سبزی یا ترکاری فروخت کرنا بھی عورتوں کا ایک پیشہ ہے عموماً ہرجن عورتیں اس کو کرتی ہیں ترکاری کی نہ صرف دوکانیں ہوتی ہیں بلکہ گھر گھر گھوم کر بھی فروخت کی جاتی ہے۔ سبزی منڈیوں سے یہ روز ترکاری خرید کرتیں اور گھوم کر ان کو فروخت کرتی ہیں، مقررہ گھروں پر روزانہ جاتی ہیں۔ اسی طرح کی فروخت میں ان کو روزانہ چھ آنے آٹھ آنے مل جاتے ہیں۔

گھاس فروش گھوڑوں کو روزانہ بلکہ ہر موسم میں سبز گھاس دی جاتی ہے اس لئے گھاس فروش بھی ایک ذریعہ معاش ہے۔ اور اس کام کو عورتیں کرتی ہیں۔

گھاس فروش عورتیں بھی ہرجن ہوتی ہیں، تمام دن وہ جنگلوں، تالابوں، کنوئں وغیرہ میں جاکر گھاس کاٹتی ہیں اور شام کو ان کو فروخت کرتی ہیں۔ ان کے فروخت کا وقت رات کے نو دس بجے تک ہوتا ہے۔ کیونکہ جھٹکے اور تانگہ والے اپنے مکان جاتے ہوئے گھاس خرید کرتے ہیں۔

سوئی پوت والیاں انگلستان میں جپسی ایک قوم ہے جو خانہ بدوش ہوتی ہے ہر ایک شہر میں چند روز قیام کرتے اور تجارت وغیرہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کی سوئی پوت والیاں بھی قدیم زمانہ میں اسی قوم کی ایک شاخ ہے۔

ان کے مرد گھر پر رہتے ہیں اور صرف عورتیں سوئی پوت، کانچ کے برتن دیگر ولایتی سامان فروخت کرتی ہیں، ایک بڑے تھیلے میں یہ تمام اشیاء کو رکھتی ہیں اور ان کو اپنی پیٹھ پر لاد کر گھر گھر گھوم کر ان کو فروخت کرتی ہیں، اب چند سال سے ولایتی پارچے بھی فروخت کرنے لگی ہیں۔ عموماً یہ قیمت بہت زیادہ مانگتی ہیں اور پھر کم کرتے کرتے نصف بلکہ اس سے بھی کم قیمت پر مال فروخت کرتی ہیں۔

یہ بھی ایک خاص مقام پر جو حیدرآباد کے جانب مشرق سید آباد سے موسوم ہے رہتی ہیں، تمام دن شہر میں آکر گھوم کر مال فروخت کرتی اور سہ پہر یا مغرب کے قریب اپنے مکان کو واپس ہوتی ہیں، چند سال پہلے تک ان کی تجارت خوب ہوتی تھی، اب وہ گرم بازاری نہیں رہی۔

ان سے مال خریدنے کا طریقہ صرف نقد رقم دینا نہیں ہے پرانے زریں مصالحہ کے معاوضہ میں بھی اپنا مال فروخت کرتی ہیں۔

گوالن گوالوں کی ایک خاص ذات یا فرقہ ہے۔ جسا نے کو ہندو کہتا ہے، ان کی عورتیں گوالن کہلاتی ہیں، گائے بھینس پالنا اور دودھ، مکھن، دہی فروخت کرنا ان کا کام ہے۔ گوالن اپنے شوہروں کو کام میں مدد دیتی ہیں، اپنے جانوروں کے

چراگاہ لے جانا۔ ان کا گوبر وغیرہ صاف کرنا، گوبر سے اُپلے بنانا، مسکہ بالائی بنانا، دودھ دھونا، ان کو فروخت کرنا وغیرہ سب کام انجام دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ خانہ داری کے کام کرنا بھی ان کا فریضہ ہے۔

بعض مسلمان گوالن بھی پائے جاتے ہیں ان کی عورتیں بھی اسی طرح کام کرتی ہیں، یہ صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں، کوئی بات یا کوئی فرق دوسری گوالن سے میز نہیں ہوتا۔

چوڑی والیاں حیدرآباد میں ولایتی کانچ کی چوڑیوں کے علاوہ خود یہاں خاص قسم کی چوڑیاں بنائی جاتی ہیں اور سوائے بیواؤں کے سب ان کو استعمال کرتی ہیں عموماً شادی اور تقاریب میں اب تک ان کا رواج ہے ان چوڑیوں کو "جوڑے" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کو بناکر فروخت کرنے والے چوڑی فروش کہلاتے ہیں، یہ بھی ہندو ہوتے ہیں یہ عورتیں چوڑی والی کہلاتی ہیں، یہ نہ صرف دیسی جوڑے فروخت کرتی ہیں بلکہ ولایتی چوڑیاں بھی رکھتی ہیں۔ مکانوں میں جاکر فروخت کرتی اور اپنی دوکان پر بھی بیچا کرتی ہیں۔

تیلن تیل نکالنے والے تیلی کہلاتے ہیں۔ ان کی عورتیں تیلن سے موسوم ہیں، یہ بھی ہندو قوم سے ہوتی ہیں۔ تیل فروخت کرنا ان کا کام ہوتا ہے۔

کسب یا پیشہ کرنے والی عورتیں

اب ہم ان عورتوں کا تعارف کراتے ہیں جو ذاتی پیشہ یا کسب کرتی ہیں۔ دھوبن، درزن، دائی، جولاہن، لداف، چکمی، شکارن، بٹنے سننے والیاں رنگریزن سنارن، کمہار کو شامل کرنا چاہیے۔

دھوبن کپڑے دھونے والیاں، دھوبن اکثر و بیشتر غیر مسلم ہوتی ہیں، بعض مسلم دھوبنیں بھی ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے دھوبن اپنے مردوں کے ساتھ کپڑے دھونے کا کسب کرتی ہیں اور اپنے کام میں اچھی مہارت رکھتی ہیں مرہٹہ عورتوں کی طرح یہ ہمیشہ ساڑی کا کسوٹا لگاتی ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوتیں ہندو کہلاتی ہیں۔

درزن درزیوں کی بڑی تعداد ہندو ہے۔ اب بعض مسلمان درزی بھی ہیں، درزن اکثر اپنے خانہ داری کے کام انجام دیتی ہے اس کے ساتھ موٹا اور معمولی کپڑا بھی سیتی ہیں۔ ان کو اعلیٰ یا اوسط درجہ کے کپڑوں کا سینا یا ان کو تراشنا نہیں آتا۔ دھوبنوں کو جس طرح مردوں کے ساتھ ساتھ اپنے کام میں مہارت رکھتی ہیں اس طرح درزن نہیں ان کو اعلیٰ درجہ کا سینا نہیں آتا۔

سنارن زرگر یا چاندی سونے کے زیور بنانے والے سنار کہلاتے ہیں، عموماً یہ ہندو ہوتے ہیں، ان کی عورتیں سنارن کہلاتی ہیں، ان کو سناری کا کام نہیں آتا وہ صرف خانہ داری کے کام کرتی ہیں۔

رنگریزن حیدرآباد میں ہندو اور مسلمان دونوں رنگریزی کا پیشہ کرتے ہیں، لیکن مسلمان رنگریز سب کے سب مارواڑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی رنگریزی کا کام کرتی ہیں، ہندو رنگ ریزن دوسری ہندو پیشہ ور عورتوں کی طرح ہوتی ہیں لباس وغیرہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوسکتا۔ البتہ مسلمان رنگریزن یہاں کی دوسری مسلمان عورتوں سے لباس، چال ڈھال، ناک نقشہ کے لحاظ سے جداگانہ ہوتی ہیں، اور فوراً معلوم ہو جاتی ہیں کہ وہ یہاں کی اصلی باشندہ نہیں ہیں۔ سالہا سال گذر جانے کے بعد ان کی تمیز آسان ہے۔

جولاہن کپڑے بننے والیاں جولاہن کہلاتی ہیں۔ زیادہ تر سوتی اور یا دیسی ریشمی وزنی ساڑھیاں بناتی ہیں یہ بھی

ہندو ہوتی ہیں۔ ان کی عورتیں بھی اس کام کو انجام دیتی ہیں۔ عام ہندو عورتوں کی طرح ان کی حالت ہے۔

لدافن روئی کا کام کرنے والے لداف کہلاتے ہیں، روئی صاف کرنا اور توشک تکیوں میں روئی بھرنا ان کا کام ہے۔ یہ کام تمام تر مسلمان کرتے ہیں۔ ان کی عورتوں کو بھی اس کام کی پوری مہارت ہوتی ہے۔ ادنیٰ طبقہ کی مسلمان عورتوں کی طرح ان کی حالت ہے کوئی امر لباس وغیرہ میں قابلِ تمیز نہیں ہوتا۔

حجامنی یا دائی زمانۂ قدیم میں دائی یا قابلہ کا کام تمام تر حجاموں کی عورتوں سے مخصوص تھا اور ان کی خاص ایک علیحدہ ذات یا فرقہ ہوتا تھا۔ عورتوں کے علاج اور زچگی وغیرہ تمام کام دائی سے متعلق ہوتے تھے۔ اور وہ پُرانے طریقے سے اس کو انجام دیا کرتیں، مگر اب ڈاکٹری اور یونانی اطباء نے دائی کی تعلیم اور عملی تجربہ بھی شامل کر دیا ہے۔ جس کے باعث دوسری عورتیں بھی اس کام کو کرنے لگی ہیں۔ اس میں ہندو، مسلمان، ہریجن سب ہی حصہ لیتی ہیں۔ اس پیشہ میں وسعت کی ضرورت ہے۔ عام طور سے قابل اور تجربہ کار دائیوں کا کال ہے۔

قصابن قصائی کی عورتیں قصابن کہلاتی ہیں، ہندو اور مسلمان دونوں قصائی ہیں۔ لیکن ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ قصابنیں بکرے کو چھیلنے کا کام تو انجام نہیں دیتیں لیکن سر اور پائے کو چھیلنا اور دھگری وغیرہ صاف کرنا اور ان کو فروخت کرنا ان سے متعلق ہوتا ہے، یہ گوشت فروخت نہیں کرتیں یہ کام ان کے مرد انجام دیتے ہیں۔

نقاشن حیدرآباد میں صندوقوں، چوکیوں، تپائی اور خوان، چھیبوں کو رنگنے اور ان پر نقش کرنے کا کام قدیم زمانہ سے ہوتا ہے۔ مکان کی دیواروں وغیرہ پر بھی رنگ اور نقش کرنے کا دستور تھا۔

نقاشوں کی عورتیں نقاشن کہلاتی ہیں۔ یہ بھی نقش کا کام کرتی ہیں۔ اگرچہ اب مکانوں وغیرہ کی نقاشی یورپ کے طرز پر ہونے لگی ہے اور اس کے باعث ان لوگوں کی آمدنی کم ہو گئی ہے۔ لیکن اب بھی شادیوں وغیرہ میں صندوق چوکیوں، خوان کشتیوں وغیرہ پر نقش کیا جاتا ہے اور یہ کام عورتیں بھی کرتی ہیں۔

کمہارنی مٹی کے برتن بنانے والے کمہار کہلاتے ہیں۔ ان کی عورتیں کمہارنی کہلاتی ہیں۔ یہ بھی تمام تر ہندو ہیں۔ عام ہندو عورتوں کے مماثل ہوتی ہیں، زیادہ تر یہ فروخت کا کام کرتی ہیں۔ برتن بنانے میں زیادہ مہارت نہیں رکھتیں۔

چکی ٹکارن پتھر کا کام کرنے والیاں، چکی ٹکارن کہلاتی ہیں۔ ان کی خاص ذات ہوتی ہے۔ وحشی قوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ صرف ایک کپڑا ساڑھی پہنتی ہیں چولی نہیں ہوتی۔ ساڑھی کے پلو کو سینے پر بھی ڈالتی ہیں۔ پتھر توڑنا اور ہنڈی چلانا وغیرہ جو کام ان کے مرد کرتے ہیں یہ بھی وہی کام انجام دیتی ہیں۔

بنتے سینے والیاں تیلی برہمن جو فال اور نجوم کا پیشہ کرتے ہیں، ان کی عورتیں بنتے سیتی ہیں۔ غریب طبقہ موسمِ سرما میں اوڑھنے کے لئے اپنی پھٹی ہوئی ساڑیوں وغیرہ کو تہہ پر تہہ سی کر موٹا کمبل بناتی ہیں ان کو "بنتے" کہتے ہیں۔ یہ کام جو عورتیں کرتی ہیں ان کو بنتے سینے والیاں کہتے ہیں۔

یہ عموماً دو دو عورتیں مل کر ایک خاص آواز سے "بتے سیتے" "بنتے سیتے" کا نعرہ لگاتی ہوئی گذرتی ہیں۔ جن کو اس کام کی ضرورت ہے وہ ان کو طلب کر کے اجرت طے کر کے ان سے یہ کام لیتے ہیں اس کام سے ان کی زندگی بسر ہوتی ہے۔

یہ بھی دیگر ہندو عورتوں کی طرح ہوتی ہیں مگر یہ عموماً بالوں کی چوٹیاں مسلمانوں کی طرح بناتی ہیں۔ ادنیٰ طبقہ میں بالوں کو اس طرح بنانے کا رواج بالکل نہیں ہے۔ صرف یہ عورتیں ہی بالوں کی چوٹیاں بناتی ہیں۔

محنت کرنے والیاں یا مزدورنیاں

ادنیٰ طبقہ سے اولاً مزدوروں کا بیان ضروری ہے، ان کو بھی کئی اقسام میں بیان کرسکتے ہیں، مثلاً ہریجن مزدورنی، وڈرنی، پلے والی، بنجارن۔

ہریجن مزدورنی

ادنیٰ طبقہ یا "دہیر" جو مختلف قسم کی محنت کرکے روزی پیدا کرتے ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو "بلدیہ" میں ملازم ہیں دوسری وہ جو سگریٹ کے کارخانوں اور کپڑے کی مل میں ملازم ہیں، اور تیسری وہ جو مکانوں وغیرہ کی تعمیر میں کام کرتی ہیں۔

"بلدیہ" میں جو کام کرتی ہیں وہ "بلدیہ" میں ملازم ہوتی ہیں۔ پہلے ان کی ماہوار تنخواہ صرف چار روپیہ ہوتی تھی۔ مگر اب آٹھ روپیہ ماہوار ملتی ہے۔ راستوں کی صفائی کرنا، راستے درست کرنا وغیرہ ان سے متعلق ہوتا ہے۔ صبح سے آٹھ نو گھنٹے ان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ بڑی کام چور ہوتی ہیں۔ زیادہ وقت آرام میں گذار دیتی ہیں۔

سگریٹ کے کارخانوں اور مل میں کام کرنے والیاں بھی صبح کے سات آٹھ گھنٹے کام کرتی ہیں۔ ان کو ماہوار تنخواہ نہیں بلکہ روزانہ اُجرت ملتی ہے۔ اُجرت کی مقدار غالباً چار آنہ سے زیادہ اور آٹھ آنہ سے کم ہوتی ہو۔ یہ عورتیں اول الذکر سے کسی قدر شائستہ بلکہ فیشنبل ہوتی ہیں۔

مکانوں وغیرہ کی تعمیر کرنے والیاں بھی سات گھنٹے محنت کرتی ہیں۔ ان کو بھی اُجرت ملتی ہے۔ عموماً چار آنے ان کی اُجرت ہوتی ہے۔

وڈرنی

حیدرآباد میں آج سے تیس سال پہلے وڈر "قوم نظر نہیں آتی تھی ممکن ہے اضلاع وغیرہ میں ہو لیکن شہر حیدرآباد میں ان کا وجود نہیں تھا۔ طغیانی رود موسیٰ کے بعد جب حیدرآباد میں پُلوں کی تعمیر ہونے لگی تو گتہ داروں نے مدراس کے علاقوں سے اس قوم کو کام کرنے کے لئے بلایا تھا۔ اس کے بعد یہ یہاں بس گئے اور ان کی تعداد تعمیراتی کاموں کی کثرت سے روز بروز زیادہ ہونے لگی۔ اور آج اچھی خاصی تعداد یہاں آباد ہے۔

وڈر بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے پتھر اُٹھانا، بنیادیں کھودنا وہ آسانی سے اور جلد کر دیتے ہیں۔ پہاڑوں کو توڑنا ان کے لئے معمولی کام ہے۔ یہ صبح سے صرف تین چار بجے تک کام کرتے ہیں۔ چار بجے کے بعد کبھی کام پر نہیں رہتے۔ ان کے رہنے کی جگہ جو عموماً گھاس پھوس کی جھونپڑی ہوتی ہے چلی جاتی ہیں۔ ان کے مرد، عورت بچے سب ہی مل کر کام کرتے ہیں۔ وڈرنی صرف ایک ساڑھی کا استعمال کرتی ہیں۔ چولی نہیں ہوتی۔ اپنے سینے کو ساڑھی کے پلو سے ہی پوشیدہ رکھتی ہیں۔

بعض وڈر کسی قدر مہذب بھی ہوگئے ہیں۔ وہ قمیص اور کوٹ کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ مگر ان کی عورتیں ہنوز ابتدائی حالت میں ہیں۔

پلے والیاں

یہ قوم یا فرقہ غالباً صرف حیدرآباد میں ہے کسی اور شہر میں ان کا وجود نہیں پایا جاتا۔ یہ عورتیں عام دوسری ہریجنوں کی طرح ہوتی ہیں ان کا کام یہ ہے کہ غلہ کی گنج سے غلہ کے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر لوگوں کے مکانوں تک پہونچاتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے تھیلے اپنے پاس رکھتی ہیں جس میں ایک "پلہ" (۱۲۰) سیر چاول اور جواری گیہو وغیرہ آتی ہے۔ اس کو ایک تنہا عورت میلوں لے جاتی ہے۔ یہ بہت مضبوط ہوتی ہیں روزانہ آٹھ دس آنے کماتی ہیں۔

بنجارن

بنجارہ قوم بھی وحشی ہے۔ آج سے تیس چالیس سال قبل ان کا کام یہ تھا کہ بیلوں پر غلہ، اجناس لاد کر باہر سے شہر کو لایا کرتے، اور یہی ان کا روزگار تھا ایک ایک "تانڈہ" (قافلہ) میں پانچ سو ہزار بیل ہوتے تھے

اور بیلوں اجناس روزانہ حیدرآباد کو لایا کرتے۔ ریل اور پھر موٹر لاریوں کے باعث ان کا یہ ذریعہ بند ہو گیا۔ اور وہ دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

حیدرآباد میں بنجارہ ہل جس کو اب جوبلی ہل کہا جاتا ہے ان کا مسکن تھا۔ اب بھی کچھ بنجارہ قوم وہاں بودوباش کرتی ہے۔ حیدرآباد میں ان کا ذریعہ محنت مزدوری ہے۔ تعمیری کاموں میں ان کی عورتیں (بنجارن) کا کام کرتی ہیں۔ بنجارن کا لباس خاص قسم کا ہوتا ہے دوسرے ادنیٰ طبقہ اور وحشی اقوام کی طرح ساڑھی کا استعمال یہ نہیں کرتیں بلکہ ایک خاص لباس جس میں لہنگا اور اوڑھنی ہوتی ہے پہنا کرتی ہیں۔ جو سرخ زرد نیلے اور سبز رنگ کے کپڑوں کو جوڑ کر بنایا جاتا ہے۔ بعض اس پر نقش و نگار بھی کرتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے آئینہ کے ٹکڑے بھی اس پر لگاتے جاتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی چوڑیاں اور اس کا زیور بھی استعمال کرتی ہیں۔ بہرحال قدیم باتیں ان میں بہت کچھ باقی ہیں۔

بنجارہ ہل (جوبلی ہل) پر بیگم امیر حسن نے ان کی تعلیم کے لئے اپنے مکان میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہے جس میں انکے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتے اور دستکاری سیکھتے ہیں۔

اس مضمون میں ہم نے ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کا تعارف کرایا ہے۔ آئندہ چند اور طبقہ کی عورتوں کا تذکرہ کیا جائیگا اس کے بعد عورتوں کے متعلق چند اور باتیں بیان کی جائیں گی۔

نصیرالدین ہاشمی

فاقہ سے علاج

عنوان مندرجہ سے ایک مضمون میری طرف سے عصمت میں کچھ عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے ممکن ہے بعض خوش فہم ناظرین محض فاقہ کے بیش بہا فوائد کے لالچ میں فاقہ کے صحیح موانع سے ناواقفیت کے باعث نقصان اٹھائیں اس لئے میں مناسب خیال کرتی ہوں کہ اس کے صحیح اوقات نیز غلط عمل کے بعض اہم نقصانات پر کچھ روشنی ڈالوں۔

معمولی فاقہ یعنی ایک آدھ روز غذا سے مطلق پرہیز کرنا تو تقریباً ہر حالت میں اچھا ہے لیکن طویل فاقے یا متواتر فاقے صرف ان لوگوں کو جائز ہیں جن کے جسم میں چربی کی کافی مقدار ہو یا لحیم شحیم ہوں یا غیر ضروری اخلاط سے اُن کے جسم بھرے ہوئے ہوں بجائے کچھ جذب کرنے کے انکو فاسد مواد کے استفراغ کی ضرورت ہو جن کی رگیں اور پٹھے غلیظ خون سے پُر ہوں اور ان میں سدے پڑ گئے ہوں جس کے باعث اختلال حواس واقع ہو دماغی و جسمانی افعال میں فرق آئے حس و حرکت میں فرق پیدا ہو۔ اس کے برخلاف جن کے بدن چھریرے ہیں یا جنکو نشو و نما کی ضرورت ہو جیسے بچے یا نوجوان یا جن کے جسم غیر طبعی مواد سے پاک ہیں اور تغذیہ کی حاجت رکھتے ہیں نیز ضعیف ناتواں لوگ یا ہزال و ذبول پیدا کرنیوالے امراض یعنی جسم کو آہستہ آہستہ گھلا دینے والے امراض کے مریض مثلاً دق و سل کے مریض یا ذیابیطس کے مریض یعنی وہ لوگ جن کے پیشاب میں شکر خارج ہوتی ہو اگر ایسے لوگ مسلسل یا متواتر فاقہ کشی کریں تو انکا یہ فعل ایک ایسا گناہ ہوگا جس کا کفارہ ناممکن ہے کیونکہ ایسی حالت میں فاقہ کرنا یقیناً موت کو دعوت دینا ہے۔ کئی بار سُننے میں آیا کہ خود مریضوں نے اپنے غلط اور خود ساختہ تجربے کی بنا پر فاقے کئے یا بعض ناتجربہ کار معالجوں نے تشخیص کی غلطی سے مریضوں کو فاقے کرائے اور پھر مرض رہا نہ مریض۔ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ذیابیطس کا ایک مریض کو ابتدائی تپ دق بھی لاحق ہو گیا ایک ڈاکٹر نے غلطی سے بجائے فرار دیکر فاقے شروع کرا دئے آخر مریض جانبر نہ ہو سکا۔ سخت مشقت کا پیشہ کرنیوالے اور وہ جو بھوک کی برداشت نہیں کر سکتے فاقہ کرنے میں کافی احتیاط کریں نیز وہ جن کے جسم میں سخت خشکی ہو۔ نحیف و نزار لوگ مرض سے اُٹھے ہوئے لوگ جنکی نکسیر زیادہ پھوٹتی ہو۔

بیگم حکیم محمد عزیز خاں ۔ جاورہ

شانِ اسلام

از حضرت دُعاؔ ڈبائوی

واہ وا اے مذہبِ اسلام کیا کہنا ترا — ساری دُنیا میں ہے تیرا نام کیا کہنا ترا
کردیا ناپید تو نے امتیازِ نسل و قوم — ہو گیا سارا زمانہ بے نیازِ نسل و قوم
ایک مرکز پر جہاں کو تو نے آکر کر دیا — رُتبہ شاہ و گدا بالکل برابر کر دیا
غور سے دیکھے کوئی اسلام کا رنگِ نماز — ایک ہی صف میں کھڑے ملتے ہیں محمود و ایاز
وہ بلالؓ خوش سیر وہ عاشقِ نخلِ رسولؐ — ہو گئی دُنیا میں جس کو دین کی دولت حصول
زرخریدہ حضرتِ صدیق اکبرؓ کا غلام — داخلِ اسلام ہو کر بن گیا عالی مقام
منزلت پائی وہ دربارِ رسولؐ اللہ میں — ہو گیا اُس کا شمار اصحابِ عالی جاہ میں
مذہبِ اسلام میں فرقِ مراتب ہے حرام — ایک آئینہ میں جلوہ گر ہیں آقا و غلام
یہ رواداری زمانے میں دکھا سکتا ہے کون — مذہبِ اسلام کی خوبی مٹا سکتا ہے کون
دورِ تنہائی سے جب دل بیقرار آیا نظر — مضمحل رہنے لگے دل میں بلالؓ خوش سیر
راز دل کا وہ زباں پر اپنی لا سکتے نہ تھے — جاننے والوں سے نسل اپنی چھپا سکتے نہ تھے
سوچتے تھے اپنی بیٹی مجھ کو دے سکتا ہے کون — ایک کم رُتبے کو دامادی میں لے سکتا ہے کون
اس ارادے سے ہوئے جب باخبر اہلِ عرب — کی بلالؓ پاک سے یہ عرض سب نے باادب
پیرو اسلام ہو کر مُنہ چھپا سکتے نہیں — آپ کی خدمات ہم دل سے بھلا سکتے نہیں
ہم کو دُنیا چاہِ ذلت میں ڈبو سکتی نہیں — خام تعلیمِ رسولؐ پاک ہو سکتی نہیں
بیٹیاں حاضر ہیں سب کی دیر کیا اس کام میں — امتیازِ نسل کا کیا کام ہے اسلام میں
آرزو ہم سب کی ہے گھر آپ کا آباد ہو — کس کی جانب ہے نظر منہ سے فقط ارشاد ہو
کیوں نہ ہو سارے جہاں میں دھوم اسکے نام کی — اہلِ دنیا دیکھو یہ تعلیم ہے اسلام کی

یہ مساوات اور دنیا میں کہیں ملتی ہے کیا
سچ اگر پوچھو تو یہ اعجاز ہے اسلام کا

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے

شادی کی کامیابی

کوئی مرد فرشتہ نہیں ہوتا۔ عورت میں لیاقت ہو تو مرد کی بہت کچھ اصلاح کر سکتی ہے گو کامل اصلاح ناممکن ہے مگر اعتراض اور نکتہ چینی بری چیز ہے۔ زہر ہلاہل ہے۔ ابراہیم لنکن امریکہ کا سب سے بڑا نامور صدر گذرا ہے۔ اُس کی زندگی کا شدید ترین عذاب اُس کی بیوی تھی جس کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی۔ آواز دماغ سے پار ہو جاتی تھی اور گھر سے باہر سڑک پر بخوبی سنی جا سکتی تھی۔ ۲۵ برس تک وہ اس کی نکتہ چینی کا شکار رہا۔ ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ اس عورت نے اس کے منہ پر گرم گرم قہوہ کی پیالی پھینک ماری۔ وہ کہا کرتی کہ اس کے کندھے جھکے ہوئے ہیں۔ کان بڑے بڑے ہیں ناک مُڑی ہوئی ہے۔ نیچے کا ہونٹ باہر کو نکلا رہتا ہے۔ شکل تپ دق والوں کی سی ہے۔ ہاتھ پاؤں ضرورت سے زیادہ بڑے ہیں اور سر بالکل چھوٹا ہے۔ وہ اس کی چال کی نقل کیا کرتی۔ اُس عورت کا آخری حصہ عمر پاگل خانہ میں گذرا۔ اس کی زندگی میں ہی لنکن کو ایک قاتل نے مار ڈالا تھا۔ اسی طرح نپولین سوم شاہ فرانس کی بیوی تھی جو اپنے زمانہ کی نہایت حسین عورت تھی مگر زبان میں زہر بھرا ہوا تھا۔ اس کی خفیہ سیاسی مجلسوں میں وہ اس خیال سے گھس آتی کہ غیر عورت تو نہیں بیٹھی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین چپکے سے محل کے ایک خفیہ دروازے سے رات کو نکل جاتا اور ڈھونڈھتا کہ دنیا میں کوئی خاموش عورت بھی ہے۔

شوہر کی خوبیوں کی قدر کرنی چاہئیے۔ خوشامد اور چیز ہے۔ اُس سے اُس کے نقائص بیان کر کے اُس سے کہدو کہ ان سے مجھے ذہنی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ تمہاری اذیت کو دُور کرنے کی کوشش کرے گا۔ اُس سے یہ بھی کہو کہ اُسے تم سے تمہارے نقائص بیان کر دینے چاہئیں جن سے اُسے تکلیف ہوتی ہو۔ تاکہ تم انہیں دُور کر دو۔ اس میں خود دو ستگر ہوا سے آہستہ آہستہ توڑ دو۔ یہ اصول یاد رکھو (۱) خوش دلی کی خوبی پیدا کرو (۲) اپنے شوہر کی دلچسپی قائم رکھو۔ بیوی ماں اور رفیقہ حیات وغیرہ کے فرائض اپنی اپنی جگہ کامیابی سے ادا کرو۔ (۳) مرد باہر سے آئے تو ہنسی خوشی اُس کا استقبال کرو۔ دن بھر کا رونا اُس کے سامنے مت روؤ۔ (۴) دوسری عورتوں کے تذکرے میں اُن کی خواہ مخواہ بڑائی نہ کرو کیونکہ اگر اُس نے کسی بات کی تعریف کی تو تمہیں شبہ ہوگا اور حسد کی آگ روشن ہو جائے گی۔ (۵) موٹاپا نہ آنے دو۔ (۶) شادی کے بعد یہ نہ سمجھو کہ تمہاری جد و جہد ختم ہو گئی۔ اُسے قابو میں رکھنے کی کوشش جاری رکھنی چاہئیے۔

خوش وضعی کی ہاں نا

ہر موسم کے شروع میں اپنے ملبوسات کا بجٹ احتیاط و غور سے بناؤ لیکن اس بجٹ کو اس قدر کم نہ کرو کہ خراب سودا کر بیٹھو گو ذرا زیادہ خرچ کر کے بہتر لباس حاصل ہو جاتا۔ اس مد کی زائد رقم کسی اور مد کی کمی سے پوری کی جا سکتی ہے۔

یاد رکھو اچھی وضع قطع کا لباس تمہارا سال بھر کا ساتھی ہے۔ دھوبی کی اُجرت سے نہ گھبراؤ۔ اچھے دُھلے ہوئے کپڑے پہن کے نہ صرف بھلی ہی معلوم ہوگی بلکہ کپڑوں کی عمر بھی بڑھ جائے گی۔

لباس کے ذخیرہ میں نیا اضافہ اچھا ہے مگر خواہ مخواہ ایسی چیز نہ خریدو جو موجودہ ذخیرہ کے لئے موزوں نہ ہو۔ فضول فیشن میں نہ پڑو خواہ [illegible] ہی پہنتا ہو۔ فضول فیشن جلد ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ قیمتی پوشاک بے جوڑ فضول اور بدنما نظر آئے گی۔

اپنے بالوں کے سنوارنے کا انداز بدلتی رہو ہر دفعہ نئی عورت بن جاؤگی اور کچھ خرچ بھی نہ ہوگا۔ مشاطہ کی اس رائے کا خیال رکھو کہ موجودہ طرز بے مثل ہے اور اسے نہ بدلو۔ بے مثل ہوتے ہوئے بھی جدت کی ہمت کرتی۔ ہاں کروچھوٹی موٹی لباس کی متعلقہ نئی چیزوں پر نظر رکھا کرو۔ قمیص نئی قسم کے بٹنوں سے کچھ کا کچھ ہوجاتی ہے بالوں میں نئی قسم کا مصنوعی پھول نظروں میں زیادہ کھپ سکیگا۔ نئی چوڑی گوٹ کی کلائی کی کھا جائیگی۔ یاد رکھو جو لباس تم خود بناتی ہو لاگت میں بنے بنائے لباس سے بہت کم بیٹھتا ہے۔ اگر تم خود نہیں سی سکتیں تو کسی اچھے درزی کی تلاش سے گریز نہ کرو۔ کپڑے کی قیمت اور سلائی ہر حال میں دکان کے بنے بنائے لباس کے مقابلہ میں کم ہی رہے گی۔ لباس میں جدت اختیار کرنے میں دقیانوسی نہ بنو۔ شلوار کبھی نہیں پہنی تو اب پہن کے دیکھو۔ چوڑی دار پائجامہ کبھی پسند نہیں آیا اب نہاد دیکھو۔ ایسی چیز نہ خریدو جو اب نہیں تمہارے خیال میں کچھ عرصہ بعد ضرور رائج ہوجائے گی۔ جب رائج ہوجائے اسوقت خریدی جاسکتی ہے۔ یاد رکھو اپنی چیز کو فروخت کرنا دکاندار کا فرض ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم بجائے خود پیکر عزم بنو۔ اسی قدر خریدو جتنی ضرورت ہے۔ اتنے ہی دام دو جو تمہیں زیادہ نہ معلوم ہوں کبھی نہ خیال کرو کہ رعایتی فروخت کے اعلانوں میں خریداروں پر دکاندار کی مہربانی ہے۔ وہاں کچھ نہ کچھ نقص ہوتا ہے۔ چیز وہی خریدو جس پر معتبر کارخانے کا نام ہو۔ گمنام اشیا خریدنے سے گھاٹے میں رہوگی خواہ بوقت خرید وہ چیز کتنی ہی سستی کیوں نہ مل رہی ہو۔

خریداری کے لئے باہر جانے سے پہلے آئینہ میں اپنا ذرا مطالعہ کرو۔ خرید میں جلدی نہ کرو۔ یہ امیرزادیوں کا وطیرہ ہے!

کپڑوں کا سکڑنا

اگر ضروری ہدایات پر عمل کیا جائے تو کپڑوں کے سکڑنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اونی کپڑے اس لحاظ سے بڑی تکلیف دیا کرتے ہیں بالعموم پہلی دھلائی میں ہر کپڑا ہی کچھ نہ کچھ سکڑ جایا کرتا ہے کیونکہ درزی عموماً کپڑا سینے سے پہلے بھگوتے نہیں یا کپڑوں کے کارخانہ میں انہیں کم کھینچا گیا ہوگا۔ موخرالذکر صورت میں پہلی دھلائی کے بعد پھر شکایت پیدا نہیں ہوتی بشرطیکہ استری ہوشیاری سے کی جائے اور کپڑا گیلی حالت میں کھینچ کے اس پر استری نہ کی جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہر دھلائی پر کپڑے کی لمبائی میں فرق آتا رہے گا تاوقتیکہ استری کے وقت اسی قدر اسے کھینچا جاتا رہے۔ مثلاً اگر کچھ گلا سکڑ جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اسے ہموار طور سے گیلا کیا جائے اور گلا سکڑن کی جانب کھینچتے ہوئے اس پر استری کردی جائے۔

بنے بنائے کپڑے خریدتے وقت اس بات کا لحاظ کرلیا جائے کہ وہ کچھ سکڑیں گے۔ قمیص خریدتے ہوئے اس کا خاص خیال کیا جائے۔ ورنہ بعد میں گلا سکڑنے سے قمیص پھٹنے وقت تک سخت تکلیف میں رہے گی۔ اون ہمیشہ عمدہ قسم کے صابن سے دھونی چاہیئے۔ اور بہت گرم پانی ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ نہ مختلف درجے کے گرم پانی استعمال کریں۔ دھلائی کے پانی سے کھنگالنے کا آخری پانی قدرے سرد ہونا چاہیئے۔ یعنی درجۂ حرارت میں بہت کم فرق ہونا چاہیئے۔ لٹکانے سے پہلے انہیں ٹھنڈا ہونے دیں۔ الگنی پر گرم گرم نہ پھیلائیں۔

استری کرتے وقت ہمیشہ یہ دیکھ لیں کہ میل سب جگہ یکساں ہے یا کپڑا بالکل خشک ہونا چاہیئے۔ ورنہ کپڑے کے بعض حصے دوسرے حصوں سے زیادہ کھنچ جائیں گے۔ بُنے ہوئے کپڑے بعض وقت دھونے کے بعد سکڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کا باعث سکھانے کا غلط طریقہ ہے۔ یہ نظر آجائے کہ کپڑا دوسری سمت میں کھنچ گیا ہے۔ ایسی صورت میں کپڑا پھر بالکل گیلا کرلیں اور پھیلا کے سکھائیں۔ اس طریقہ سے کپڑا کسی ایک طرف کھنچنے نہ پائیگا۔ ایسے کپڑوں کے سکھانے کا یہی طریقہ بہتر ہے۔

اونی کپڑے گھروں پر تیار کرتے وقت پہلے دھولیں اور احتیاط سے استری کرلیں۔ اس طرح بعد میں دھونے سے وہ سکڑ

نہ سکیں گے۔ بعض کپڑے اور پردوں کے حاشیے زیادہ موڑلیں۔ سکڑ جاتے پر انہیں کھولا جاسکتا ہے۔

صابن پانی سے نکھار

سرسوں کی کھلی اور اُبٹنے سے بہتر یورپ جلد صاف اور ملائم کرنے والا کوئی مصالحہ ایجاد نہیں کرسکا مگر آجکل یہ چیزیں لوگ استعمال کرنے سے عار کرتے ہیں۔ اس لئے صابن ٹھیک استعمال کرنے کا طریقہ لوگوں کو بخوبی معلوم ہونا چاہیئے۔ صابن جلد کی پرانی میل کچیل کو دور کرتا ہے۔ صاف کرنے والی کریم cleansing cream لگانے سے مساموں کے اندر بیٹھی ہوئی میل اُبھر آتی ہے۔ کریم لگانے کے بعد صابن اور پانی سے چہرہ صاف کرلینا چاہیئے۔ صابن جھاگوں کی مقدار سے پہچانا چاہیئے۔ جس قدر زیادہ جھاگ اُٹھیں اتنا ہی اچھا ہوگا اور میل دور کرے گا مگر بعض اوقات یہ پہچان بھی درست نہیں بیٹھتی۔ جس پانی میں معدنیات کا اثر زیادہ ہو اس کے ساتھ کیسا ہی عمدہ صابن لگایا جائے جھاگ بہت کم اُٹھیں گے اور اُٹھتے ہی خشک ہوجائیں گے۔ ایسی حالت میں الکلی alkaline کا کیسٹائل صابن castile soap نہایت موزوں ہے۔

صابن کبھی جلد یا بال پر براہ راست نہ لگائیں اس سے دھونے کے بعد نہایت باریک جھلی رہ جاتی ہے جس سے چمک ماند پڑجاتی ہے۔ صابن پہلے ہاتھوں پر ملیں اور خوب جھاگ اُٹھا کے چہرہ یا بدن پر ملیں۔ صابن کا انتخاب نہایت اہم مسئلہ ہے۔ غور و احتیاط سے کام لیں جلد پر زیادہ گرم پانی بھی استعمال نہ کریں۔ فارن ہائیٹ کا درجہ حرارت بقدر سو اور ۱۱۰ رہنا چاہیئے۔

خانگی ٹوٹکے

دھبے دور کرنے کے لئے گلیسرین عجیب چیز ہے۔ چاکے دھبے کیسے ہی گہرے ہوں انہیں گلیسرین سے گھنٹہ بھر بھگوئے رکھیں۔ دھونے کے بعد دفعتاً بالکل جاتے رہیں گے۔ اون کے چھلیے ہوئے دھبے بھی اسی طرح دور ہوجاتے ہیں۔ ان دھبوں پر گلیسرین لگاکے سوکھ جانے دیں۔ پھر دھوئیں۔

بہتر کولڈ کریم خود بنالیجئے۔ چار اونس روغن بادام۔ ایک اونس سفید موم ایک برتن میں ڈال کے اسے کھولتے پانی میں رکھ دیں دونوں پگھل جائیں گے۔ جب مرکب گاڑھا ہونے لگے اس میں تین اونس روز واٹر (گلاب کا پانی) ملا ملا کے ملادیں۔ اس کے بعد اپنی دل پسند خوشبو ملادیں۔

چمڑا منڈھے ہوئے بکسوں کو زین کے صابن سے صاف کیا جاسکتا ہے جو عطر بیچنے والوں سے مل سکتا ہے یا گرم دودھ میں پانی ملاکے ذرا سا ہلکا خوب چربی والا صابن ملادیں اور اس میں کپڑا بھگو کے نچوڑیں اور چمڑہ پر ملیں۔ اگر چمڑہ کا رنگ اُڑ گیا ہو تو سپرٹ ڈائی spirit dye ذرا سی لگائیں۔ زین کے صابن سے کرکے خشک کرلینے کے بعد ڈائی یا پالش لگایا کریں۔

موم بتیوں کے گرد چپڑا لاکھ کی ایک پتلی تہ جمادیں اس سے وہ جلتے وقت مڑنے نہ پائے گی اور ہموار جلتی رہے گی۔

ریگ مال کاغذ باورچی خانہ میں رکھیں۔ جب کسی بوتل کی ڈاٹ نہ کھلے اسے پیٹ کے ڈاٹ پھیریں۔ اس سے گرفت اچھی حاصل ہوجاتی ہے۔ شاہ بلوط کا سامان گرم بیر Beer سے خوش رنگ ہوجاتا ہے۔ وال نٹ لکڑی کا سامان پیرافین Paraffin میں فلالین کا چیتھڑا ڈبو کے ملنے سے صاف ہوجاتا ہے۔ مہاگنی سرکہ اور پانی یا ٹھنڈی چاء سے دھوئی جاسکتی ہے۔ معمولی سادہ لکڑی کا سامان گرم صابن کے پانی میں کپڑا بھگو کے اور نچوڑ کے ملنے سے بخوبی صاف ہوجاتا ہے۔ اسے بخوبی سکھا کے سامان کی کریم لگائیں۔ میز پر سیاہی کے دھبے پڑجائیں تو ایک پر آکسالک ایسڈ oxalic acid میں ڈبو کے لگائیں۔ فوراً اس تیزاب کو دھوڈالیں اور میز پر پالش کردیں۔

محمد ظفر

سیر بین

زندہ لاشیں

جزائر غرب الہند میں ہیٹی جزیرہ ہے جہاں کے زومبی وہاں کے ہر کس و ناکس کے لئے خوف و گھبراہٹ کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں کہیں کسی کو بخزاری کو شکایت ہے کہ زومبی نے اپنے غیر مرئی ہاتھ سے اس کی سبزی توڑ مروڑ دی ہے کہیں کوئی زمیندار ہائے واویلا کر رہا ہے کہ کسی زومبی نے اس کے گھر میں طوفان مچا رکھا ہے۔ وہاں مشہور ہے کہ ایک بڑھی زومبی نے رات کو نکل کے شرارت پھیلادی۔ چھوٹی چھوٹی زومبی لڑکیاں مالک کے کہنے سے قہوہ کی پڑیاں اندھیرے میں آکے بیچ جاتی ہیں۔ آواز دیجئے ایک زندہ لاش سودے کا ٹوکرا لئے زینہ پر چڑھتی نظر آئے گی۔ اُس سے چیز خرید لیجئے۔ وہاں زندہ لاشیں کام کرتی ہیں۔ بدن ہوتے ہیں مگر رُوح نہیں ہوتی۔ ان ہی کو زومبی کہا جاتا ہے۔ یہ جادوگر کی خدمت کا معاوضہ ہے جو ایک شخص اپنے مرنے کے بعد اپنی لاش کی صورت میں اُن فوائد کے بدلہ میں جو اسے دورانِ زندگی میں اُس کی بدولت پہنچتے ہیں اُسے دیتا ہے۔ جو شخص زومبی حاصل کرنا چاہتا ہے ایک جادوگر کے پاس جاکے اس کام کے متعلق معاہدہ کرتا ہے۔ خفیہ رسوم کے بعد جادوگر رات کے وقت اپنا مُنہ دُم کی طرف کر کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور شخص مطلوب کے گھر جاتا ہے۔ وہاں وہ اُس کے دروازے کی درز میں اپنے ہونٹ لگا کے گھر والے کی رُوح چوس لیتا ہے اور بگ ٹٹ واپس آجاتا ہے۔ جلد ہی شخص مطلوب بیمار ہو جاتا ہے۔ عموماً درد سر شروع ہوتا ہے اور چند گھنٹے میں وہ مر جاتا ہے۔ تدفین کے وقت جادوگر اس پاس چھپا ہوا سب رسوم دیکھتا ہے۔ آدھی رات کو ایک شیشی میں مردے کی رُوح لئے آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رُوح اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اُس کے آدمی قبر کھود دیتے ہیں۔ جادوگر اُس کا نام پکارتا ہے۔ مردہ سر اُٹھاتا ہے۔ اُسی وقت جادوگر رُوح اس کی ناک کے راستہ اُس میں داخل کر دیتا ہے اور اُس کی مشکیں کس لیتا ہے۔ پھر وہ اس کے سر پر ضرب لگاتا ہے تاکہ وہ بخوبی بیدار ہو جائے اور اُسے قبر سے باہر نکال کے قبر بند کرا دیتا ہے گویا کسی نے کھولی ہی نہیں۔ جادوگر اور اس کے مددگار اپنے جھرمٹ میں اُسے لے کے مردہ کے اصلی گھر کے پاس سے لے جاتے ہیں۔ اپنے بیچ میں اُسے اس لئے رکھتے ہیں کہ راہگیر اُسے نہ دیکھ سکیں اور گھر کے پاس سے اس لئے لے جاتے ہیں تاکہ وہ پھر اپنے گھر کا رُخ نہ کرے۔ ورنہ بعد میں وہ اپنے اصلی گھر کو پہچان کے وہاں چلا جائے گا۔ اب نیم بیداری کی حالت میں وہاں سے گذرتے ہوئے اُس کے ذہن سے بالکل مٹ جاتا ہے۔ جادوگر اسے اپنے گھر لے جاکے ایک خفیہ عرق کا ایک قطرہ پلاتا ہے۔ اب وہ زومبی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے ماحول اور اپنی سابقہ ہستی سے غافل سخت سے سخت محنت کرنا شروع کر دیگا۔ وہ زبان نہیں کھول سکتا البتہ نمک دینے سے وہ بول اُٹھتے ہیں۔ بعضوں کو غلطی سے نمک دیا گیا تو اُنہیں اتنا ہوش آگیا کہ اُنہوں نے اس شخص کا نام لکھ دیا۔ جس نے اُنہیں جادوگر کے پھندے میں پھنسا دیا۔ رشتہ داروں کو پتہ چلا تو وہ دوسرے جادوگر کے پاس گئے اور اُس پھنسانے والے کو زومبی بنوادیا۔

یورپ میں بھی اس قسم کا رواج ہے البتہ فرق صرف یہ ہے کہ ایک خاص مدت کے بعد آدمی خود اپنے آپ کو حوالہ کر دیتا ہے۔ بمبئی میں دوسرا شخص حوالہ کیا جاتا ہے۔ جب کوئی موزوں شخص نہیں ملتا اُس وقت مجبوراً آدمی خود اپنے آپ کو حوالہ کرتا ہے۔ وہ نہیں کہ نہیں دے سکتا۔ اپنے پیاروں اور رشتہ داروں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ ہر سال یہ قربانی دی جاتی ہے۔ بعض آدمیوں نے سب عزیزوں کو سپنے کے بعد اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو دیا اور پھر آپ گئے۔ جن لوگوں نے زومبی کی رسم سے مال و دولت حاصل کی اُن کے

آخری ایام کی داستانیں بڑی دردانگیز ہیں۔

اس رسم کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی آرزوؤں کو کسی طرح پوری ہوتے نہیں دیکھتا۔ وہ جادوگر سے مدد لیتا ہے جو اُسے ایک چھوٹی سی قربان گاہ پر لے جاکے بارود اور راکھ سے اُس پر نشان بناتا ہے اور کچھ منتر پڑھ کے متعلقہ دیو کو بلاتا ہے۔ دیر تک وہ ناقابل فہم الفاظ بکتا رہتا ہے حتیٰ کہ میز کے نیچے رکھے ہوئے مرتبان میں سے غرّانے کی آواز آتی ہے۔ وہ منتر پڑھے جاتا ہے اور مرتبان کی آواز بھی تیز ہوتی جاتی ہے۔ آخر اُس میں سے آواز آتی ہے "تو مجھے کیوں تنگ کرتا ہے" جادوگر کا اشارہ پاتے ہی وہ شخص اپنا دلی مدعا بیان کرتا ہے۔ اگر دیوان جائے تو جادوگر اُس شخص کی انگلی میں سوئی چبھو کے خون نکالتا ہے اور سائل اس سے اپنا نام لکھ کر پُرزہ مرتبان میں ڈال دیتا ہے۔ جادوگر شراب کی بوتل کھول کے تھوڑی سی مرتبان میں ڈالتا ہے۔ پینے کی سی غرغراہٹ ہوتی ہے۔ پھر اس کی آواز ایسے شخص کی جس سے سائل محبت کرتا ہو قربانی اور تھوڑا سا سونا مانگتا ہے۔ بدلہ میں اس کی آرزو پوری کردینے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے دن جب سائل آتا ہے تو آواز کہتی ہے میز کے نیچے ایک ڈبہ میں چھوٹے چھوٹے حیوان ہیں۔ ڈبہ اپنی جیب میں رکھ لو۔ ہر آٹھویں دن پانچ چپاتیاں بلاناغہ ڈال دیا کرو۔ مگر گھر جاکے اسے صندوق میں رکھ دو اور اسے اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھو۔ ہر آدھی رات کو ڈبہ کھول دو اور حیوانوں کو جانے دو۔ صبح چار بجے وہ اندر آنے کے لئے چلائیں گے۔ ڈبہ کھول کے انہیں بند کردو۔ ہر سال اس تاریخ پر ایک اور آدمی لاکے بھینٹ دو اور یہ ڈبہ بھی ساتھ لاؤ۔ اگر تم نہ آئے تو تین رات بعد یہ حیوان بڑے بڑے جانور بن کے تمہیں میری حسب منشا وعدہ خلافی کی سزا دیں گے۔

زومبی انگریزوں نے دیکھے ہیں۔ ایک عورت ۲۹ سال پہلے مرگئی تھی کسی طرح ہوش میں آئی اور اپنے گھر کا دروازہ جا کھٹکھٹایا کہ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ یہاں میں رہا کرتی تھی۔ گھر والے نے اُسے پہچان لیا کہ وہ اس کی بہن ہے۔ شفاخانے میں اسے پہنچا دیا گیا۔ اس کے شوہر کو بڑی مشکل سے اس کے پاس لے گئے وہ نہیں جاتا تھا۔ اُس نے بھی اُسے پہچان لیا۔ اس عورت کا حلیہ یہ تھا کہ چہرہ کسی قسم کا بشرہ نہ پایا جاتا تھا۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ پپوٹے تمام سفید تھے۔ گویا تیزاب سے جلا دئے گئے ہیں۔

موجودہ سائنس یہ توجیہہ کرتی ہے کہ شخص مطلوب کو کسی بوٹی کے ذریعہ نیم مردہ بنا دیا جاتا ہے دوسری سے اسے زندہ کیا جاتا ہے۔ مگر وہ دماغ کے اُس حصہ کو مٹا دیتی ہے جس کا تعلق گفتگو اور ارادہ سے ہے۔ وہ شخص کام کرسکتا ہے اور حکم مان سکتا ہے مگر وہ خیال کو وجود میں نہیں لاسکتا۔ بوٹیوں کا نہ پتہ چلا ہے نہ چلتا نظر آتا ہے۔ جو ہیٹی کے خفیہ راز معلوم کرنا چاہتا ہے پچھتاتا ہے۔

اعضا کا قیافہ

آدمی کے جسم کے مختلف حصوں سے اس کی خصلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لمبے تنگ کان آرزو اور ولولہ کا اظہار ہیں۔ کیونکہ ایسے جذبات بالخصوص حسد ظاہر ہوتے ہیں۔ چوڑے کان جس میں گڈھے کا پھیلاؤ بنا ہوا اور لو درست بنی ہو ظاہر کرتے ہیں کہ ایسے کان والا سوچ بچار کا آدمی ہے چھوٹا کان ستھری اور نفیس طبیعت پر اور بڑا اچھا بنا ہوا کان سرداری پر دلالت کرتا ہے۔ جو کان سر میں ٹیڑھا لگا ہو اپنی طبیعت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں تعصب بہت ہوتا ہے۔ کان کا مقام وقوع کو بھی شخصیت میں دخل ہے۔ زیادہ اونچا سر میں جا ہو تو صلح پسندی اور زیادہ نیچے ہو اور نتھنوں کے برابر ہو تو سرکشی اور لڑائی جھگڑے کا نشان ہے۔

لمبی پتلی پنڈلیاں حساس طبیعت اور گول گوشت اور نفیس عادت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بہت لمبی ٹانگوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ غمگین طبیعت کا شخص ہے جس کا میلان پژمردگی اور دل شکستگی کی طرف رہتا ہے۔ تحقیقات سے پایا گیا ہے کہ لمبی ٹانگ والوں نے چھوٹی ٹانگ والوں کے مقابلہ میں زیادہ خودکشی کی۔ باہر کو نکلے ہوئے پاؤں فیاضی اور اندر کو گھسے ہوئے کینہ پن کو ظاہر کرتے ہیں۔ چھوٹے پاؤں والے ذہین ہوتے ہیں۔ سبز رنگ پسند کرنے والے قائم مزاج ہوتے ہیں۔ ان کی نظر مستقل ہوتی ہے نیلا رنگ پسند کرنیوالے سست اور اس دنیا کی اچھی باتوں کے شائق ہوتے ہیں۔ زرد کے مشتاق خوش خیال اور ابن الوقت ہوتے ہیں۔ وہ کسی بات میں غم کا پہلو نہیں دیکھتے۔ سرخ کے پرستار غصیلے اور جوشیلے ہوتے ہیں۔ سطریں بھنچی بھنچی ہوں تو سمجھو لکھنے والا کنجوس ہے اور اگر نئے پارہ کی پہلی سطر حاشیہ سے اچھے فاصلہ سے شروع ہوتی ہے تو طبیعت فیاض ہے۔ اسی طرح پنسل چھیلنے کے بعد سرے کو بہت باریک کرتا ہے تو وہ کینہ خصلت ہے۔ اگر لمبا نُنہ بناتا ہے یعنی لکڑی بھی لمبائی میں زیادہ کٹی ہوا اور پنسل بھی زیادہ نکلی ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اچانک پُرجوش خرچیلا ہے۔ درمیانہ درجہ کی کاٹ سے اعتدال پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔

مغرب کی ضعیف الاعتقادیاں

یورپ میں ابتدائی ایام میں شیطان اور بھوت کا خوف بیحد غالب تھا۔ سنگ پارس کا بھی بہت چرچا رہا۔ آہستہ آہستہ مارنے والے زہر کا بھی بہت زور رہا۔ حتیٰ کہ نام سے گھبراتے تھے ایسا زہر استعمال کرنے سے ذرا جی نہ چراتے جوئے کا ابتک بہت زور و شور ہے۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں خبر ہوا کہ ایک بڑا دمدار تارہ نکلنے والا ہے۔ دنیا سے ٹکرائیگا اور دُنیا ختم ہو جائے گی۔ اس سال بہت سے لوگوں نے کاروبار بند کر دیا کہ دُنیا ختم ہو رہی ہے۔ کاروبار اور معاملہ کی کیا ضرورت ہے۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں زلزلے کے دو جھٹکے لندن میں آئے اور تیسرے جھٹکے کی پیشین گوئی تھی کہ وہ سب کو فنا کر دے گا۔ عام چرچا تھا کہ ایک مہینے بعد وہ آنے والا ہے۔ ایک فوجی سپاہی کے دماغ پر اتنا اثر ہوا کہ وہ پاگل ہوگیا گلی گلی بھاگا پھرتا اور کہتا کہ ۵ اپریل کو لندن تباہ ہو جائے گا۔ ہزاروں نے اس پر اعتبار کیا اور سامان باندھ باندھ کے وہاں سے چل دیئے۔ وہ دن قریب آ گیا۔ جان لوگوں کی سادہ لوحی پر ہنستے تھے لوگوں کے متواتر کوچ کرنے سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ وہ بھی چل دیئے۔ اکثر لوگوں نے پانی کو محفوظ سمجھ کے جہازوں میں بسرا کیا اور چار پانچ اپریل کی درمیانی رات کو سب کی نظریں گرجاؤں کے میناروں اور بلند عمارتوں پر جمی رہیں کہ جھٹکا آتے ہی وہ زمین پر گرتی ہیں۔ ان لوگوں کا بیشتر حصہ اگلے دن واپس آگیا مگر اکثر اس قدر وہمی تھے کہ ہفتہ بھر بعد واپس آئے۔ اس کے بعد اس سپاہی کو پاگل سمجھا گیا۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں نجومیوں کا زور رہا۔ لوگ چوری کا حال پوچھتے۔ شادیوں کے سعد و نحس کو دریافت کرتے۔ سفر کرنے اور کاروبار کے لئے استفسار کرتے غرضیکہ موچی کی دکان کھولنے سے لے کے لشکر کشی تک پران لوگوں سے پوچھ گچھ کی جاتی۔ پھر جادوگری کا زور غالب رہا۔ عام طور پر ایسے خیالات پھیلے ہوئے تھے کہ شیطان نے آدم کو جنت سے نکالا جب سے برابر ان کا گروہ بیحد بڑھتا جاتا ہے۔ وہ ہمیں نظر نہیں آتے مگر خود سخت سے سخت چیز میں سے گذر جاتے ہیں۔ جب وہ زیادہ تعداد میں جمع ہوتے ہیں تو بگولا اٹھ جاتا ہے۔ اور سمندروں میں طوفان آتے ہیں ان میں زمین کے مرے ہوئے آدمیوں اور ہوتے پیدا شدہ بچوں اور مردہ زچاؤں اور خودکشیوں سے بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بھوت پریت جادوگر عورت کے قابو میں ہوتے ہیں۔ جو ان سے بڑے کام لے سکتی ہے۔ مگر اچھے کام کا حکم دینے سے خود مصیبت میں پھنس جاتی ہے۔ انگلستان اور فرانس میں اعتقاد تھا کہ یہ جادوگرنیاں جھاڑو پر سوار ہوتی ہیں اور دروازے کے تالے کے سوراخ سے اندر داخل ہوتی ہیں اور جھاڑو سمیت اڑ کے مکانوں کے دودکشوں سے نکل جاتی ہیں۔ اطالیہ اور ہسپانیہ میں چڑیل بکری کے بھیس میں پھرتی خیال کی جاتی تھی جو جادوگرنی کو اپنی کمر پر اٹھا کے لئے پھرتی اور جس قدر جادوگرنیاں اٹھانے کی ضرورت ہوتی اُس کے مطابق وہ چھوٹی بڑی ہو جاتی۔ یورپ میں ایک گروہ پیدا ہوا جو

کام کرتا کہ جادوگرنیوں کو تلاش کرکے انہیں جلادے - اُن پر مقدمے بنتے اور سماعت مقدمہ کا طریقہ عجیب ہوتا - مجرموں کو شکنجے میں رکھا جاتا - اس کی تکلیف سے گھبرا کے مقررہ سوالوں کے وہی جواب دیتی جن کی مقدمہ چلانے والے توقع کرتے بلکہ ایسے ایسے متوحش جواب دیتے جنا ور سننے پر سہم کر ہوجاتا کیونکہ وہ ایسی اذیت سے فوری موت کو پسند کرتے - اس طرح ان کا جلد چھٹکارا ہو جاتے جگہ جگہ انہیں جلایا گیا - عزیز و اقربا کو سزا کے موقع پر اظہار کرنا پڑتا کہ سزا درست ہے - ہمدردی کرنے والوں یا رونے والوں کا بھی زمرہ میں سمجھ کے انہیں بھی یہی سزا دی جاتی - عموماً جادوگرنیوں کے اکثر رشتہ داران سزاؤں سے نہ بچتے - بیوی بچے ترس کھانے کے نام سے لرزتے - شوہر باپ وغیرہ طرح طرح کی اذیتوں سے جلائے جاتے اور وہ مجبور رہتے کہ کہیں ٹھیک ہے - اسی سزا کے قابل تھا - بعض مقامات میں لوگوں کا غیظ اس قدر بڑھ جاتا کہ باوجود اوہام پرستی کے سزا دہندگان پر ٹوٹ پڑتے - اٹلی میں سزا کا دور ایک مقام پر اس قدر زور ہوا کہ کوئی گھرانا ایسا نہ تھا جس میں اس کا کوئی نہ کوئی جادو کے جرم میں موت کے گھاٹ نہ اتارا دیا گیا ہو لوگ برافروختہ ہوکے اٹھے اور سزا دہندہ کو اپنی جان بچا کے بھاگنا پڑا - یہ سترہویں صدی کے پہلے ۱۰۰ برس میں پانچسو سالانہ اتلاف جان ہوا - یعنی کل ۴۰ ہزار مارے گئے - لوگ ان دنوں اور جرائم کے مقدمات کو بھی بھول گئے تھے -

پھلجھڑیاں

قطبی علاقوں میں میاں بیوی کو چھوڑنا چاہے تو وہ چند روز کے لئے گھر سے روپوش ہوجاتا ہے - بیوی اشارہ پا کر اس کے آنے سے پہلے چل دیتی ہے - ترکستان میں اگر بیوی میاں سے کہیں جانے کے لئے پوچھے اور وہ کہے جاؤ اور پھر واپس آجاؤ نہ کہے تو وہ ہمیشہ کے لئے چل دیتی ہے - سیام میں شوہر طلاق دینے کی بجائے بیوی کو بیچ دیتا ہے - پہلی بیوی کو وہ بیچ نہیں سکتا - اسے طلاق دینی پڑتی ہے - مُوروں میں ایسی بیوی کو جس کے لڑکا نہ ہوتا ہو طلاق دی جاسکتی ہے - تاتاری عورت بدسلوکی سے تنگ آکر عدالت میں جاتی ہے - وہ گھر پر آکر طلاق کا حکم سُنا جاتی ہے -

عمر کے ساتھ ساتھ کان ناک بڑے اور منہ چوڑے ہوتے جاتے ہیں - سرد ملکوں سے گرم ملکوں کو جانیے ناکیں چوڑی ہوتی چلی جائیں گی کیونکہ آب و ہوا کی وجہ سے تنفس میں فرق آتا ہے اور ناک پر اثر پڑتا ہے -

توام بچے ڈنمارک میں عام طور سے ہوتے ہیں - کولمبیا میں سب سے کم ہوتے ہیں - ڈنمارک میں ۶۳ بچوں میں ایک جوڑا ہوگا کولمبیا میں ۲۵۰ میں ایک - تمام دُنیا میں ہر ۸۰ میں ایک کی اوسط ہے -

ڈنمارک میں سنہ ۱۹۰۴ء میں توریت کی کتاب پیدائش کے بیان کے مطابق حضرت نوحؑ کی کشتی ماہر انجنیروں اور پروفیسروں کے زیر نگرانی بنائی گئی اُس کتاب کی بتائی ہوئی پیمائش کا دسواں حصہ دیا گیا - اس پر بھی جہاز ۳۰ فٹ لمبا ۵ فٹ چوڑا اور تین فٹ اونچا بن گیا - ۳۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء کو جب اسے آبنائے میں ڈالا گیا تو سب دیکھ کے حیران رہ گئے کہ یہ اتنا مکمل تھا کہ اسے سمندر میں بخوبی چلایا جاسکتا تھا -

۵۰ سال ہوئے لندن کی پہلی ریل کی سُرنگ دریائے ٹیمز کے نیچے بنائی گئی - یہ تین میل لمبی تھی - اب اس ریل کی لمبائی دو سو میل ہے اور ایک کروڑ آدمی اس پر سفر کرتے ہیں - ایک میل کی پٹری پر دس لاکھ پونڈ خرچ ہوئے - ایک جگہ اس سُرنگ کی لمبائی بارہ ۲۵ میل ہے - یہ دُنیا بھر میں سب سے لمبی سُرنگ ہے - اس کی دیکھا دیکھی پیرس - نیو یارک برلن اور بوئنس آئرز میں زمین دوز ریلیں بنائی گئیں - لندن کی یہ سُرنگ آجکل ہوائی حملوں کے بچاؤ میں خوب کام دے رہی ہے -

محمد ظفر

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہو۔ اڈیٹر

میں نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں کہ میرے عزیز بھائی مسٹر اسمٰعیل پونہ والے کو اللہ نے بروز سنیچر ۲۲ مارچ سنہ ۴۱ء کو چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ نام محمد لئیق رکھا گیا خدا بچہ کی عمر دراز کرے اور ماں باپ نانی کے زیر سایہ پروان چڑھے آمین۔ اس خوشی میں عصمت کو ایک خریدار دیتی ہوں۔ شریفہ بائی مسز ایڈوکیٹ بمبئی

میں نہایت ہی مسرت سے یہ خبر درج رسالہ کرتی ہوں کہ ایک سال کی علالت کے بعد میری پیاری ہمشیرہ سیدہ بانو (جو کہ رسالہ کی خریدار ہیں) کو بتاریخ ۲۰ فروری بروز پنجشنبہ کو صبح صادق کے وقت اللہ تعالے نے چاند سی دختر نیک اختر عطا فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم پیاری بچی کو عمر دراز عطا فرمائے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے آمین۔ ابھی تک کوئی نام منتخب نہیں ہوا پیاری بہنوں سے استدعا ہے کہ کوئی عمدہ سا نام تجویز فرمائیں اس خوشی میں اپنے پیارے رسالہ کو دو نئے خریدار دیتی ہوں۔

ماجدہ بانو جہان آبادی خریداری نمبر ۵۰۶۲۱

میں نہایت خوشی سے لکھتی ہوں کہ میرے پیارے بھائی جان سید شاہ نظیر الدین صاحب کو اللہ تعالے نے نہایت خوبصورت فرزند عطا فرمایا اللہ بچے کو عمر خضر عطا کرے دادا باپ کو اس کی خوشی دیکھنی نصیب کرے۔ اس خوشی میں نادار فنڈ کے لئے ایک روپیہ بھیجتی ہوں۔ سلطانہ بیگم۔ بھاگلپور

میری خالہ زاد بہن کی پیشانی پر بے انتہا رونگیں ہیں جو بہت بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بہن یا بھائی کوئی آزمودہ نسخہ تحریر فرمائیں جس سے یہ دور ہو جائیں تو بہت مہربانی ہوگی۔

بنت محمد حسین خان صاحب چارسدہ

عصمت کے گذشتہ سالگرہ نمبر میں محترمہ ب۔ن آنسہ ابراہیم کا ایک مضمون "علم قیافہ" شائع ہوا تھا۔ لیکن ابھی تک اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔ بہن صاحبہ سے التماس ہے کہ مضمون مکمل کرنے کی کوشش کریں۔

گلشن آرا پروین۔ ایبٹ آباد

میں ممنونِ احسان ہوں گی اگر کوئی عصمتی بہن مجھے یہ بتائیں کہ لفافے بنانے کی مشین کا پتہ کیا ہے۔ اور وہ کس قیمت پر مل سکتی ہے۔

مسرور فاطمہ۔ امروہہ

نومبر سنہ ۳۴ء کے پرچہ میں محترمہ بہن رضیہ ناصرہ صاحبہ نے ریشمی کپڑوں کی دُھلائی کی ترکیب لکھی ہے۔ اس میں ایک چیز بجس لکھی گئی ہے جس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ مہربانی فرما کر بہن موصوفہ توجہ فرماویں۔ کہ بجس کیا چیز ہے۔ اگر یہ کسی دوائی کا نام ہے تو اس کی کیا صورت ہے اور وہ کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ بیگم عنایت علیخاں دادو سنگھ

اگر آپکو اپنے شہر کے ایجنٹوں سے یہ دوا نہ ملے تو براہ راست ماڈرن کیمیکل ورکس پوسٹ بکس نمبر ۲۱۱ لاہور سے بذریعہ وی پی منگائیں۔

ریشمی برقعہ
قیمت پانچ روپے
بے شک حیرت کی بات ہے مگر شہرت حاصل کرنے کیلئے اس کے
سوا چارہ ہی کیا ہے کہ اپنا مال زیادہ سے زیادہ دور پھیلانے کے لئے
کم سے کم قیمت لی جائے۔ تاکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں کارخانہ کی شہرت ہو جائے۔
یقین کیجئے کہ یہ برقعہ آج بھی بازار میں بارہ روپے کو ملتا ہے، لوگ
اس پر دوگنا منافع لے لیتے ہیں۔ نئے ڈزائن اور محنت کی قیمت
لیتے ہیں۔ کپڑا اچھا اور ہر اونچے نیچے گھرانے میں استعمال کے قابل پکا رنگ۔ خوبصورت ڈیزائن جہاں ایک برقعہ جاتا ہے وہاں
سے درجنوں کی مانگ آتی ہے۔ اس واسطے کہ برقعہ ہر لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اس کا کپڑا دھلائی کے بعد بھی اصلی حالت میں
میں رہتا ہے یہ برقعہ دو حصوں میں ہوتا ہے۔ ایک اوپر کا حصہ اور دوسرا پیٹی کوٹ۔ ہر سائز کا مل سکتا ہے جن بہنوں کو ضرورت ہو وہ سر کی
ٹوپی کا اور کمر کی پیٹی کا اور پورے قد کی لمبائی کا ناپ بھیجدیں اور بتادیں کہ انہیں کس رنگ کا برقعہ پسند ہے۔ ان کا خط ملتے ہی برقعہ تیار کر کے
بھیجدیا جائیگا۔ شرط یہ ہے کہ اگر یہ برقعہ پسند نہ آئے تو فوراً واپس کردیں۔ برقعہ کی ٹوپی میں نہایت باریک اور دل پسند جنت کاری کا کام
ہوتا ہے۔ ہر سائز کے برقعے کی قیمت پانچ روپے ہے۔ بذریعہ وی پی پارسل منگائیں۔ محصول پارسل گیارہ آنے لگتا ہے۔
منگانے کا پتہ مینجر کامیاب بک ڈپو نمبر ۳۴ دہلی

جن ماؤں نے "ہمالیہ بوکے" کی اہمیت کو نظر انداز کیا تھا اُنکی ساری اُمیدوں کا خون ہوگیا!
اور پھر جلد ہی وہ دن آگیا جبکہ تارا کی مانگ بھری گئی ....
اس نفیس عطر "ہمالیہ بوکے" دو تین قطرے ساڑھی پر اور بالوں میں چھڑکنے سے آپ ہر ایک کا دل لُبھا سکتی ہیں آج ہی پوسٹ کارڈ بھیجکر
Dept. N. 1. P. O. Box 788, Bombay
سے ایک کلینڈر مُفت منگوالیں جو اس فریفتہ کردینے والے عطر میں مُعطر ہے اور جیب یا ہینڈ بیگ میں رکھنے کے لئے نہایت موزوں ہے
Himalaya Bouquet PERFUME
KRASNIC PERFUMERS & FINE SOAP MAKERS, LONDON, ENGLAND.

میاں بیوی کے جھگڑے ختم ۔ دولت میں برکت

میں اپنی بہنوں کے لئے اپنے قیمتی سینہ کے راز کو ظاہر کر رہا ہوں کیونکہ یہ میرا وہ سرمایہ ہے جس کے حاصل کرنے میں میں نے ہزاروں روپیہ صرف کردیا تھا اور برسوں محنت کی تھی۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد ان رازہائے سربستہ کو چھپا کر رکھنا فرض سمجھتا تھا۔ مگر ضرورت مندوں نے مجھ کو مجبور کر دیا کہ کیوں نہ خلق خدا کو اس گوہر گرانمایہ اور کلام الٰہی کی برکت سے مالا مال کیا جائے۔ اس لئے میں بے کم و کاست آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اور خدا کو حاضر ناظر جان کر عرض کئے دیتا ہوں کہ مندرجہ ذیل نقش و تعویذ سے کبھی ناکامی نہ ہوگی۔ میں چند پیسوں کی خاطر اپنے ایمان کو فروخت نہیں کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میرے تمام بھائی میرے ایماندارانہ قول کو سچا سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور کامیابی کے بعد فقیر کے لئے دعائے خیر کریں گے۔ تعویذ و نقش حسب ذیل ہیں جن کا ہدیہ بہت ہی قلیل ہے۔ اور یہ تمام لفافے کے اندر بذریعہ وی پی رجسٹری کے ذریعہ روانہ کئے جاتے ہیں۔ ہدیہ کے علاوہ رجسٹری لفافہ کا خرچہ چار آنے اور آتا ہے۔

نقش بشارت ۔ یہ نقش ہر کام کی کامیابی اور ناکامی کی بشارت دیتا ہے۔ رات کو اپنے سرہانے رکھ کر سو جاؤ۔ اور کام کا تصور دل میں رکھو۔ سونے میں بشارت ہو جائے گی۔ بیاہ شادی، مریض کی بیماری، تجارت میں کامیابی یا ناکامی غرضکہ ہر کام موکل خواب میں آکر جواب دیتا ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنے۔

تعویذ دولت ۔ مفلسی میں خدا ہی یاد آتا ہے۔ خدا کسی کو مفلس نہ کرے۔ مفلسی دور ہونے کی جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آ جائے یا روپیہ کی ترقی رک جائے تو اس متبرک تعویذ کی مدد سے آپ کی مفلسی دور ہوگی۔ روپے پیسے میں رکھ دینے سے دولت کی زیادتی ہوگی۔ اور تعجب انگیز طریقے سے آمدنی کے ذرائع پیدا ہوں گے۔ بس خدا کی قدرت نظر آئیگی ہدیہ سوا روپیہ۔

محبت کی ڈوری ۔ میرے بزرگ نے صرف مجھ کو اجازت دی تھی کہ یہ ایسے ضرورتمند کو دیا جائے جو جائز طور پر طلب کریں اس لئے میں اس محبت کی ڈوری کو ضرورت مند بہنوں کے لئے پیش کر رہا ہوں کہ اگر ان کی اپنے شوہر سے لڑائی رہتی ہو یا شوہر کی طبیعت ان کی طرف سے ہٹی ہوئی ہو یا شوہر غصہ ور ہو۔ بیوی سے ذرا ذرا سی بات پر جھگڑ پڑتا ہو تو یہ تعویذ آپس کی محبت بڑھانے میں محبت کی زنجیر ثابت ہوگا۔ چند ہی دن میں سارے جھگڑے ختم ہو کر شوہر بیوی کا غلام بن جائے گا۔ یہ خدا کے کلام اور اس کے مقرب بندوں کی برکت ہے کہ ہر جائز محبت کے وقت اس تعویذ معظم کی برقی قوت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور ضرور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ ہدیہ صرف ڈھائی روپے۔

اقرار ۔ ہر ضرورت مند بہن بھائی کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ میں اپنے سوا کسی دوسرے کو ان نقش و تعویذ کے استعمال کی ترکیب یا نقل نہ بتاؤں گا۔

پتہ: عامل نواب میاں شاہ صاحب چھتہ حکیم آغا جان۔ آئی۔ ڈی دہلی

پانچ ہزار روپیہ کی گھڑیاں مفت
بال کالا تیل ملے
کے استعمال سے بال ہمیشہ کیلئے سیاہ ہوجاتے ہیں اور پھر تمام عمر کالے پیدا ہوتے ہیں بے نظیر سنیاسی تحفہ ہے فائدہ نہ ہونے پر قیمت واپس ہوگی قیمت فی شیشی صرف ایک روپیہ پندرہ آنہ (عہ۱) محصولڈاک علاوہ تین شیشی کی رعایتی قیمت صرف پانچ روپے (عہ۵) اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک عدد فینسی میوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ (سونا) پیرس نیوگولڈ بالکل مفت بطور انعام دیا جاتا ہے۔ یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے۔ اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں۔ ضروری نوٹ۔ مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جائے گی تین شیشی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف اور تین گھڑیاں اور تین تولے سونا بالکل مفت انعام۔
کالے گورے ہوگئے
اگر آپ اپنے چہرہ کا رنگ کالے سے گورا کرنا چاہتے ہیں یا اپنے مرجھائے ہوئے چہرے پر بدنما کالے داغ کیل پھنسیاں چھیک کے داغ اور چھائیاں دور کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ہمارا سائنس سے تیار کردہ لنڈن بیوٹی لوشن (رجسٹرڈ) استعمال کریں جس سے آپکا جسم یا چہرہ کا رنگ شرطیہ طور پر کالے سے گورا ہو جائیگا قیمت فی شیشی صرف ایک روپیہ پندرہ آنہ (عہ۱) محصولڈاک علاوہ تین شیشی کی رعایتی قیمت صرف پانچ روپے (عہ۵) اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک عدد فینسی میوٹ رسٹ واچ بمع تسمہ اور ایک تولہ (سونا) پیرس نیوگولڈ بالکل مفت بطور انعام دیا جاتا ہے۔ یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں۔ ضروری نوٹ۔ مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جائے گی تین شیشی کے خریدار کو محصولڈاک معاف تین گھڑیاں اور تین تولے سونا بالکل مفت انعام۔
منیجر صاحب دی سکھ دائیک کمپنی پوسٹ بکس ۱۲ آئی۔ڈی۔ امرتسر (پنجاب)
۳۰۰ روپیہ ماہوار کمالو
کمائیں۔ اگر واقعی آجکل کے زمانہ میں روپیہ کمانے کا شوق ہے تو اصلی سونا امریکن نیوگولڈ کی ایجنسی لیکر آپ تین صد روپیہ ماہوار گھر بیٹھے کما سکتے ہیں۔ یہ سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اور اصلی سونے کی طرح کوٹا اور پگھلایا جا سکتا ہے۔ اس کا رنگ کبھی خراب نہیں ہوتا سونا امریکن نیوگولڈ فی تولہ دو روپے محصولڈاک سات آنے علاوہ چھ تولہ دس روپیہ محصولڈاک معاف پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آج کل کے فیشن کے مطابق ہر قسم کے زیورات ہمارے سٹاک میں موجود ہیں آپ اپنے شہر کی ایجنسی کے لئے فوراً درخواست کریں۔ تیار شدہ زیورات کی مکمل نئی فہرست ... در پانچ امریکن نیوگولڈ۔ ایک جوڑی فینسی چوڑی۔ ایک بیبی فیشن انگوٹھی ایک جوڑی کانٹے (بندے)، نیوڈیزائن نمونہ کے طور پر بھیجے جاتے ہیں۔ ہوشیار اور تجربہ کار ایجنٹوں کو ہر قسم کی سہولت دی جا سکتی ہے۔ آج ہی فوراً قواعد ایجنسی طلب کریں۔ مندرجہ ذیل پتہ سے خط وکتابت کیجئے۔
پتہ۔ امریکن نیوگولڈ کمپنی۔ آئی۔ ڈی۔ پوسٹ آفس اچھرہ۔ لاہور

دس ہزار روپیہ مفت انعام 10000
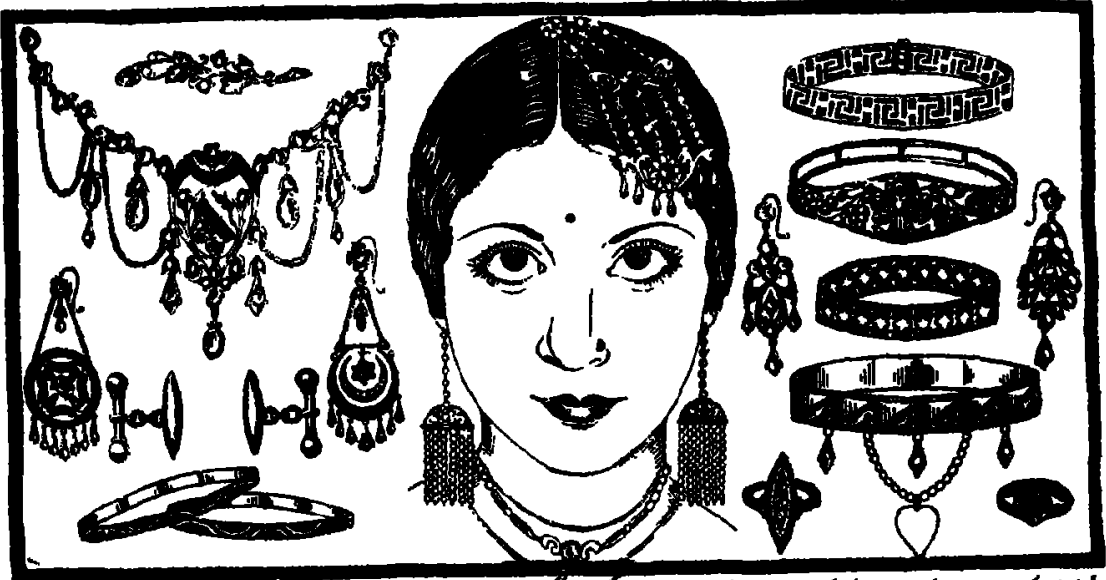
امرتسر میں سونا دو (۲) روپے تولہ ہو گیا

ناظرین دیکھئے اس سونے کے متعلق دنیا کیا کہتی ہے۔ جس گھر میں یہ اصلی امریکن نیو گولڈ گیا وہاں سے دوبارہ سہ بارہ فرمائش آئی۔ یہ سونا ایک لاجواب چیز ہے۔ اصلی سونے اور اس سونے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

جناب لالہ رام پرکاش صاحب راہنی دہلی سے ۲۵ نومبر کو تحریر فرماتے ہیں آپ کا امریکن نیو گولڈ کا پارسل ملا۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی چیز واقعی کمال کی ہے آپکے امریکن نیو گولڈ اور اصلی سونے میں کوئی فرق نہیں آپنے اس نئی چیز کو تیار کر کے دنیا کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کر دکھایا ہے۔ پندرہ تولہ سونا فوراً میرے دوست کیلئے ارسال کر دیں۔ اس کے بعد آپ کو اور بھی آرڈر دیا جاویگا۔ یہ سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اصلی سونے کی طرح کوٹا اور پگھلایا جاتا ہے بالکل اصلی سونے کے برابر ہے ہوشیار سے ہوشیار صراف بھی مشکل سے پہچان کر سکتا ہے۔ اس کے نئے نئے زیورات ہر جگہ پسند کئے جا رہے ہیں۔ اس سے ہر قسم کے زیورات آجکل کے فیشن کے مطابق تیار ہو سکتے ہیں مندرجہ بالا فرمائش کو غلط ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائیگا۔ قیمت صرف مشہوری کی خاطر ایک تولہ دو روپیہ (عہ) تین تولہ پانچ روپے آٹھ آنہ۔ چھ تولہ دس روپے۔ پندرہ تولہ بائیس روپیہ چالیس تولہ پچاس روپیہ (ضروری نوٹ) ہر تین تولہ کے خریدار کو پیکنگ خرچ مفت۔ چھ تولہ یا اس سے زیادہ منگوانے والے خریدار کو محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بالکل معاف۔ پندرہ تولہ کے خریدار کو ایک عدد اصلی گھڑی بالکل ٹھیک وقت دینے والی چابی ۲۴ گھنٹہ گارنٹی دس سال مفت بطور انعام دی جاوے گی۔

گارنٹی۔ اگر پسند نہ ہو تو قیمت فوراً واپس ہو گی۔ جلدی منگوائیں ورنہ ختم ہونے پر مایوس ہونا پڑے گا۔

ملنے کا اصلی پتہ۔ میسرز امریکن دہلی۔ کمپنی دہلی۔ او بکس 27/P آئی۔ ڈی۔ امرت سر (پنجاب)

سونے کی چوڑیاں مفت

آج کونسا گھر ایسا ہے جہاں گولڈن گولڈ کا استعمال نہ ہو رہا ہو۔ اور اس سونے کی بنی ہوئی چوڑیاں نہ پہنی جا رہی ہوں۔ ہر گھر میں وہم مچی ہوئی ہے کہ گولڈن گولڈ کی چوڑیاں اصلی سونے میں ملتی ہیں۔ سنار بھی حیران رہ جاتا ہے اور اسکو اصلی اور نقلی کی تمیز کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ گولڈن گولڈ کی چوڑیوں کی چمک دمک سورج کی کرنوں کے مانند نگاہ کو چوندھیا دینے والی ہے۔ اس کا رنگ پختہ ہے اور مدتوں برتنے کے بعد اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ گوری گوری کلائیوں پر ان چوڑیوں کی بہار دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی بہنوں کو جن کو سونے کی چوڑیاں پہننے کا شوق ہو مطلع کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس سونے کی صرف چوڑیاں ہی تیار کرائی ہیں اور اوران چوڑیوں کی مانگ اس قدر ہے کہ ہم دوسرے زیورات بنانے کی طرف اس وقت توجہ ہی نہیں کر سکے۔ ہمیں امید ہے کہ دوسرے زیورات بھی جلد سے جلد تیار کر سکیں گے۔ اور دنیا ہمارے زیورات کو دیکھ کر حیرت کرے گی کہ موجودہ زمانہ میں سونے کی ضرورت کو کس طرح کم دام خرچ کر کے پورا کر دیا ہے۔ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں۔ کہ ہمارے گولڈن گولڈ کی بنی ہوئی چوڑیوں کا آپ صرف ایک ہی سیٹ منگا کر دل کو خوش کریں۔ اور ہماری صداقت کا امتحان کرلیں۔ ایک سیٹ کی قیمت یعنی ڈیڑھ تولہ گولڈن گولڈ کی بنی ہوئی آٹھ چوڑیوں کا سیٹ تین روپے کا ہے تین سیٹ منگانے والے کو ایک سیٹ مفت بطور یادگار اور محصول ڈاک کی رعایت۔ محصول ڈاک ایک سیٹ پر آٹھ آنے خرچ ہوتا ہے۔ آرڈر کے ساتھ کلائی کا ناپ ضرور بھیجئے۔ پتہ:۔

مینیجر گولڈ لک ٹریڈ ایجنسی کلاں محل بازار نئی دہلی

دُوربین

عراق کے اندیشے

بلقان کے بعد جنگ کا سایہ اب افریقہ اور ایشیا کے ان علاقوں پر پڑا ہے جو انگریزی سلطنت کیلئے شہ رگ کا حکم رکھتے ہیں۔ برطانوی دور اندیشی نے عراق کے انقلاب میں آیندہ خطرات دیکھے۔ چنانچہ وہاں برطانوی فوجیں اُتار دی گئیں۔ عراق میں تیل کی ایسی کانیں ہیں جو دُنیا کی تیل کی عمدہ کانوں میں آٹھویں درجہ پر ہیں۔ عراق کے ایک طرف ایران ہے اور نیچے کی طرف خلیج ایران جو مشرق وسطی کی کنجی ہے۔ عراق معاہدہ کی رو سے انگریزی اقتدار میں ہے برطانیہ نے حبانیہ پر اپنا ہوائی مستقر بنا رکھا ہے۔ وہ عراق کی سڑکیں وغیرہ استعمال کر سکتا ہے اور اس کے عہدہ داروں کو عراقیوں پر ملازمت کے سلسلے میں فوقیت دی جاتی ہے۔

عرب اب واحد قوم بننے کے لئے مضطرب ہیں اور اسی جذبہ کے ماتحت عراق میں انقلاب ہوا شام میں بلوے ہوئے فلسطین میں یہودیوں کے خلاف نفرت ہے۔ عراق میں ملکی ترقی کے پیش نظر شیعہ سنی کا جھگڑا مٹ چکا ہے۔ حتی کہ عیسائی اقلیت بھی عربوں کے ساتھ ہے۔ رشید جیلانی نے جرمنی سے مدد مانگی چنانچہ جرمنی کے ہوائی جہاز شام کے راستہ سے وہاں پہنچ رہے ہیں۔ فوجی شہری لباس میں ایشیائے کوچک کے راستے عراق جا رہے ہیں۔ انگریزوں اور عراقیوں کی جنگ زوروں پر ہے۔ امیر عبدالمد سابق نائب السلطنت وہاں پہنچ گیا ہے اور رشید جیلانی کے مقابلہ میں نظام سلطنت قائم کرنے کی فکر میں ہے۔

بلقان پر قبضہ

یگوسلاویہ کے خلاف جرمنی نے اس شدت و عجلت سے فوج کشی کی کہ جرمن یونان کے اور اس کے درمیان حائل ہو گیا اور اس طرح یگوسلاویہ کو یونان اور انگریزوں سے کسی قسم کی مدد نہ پہنچ سکی۔ سردی لوگ بہادری سے لڑے مگر سخت نقصان اُٹھانے کے بعد دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ بادشاہ اور اُس کے وزراء بھاگ گئے۔ اس ملک سے جرمنی کی فوجیں ہٹ کے یونان پر ٹوٹ پڑیں۔ شروع میں مشرقی مقدونیہ لے لیا اور سالونیکا جیسی بندرگاہ اُن کے ہاتھ آگئی۔ بعد میں یونان میں شدت سے حملہ آور ہو کے چاروں طرف پھیل گئے۔ وہاں کا بادشاہ بھی وزراء سمیت کریٹ کے جزیرہ میں چلا گیا اور یونانی فوج نے کوئی مفر نہ پا کے ہتھیار ڈال دیئے۔ انگریزی فوجوں سے جرمنوں کے زبردست مقابلے ہوتے رہے۔ لیکن ان کو مجبوراً مصر میں منتقل کرنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ یونانی اور برطانوی نقصان ہوا تو جرمنوں کو بھی بلقان کی فتح بہت مہنگی پڑی۔ جرمنی نے کریٹ میں بھی یونانیوں کا پیچھا کیا اور وہاں مئی کے آخری ہفتہ میں روزمرہ ہوائی جہازوں سے متواتر فوجیں اُتار رہا ہے۔ اور بحری کشتیوں سے بھی کمک پہنچانے کی فکر میں ہے۔ دو چار جگہ اُس نے جزیرہ میں قدم جما لئے ہیں گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے جس میں جرمنوں کو حملہ آور ہونے کی وجہ سے سخت نقصان ہو رہا ہے۔ انگریزی ہوائی جہاز وہاں سے ہٹائے گئے ہیں۔

انگلستان کی جنگ

انگلستان میں ۱۹۔ اپریل کو جبریہ فوجی خدمت کے سلسلے میں تین لاکھ ۲۰ سالہ لڑکیوں کو بھرتی ہونا پڑا۔ ۳ مئی کو ۲۱ سالہ لڑکیاں بھرتی کی گئیں وہ باوردی بڑی فوج میں داروگری کی خدمات کے لئے لی گئی ہیں۔

مئی میں جرمنی نے متعدد ہوائی حملے انگلستان کے مختلف شہروں پر کئے کئی کو سخت نقصان پہنچایا۔ بہت تباہی

پھیلی - بُری طرح آگ لگی مگر انگریزوں کا حوصلہ پست نہیں ہوا - اُنہوں نے جرمنی پر جگہ جگہ ہوائی حملے کرکے اس کا بدلہ لیا۔
بحر اوقیانوس میں برابر مقابلہ جاری ہے - انگریز بحر شمالی وغیرہ میں جرمنی جہاز ڈبوتے رہتے ہیں - جرمنی بحر اوقیانوس
میں انگریزی اور انگلستان جانے والے دیگر ممالک کے جہازوں کو ڈبو رہا ہے یا اُنہیں سخت نقصان پہنچا رہا ہے - انگریزوں
کا دعویٰ ہے کہ جرمنی اس علاقہ میں مزاحمات کھا جائیگا کیونکہ امریکہ عملاً انگریزوں کی مدد پر تلا ہوا ہے -

فرانس کی بے بسی

امیر البحر دارلان اور ہیر ہٹلر کے نائب کی باہم متعدد ملاقاتوں کے بعد کچھ تصفیہ ہو گیا جس سے معلوم ہوا کہ
فرانس جرمنی کی امداد کرنے پر مجبور ہے - فرانس نے شام کے ہوائی اڈے جرمنی کو استعمال کو دیدیئے
شام کے راستے جرمنی عراق کو فوجیں اور ہوائی جہاز بھیج رہا ہے - شام میں جرمنی کی ہوائی طاقت اکٹھی ہو رہی ہے - عراق اور
جزیرہ قبرص اور مصر کے خلاف استعمال کی جائے گی - فرانس کے لوگ جرمنی کے لئے جنگی سامان دھڑا دھڑ تیار کر رہے ہیں - افریقہ
کے فرانسیسی مقبوضات میں جرمنی کا اثر اور اقتدار روز بروز پھیلتا جا رہا ہے - اس سے انگلستان کے علاوہ امریکہ میں بھی
بے چینی پھیلتی جا رہی ہے - فرانس کو بتا دیا گیا ہے کہ اگر اس کی جرمنی کی طرفداری میں یہی حرکتیں رہیں تو انگلستان اور امریکہ
دونوں اُس میں اور جرمنی میں فرق نہ کر سکیں گے - اس کا جواب دارلان نے یہ دیا کہ جرمنی نے ہمیں ایسی شکست دی جس کی
مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی - وہ چاہتے تو فرانس کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیتا مگر اُس نے ایسا نہیں کیا - ہم نے ان کے ساتھ
مل کے ایک نیا نظام قائم کرنے کی تجویز کی - ہمارے افعال سے ہٹلر کو ہماری اچھی نیت کا یقین ہو گیا اور اُس نے شکست کے
بڑے اثرات سے ہمیں بچانے کا فیصلہ کر لیا - ہم فرانس کا بیڑہ کسی کو نہ دیں گے نہ جرمنی نے ہم سے مانگا ہے نہ اسے اس کی
ضرورت ہے اُس نے اکیلے لڑائی شروع کی اور اُس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اکیلا ہی اسے ہر طرح کے اتحاد کے خلاف
ختم کر دے گا۔
فرانس میں ان خیالات سے دارلان کے خلاف بے چینی پھیل رہی ہے - جرمنی نے پیرس سے سب سفیروں کو وشی
چلے جانے کا حکم دے دیا ہے کیونکہ فرانس کا دار السلطنت پیرس نہیں وشی ہے -

اطالیہ کی حالت

حبش میں آخر جان توڑ کے لڑنے کے بعد اطالویوں کو ہتھیار ڈالنے کے سوا چارہ نہ رہا - چنانچہ
ڈیوک آف آؤسٹا نے ہزاروں اطالوی سپاہیوں کے ہمراہ ہتھیار ڈال دئے - اُس نے
مسولینی کو پیام دیا کہ گو رنج و الم سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوا ہوں مگر مجھے یقین ہے کہ ہم پھر یہاں واپس آجائیں گے -
شاہنشاہ حبش اپنے ملک میں انگریزوں کی مدد سے پانچ سال بعد واپس آیا حبشی اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے - اس نے اپنے ملک کو جدید طریقوں
ترقی کے راستہ پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے - حبش میں دو ایک جگہ اطالوی بچے کھچے دستے رہ گئے ہیں - بارش شروع ہو گئی ہے -
اس حالت میں وہ جلد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونگے - اور یہاں کی مصروف انگریزی سپاہ مصر کے شمال میں دشمن کے مقابلہ
کے لئے باسانی جا سکے گی -
طرابلس میں جرمنی کو پھر اس کی حد میں ہٹا دیا گیا ہے - وہ اور اٹلی مصر کے اندر چالیس میل تک گھسے چلے آئے تھے -
طبروق میں برابر انگریزی فوج محاصرہ کی حالت میں دشمن کا سخت مقابلہ کر رہی ہے - ہوائی جہاز برابر طرابلس کے ہوائی
اڈوں پر حملے کرکے نقصان پہنچا رہے ہیں -

تاروں کا جھرمٹ - چین میں جاپان نے جنگ میں شدت پیدا کر دی ہے - خیال ہے کہ وہ چین

عصمت بک ڈپو دہلی

دولت پر قربانیاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی کا اس نتیجہ سے غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکہ
چھوڑ دینا ہوگا برادری کے نا اہل لڑکے سے شادی کرنے کے دردناک
نتائج اور دوستکا لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرت ناک انجام ۸ر

جاں باز جس میں ایک معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ زبیدہ اپنے منگیتر
کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتی ہے مسٹر قمر ایک کم حیثیت مغربی لڑکی کے
ہاتھوں کس طرح اپنی پُر مسرت زندگی کو تباہ کرتے ہیں۔ خاندان حسن کا ایک
سچا دوست تمام مشکلات کو حل کرتا اور اپنے دوستوں کی خاطر کیسی کیسی
قربانیاں کر دیتا ہے۔ یہ ایسے باب ہیں کہ آپ عش عش کریں گے۔
از محترمہ رشید جہاں حیدر صاحبہ قیمت ۲؍

فیروزہ ایک دولت مند مگر یتیم و بیسر لڑکی کا افسانہ غم شرافت اور انسانیت کی دل ہلا دینے والی قربانیاں جن سے معلوم ہوگا کہ
کس وجہ سے ایک شریف عورت اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے
حوالہ کر دیتی ہے۔ لالچ بے ایمانی۔ ہنگامی جذبات کے قابل نفرین مرقعے
احسان فراموشی محسن کشی کے کمینہ حملے اور استقامت استقلال اور دوراندیشی
دفع۔ اجیہ بیگم صاحبہ کلکتہ۔ قیمت ۸ر

دودھ کی قیمت اور ۱۰ اور مختصر افسانے اور ایک ڈراما جو منشی پریم چند نے خاص طور پر عورتوں کے
لئے لکھے تھے۔ یہ مجموعہ منشی جی کے بہترین افسانوں کا ہے۔ قیمت ۱۲ر

آئینۂ جمال یعنی دور حاضرہ کی نامور شاعرہ محترمہ ملقیس جمال صاحبہ کی ۸۴ نظمیں اسلام کے دور اولین کی سبق آموز منظوم کہانیاں
و قومی کی تڑپ مناظر قدرت کی مصوری۔ جذبات نسوانی کی صحیح
ترجمانی موسیقی کی لطافت وہ کیا خوبی ہے جو آئینہ جمال میں نہیں، خوف خدا
پاس مذہب حب الوطنی ایثار رحمت بہادری کے جذبات اس کے مطالعہ
سے پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۱۲ر **فہرست کتب مفت منگائیے**

جلد سے جلد فارغ ہو جانا چاہتا ہے۔ اگرچہ ... ابھی ... رہے ہیں

ترکی نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ سختی سے غیر جانبداری پر قائم ہے نیز بلقانی ... اُس ... ترکی ... معاہدات کی رو سے وہ اس قسم کی باتوں سے مجبور ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سالونیکا شام سے اس ریلوے ... جو بہت سا حصہ ترکی کی حد میں سے گزرتا ہے سیجیاں اس کے قریب کے اُن سب جزیروں پر جو انقلاب زمانہ سے ترکی سے بلا جنگ یونان کو دلوا دئے تھے قبضہ کر لیا ہے۔

ہندوستان میں کئی جگہ فرقہ وارانہ بلوے ہوئے۔ احمد آباد۔ بمبئی۔ بھوانی میں کافی اتلاف جان ہوا۔

جرمنی سے ہٹلر کا نائب ہرہیس جس کا درجہ جرمنی میں تیسرا ہے۔ انگلستان میں ہوائی جہاز سے چھتری سے اترا اُس کا جہاز زمین پر گر کے ٹوٹ پھوٹ گیا اور اُس کا ٹخنہ ٹوٹ گیا۔ اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ جرمنی نے اعلان کیا ہے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے اور اُس کو جنون ہے کہ وہ انگلستان اور جرمنی میں صلح کرا سکتا ہے۔ مگر انگریز کہتے ہیں کہ اُس کا دماغ بالکل صحیح ہے اور وہ جرمنی کی سختیوں سے بھاگ کے آیا ہے۔ نازی پارٹی میں پھوٹ پڑ گئی ہے جو بہت ممکن ہے کہ بہت جلد جرمنی کے خلاف رنگ لائے۔ بہرحال ہیس کا انگلستان آنا ایک معمّہ ہے۔

روس نے دریائے نیپر کو بحیرہ بالٹک سے ایک نہر کے ذریعہ ملا دیا ہے چنانچہ اعلان کیا گیا ہے کہ اب جہاز بحیرہ بالٹک سے سیدھے بحیرہ اسود میں آ جا سکتے ہیں۔

ریلوں کے قاعدوں میں ترمیم کر دی گئی ہے آئندہ کوئی شخص لائسنس کے بغیر اسٹیشنوں اور ریل گاڑیوں وغیرہ کے اندر نہ کوئی چیز بیچ سکے گا نہ بھیک مانگ سکے گا نہ چندہ جمع کر سکے گا۔

لاہور میں ایک ٹھیکیدار اپنے گھر کے آدمیوں سمیت کوٹھے کی چھت پر سویا ہوا تھا کہ چوروں نے نقب لگا کے ۶۰ ہزار کے نوٹ اور ایک لاکھ روپے کے جواہرات اور زیور چرا لئے۔

سال مختتمہ مارچ ۱۹۴۰ء پنجاب میں مدرسے ۶۸۸ سے ۱۳۷۹ ہو گئے۔ اور طلبا کی تعداد ۳۴۱۸۴ سے ۱۳۹۳۴۸۷ تک پہنچ گئی۔ لڑکیوں کے مدارس میں ۱۵۹ کا اضافہ ہوا اور طالبات کی تعداد میں ۱۷۹۰۹ کی بیشی ہوئی۔ لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کی نسبت پانچ اور ایک اور مدارس میں چار اور ایک رہی۔

سال مختتمہ ۱۹۴۰ء میں صوبجات متحدہ میں ۵۳ نئے مدارس اور ۹۱۶۴ نئی طالبات کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں اس سال مدرسوں میں ۱۴۷۶۲ زیادہ لڑکیوں نے تعلیم پائی اور لڑکوں کے مدرسوں میں لڑکیوں کی تعداد ۸۷۸۹۷ سے ۹۰۴۹۰ تک پہنچ گئی۔ ابتدائی زنانہ مدارس میں ۱۲ کا اور طالبات میں ۲۶۶۲ کا اضافہ ہوا۔ انٹرنس کے بعد ۷۹۶ لڑکیاں اعلیٰ تعلیم کے لئے گئیں۔ ۱۹۳۹ء میں ۸۹۵ طالبات گئی تھیں۔

انگلستان اور ویلز میں ۱۹۴۰ء میں ۴۶۸۲۶۷ شادیاں ہوئیں۔ ۱۹۳۹ء کی شادیوں سے ان کی تعداد بقدر ۲۸۸۴۳ بڑھ گئی ۶۰۷۱۳۱ زندہ بچے ہوئے۔ سال ماقبل کے مقابلہ میں ۱۲۲۲۱ کی کمی رہی ۲۸۸۷۰۵ موتیں ہوئیں ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں ۴۹۱۲۳۷ کی زیادتی رہی۔

صفحہ ۳۷۸ ملاحظہ فرما کر عصمت کی سچی ہمدردی کا ثبوت دیجئے۔ منیجر